حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز
کے علوم و معارف پر مشتمل رسالہ مبارکہ کی پہلی اردو شرح
سعادت العباد
شرح
مبدأ و معاد
شارح
ابو البیان پیر محمد سعید احمد مجددی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز

کے علوم و معارف پر مشتمل رسالہ مبارکہ کی پہلی اردو شرح

سعادت العباد

شرح

مبدأ و معاد

جلد دوم

شارح

سراج العارفین شہباز طریقت شارح مکتوبات امام ربانی

ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین

علامہ محمد بشارت علی مجددی

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز

121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ
پاکستان +92-55-3841160 ☎:

باراول .... 2007 .... تعداد 1,100

ھدیہ .... 300 روپے

ناشر

تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan

Ph # :+92-55-3841160, Fax #:+92-55-3731933

Website:tanzeemulislam.org

E-mail: info@tanzeemulislam.org

tanzeemulislam@yahoo.com

بسم الله الرحمن الرحيم
ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولىنا فانصرنا على القوم الكفرين
ربنا
تقبل منا انك انت السميع العليم
وتب علينا انك انت التواب الرحيم

اَلْاِھْدَاء

ہم اس تصنیف لطیف کو اپنے شیخ مکرم

سراج العارفین شہبازِ طریقت شارح مکتوبات امام ربانی

ابو البیان **پیر محمد سعید احمد مجددی**

کے **والدین کریمین**

کی طرف منسوب کرتے ہیں

جن کی آغوشِ ولایت اور حسنِ تربیت کی بدولت

ادب و نیاز اور سوز و گداز کا پیکر جمیل

تشکیل پایا

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

برہانِ ولایتِ محمدیہ ؛ حجتِ شریعتِ مصطفویہ
کاشفِ اسرارِ سبع مثانی ؛ عالمِ علومِ مقطعاتِ قرآنی
امامِ ربانی ، عارفِ حقانی
قیومِ زمانی
شیخ الاسلام والمسلمین ، آیۃ اللہ فی الارضین
حضرت شیخ احمد فاروقی
حنفی ، ماتریدی ، نقشبندی ، سرہندی
المعروف
مجدد الفِ ثانی
اویسی ۔ رحمانی
قُدِّسَ سِرُّہُ السُّبحانی

فہرست

مضامین	صفحہ
پیش لفظ	17
منہا ۔۱۹	
حق تعالیٰ اپنی موجودیت میں وجود کا محتاج نہیں	19
معقولات کی دو قسمیں ہیں	21
منہا ۔۲۰	
حق تعالیٰ وہم وتخیل سے وراء ہے	28
رؤیت اور مشاہدہ میں فرق	29
وہم اور خیال میں فرق	30
وجوبی اور امکانی حجابات	31
اصحاب حجب کی اقسام ثلاثہ	32
حجابات کی سہ اقسام	33
وصل عریانی	35
حق تعالیٰ اشیاء کائنات سے وراء ہے	36
طریقت نقشبندیہ میں معرفت ذات کا تصور	37
عالم دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ واقع نہیں	39
عامۃ الناس کی عقول کیفیت رؤیت کے ادراک سے قاصر ہیں	41
منہا ۔۲۱	
حق تعالیٰ دیدودانش سے وراء ہے	43
عرفائے کاملین بے حجاب جلوۂ یار سے شادکام ہوتے ہیں	44
منہا ۔۲۲	
حق تعالیٰ مقید کے آئینوں سے بالا ہے	45
وحدت الوجود......وحدت الشہود	47
حضرت امام ربانی کا نظریہ توحید	48
سالکین مجددیہ کیلئے چند فکر انگیز گذارشات	49
متکلمین علماء بھی ہیں اور صوفیاء بھی	50
ہمیں فص نہیں نص چاہیے	51
روز قیامت احکام شرعیہ کی بابت باز پرس ہوگی	52
منہا ۔۲۳	
محفوظ اولیاء ہی ملائکہ سے افضل ہیں	54
حضرت امام ربانی کا مشاہدہ	56
غم والم......بھی نعمت ہیں	58
اطاعت رسول ﷺ کے ثمرات	58
منہا ۔۲۴	
صفات بشریہ سے مراد علل معنویہ ہیں	60

مضامین	صفحہ
صاحب فنائے نفس کو غیرت آتی ہے	61
حدود شرعیہ کے نفاذ میں ترس کی ممانعت	63
بشریت مطہرہ	64
انا بشر مثلکم کی حکمت	67
مردہ بدست غسال	68
شیخ کا عتاب باعث رحمت ہے	69
حالت غضب میں حواس کا اعتدال	70
غصہ کا علاج	71
خواجہ احرار صاحب ثروت تھے۔	73
ہر قول پیغمبر حق ہے	74
اکتب محمد ابن عبداللہ	75
لا امحوک ابداً	76
امور اجتہادیہ میں اختلاف رائے	77
کھانے کے آداب مسنونہ	78
اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت	81
تربیت اولاد کیلئے تین آداب	83
تزویج وتجرید میں اختلاف صوفیاء	85
اہل وعیال کے ساتھ موانست	86
سگ بچہ مردہ است	88
اہل اللہ میں لطافت کا غلبہ	90
اہل اللہ پر تنقید کی ممانعت	91
ظاہر بین اور باطن بین	93
اہل اللہ کے ظاہر بین حرماں نصیب ہیں	95
اہل اللہ میں کدورات بشریہ کا ظہور باعث آزمائش ہوتا ہے	96
لوگوں کی تین اقسام	98
اہل اللہ کی خطا باعث عطا ہے	101
ایک غلط فہمی کا ازالہ	104
منہا ۔ ۲۵	
نسیان ماسوی راہ طریقت کی شرط ہے	106
ماسوی اللہ کی دو اقسام	107
علوم امکانی اور معارف وجوبی اجتماع ضدین نہیں	110
منہا ۔ ۲۶	
سالک کے عروجی مراتب اور نزولی مدارج	111
عارفین، مولا صفات ہوتے ہیں	113
حق تعالیٰ کی تین سو ساٹھ صفات ہیں	115
تخلق باخلاق اللہ کے مختلف معانی	115
صفات ثمانیہ کی تین اقسام	118
متحقق بحقائق اللہ کا مفہوم	119
منہا ۔ ۲۷	
حضرت امام ربانی کا مقام رضا سے بہرہ اندوز ہونا	121
دعا افضل ہے یا رضا افضل	124
منہا ۔ ۲۸	
تقلید کا معنی ومفہوم	127

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
تقلید کی اقسام	128	شیخ کیلئے بیعت لینے کے آداب وشرائط	167
تقلید شرعی کی اقسام ثلاثہ	130	خلیفہ مقید.... خلیفہ مطلق	169
مجتہدین کی اقسام	131	حضرت مولانا جامی کا مختصر تعارف	170
اجتہاد کا ثبوت	135	حضرت خواجہ یعقوب چرخی کا مختصر تعارف	173
امام اعظم فانی الصفت ہیں	136	**منہا ۔ ۳۰**	
آئمہ مجتہدین کا اپنے مقلدین کی		یادداشت کی تفصیلات	176
اعانت کرنا	137	یادداشت اور یاد کرد میں فرق	178
مذاہب اربعہ سے خروج گمراہی ہے	139	یادداشت کے تین معانی	180
تلفیق کی تفصیلات	140	**منہا ۔ ۳۱**	
مسائل متفقہ.....مسائل مختلفہ	141	تکمیل سلوک کا انحصار مقامات عشرہ	
مقلد محقق کا تفرد	143	پر ہے	186
علم کلام کا مختصر تعارف	144	حضرت شیخ شبلی کا مختصر تعارف	188
شاھق الجبل کے متعلق متکلمین کی آراء	146	صوفیائے کاملین میں نقائص باقی	
حضرت امام ربانی کا امتیازی موقف	147	رکھنے کی حکمتیں	192
حضرت امام اعظم کا مختصر تعارف	149	**منہا ۔ ۳۲**	
حنفیوں کو جنت کا مژدہ	151	حصول فیض کیلئے اہل اللہ کی نیازمندی	
حضرت امام مالک کا مختصر تعارف	155	لازم ہے	195
حضرت امام احمد بن حنبل کا مختصر تعارف	157	اہل اللہ ہی حزب اللہ ہیں	198
حضرت امام شافعی کا مختصر تعارف	159	**منہا ۔ ۳۳**	
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف	161	صورت بشریہ باطنی کمالات کی	
حضرت خواجہ محمد پارسا کا مختصر تعارف	163	پردہ پوش ہے	199
منہا ۔ ۲۹		اہل اللہ کے بطون بیچون وبیچگون ہیں	200
سالک کو خلافت مقیدیہ دینے کا سبب	166		

مضامین	صفحہ
منہا ۔ ۳۴	
بدعت کی تفصیلات	202
حضرت امام ربانی اور امور بدعت	204
تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات	208
بدعت حسنہ...... رافع سنت ہے	211
بدعت اعتقادی اور بدعت عملی	214
فرقہ رافضیہ کی اقسام	216
زبان رسالت سے روافض کی مذمت	217
صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ	218
بارگاہ رسالت ﷺ میں حضرت امام ربانی کی قبولیت	219
منہا ۔ ۳۵	
متشابہات کی تاویل اور علماء کی آراء	220
مفوضین اور مؤولین	220
حضرت امام ربانی کا موقف	222
کارکنان قضاء وقدر کون ہیں؟	224
محکمات اور متشابہات کے متعلق حضرت امام ربانی کا موقف	225
منہا ۔ ۳۶	
اتباع سنت، حصول محبوبیت کا ذریعہ ہے	227
متابعت ظاہری...... متابعت باطنی	228
ریاضت وسنت کا فرق	230
اطاعت رسول ہی اطاعت خدا ہے	232
دونوں اطاعتوں کے درمیان تفریق کی ممانعت	233
سنت کی برکات	235
منہا ۔ ۳۷	
محبت کی اقسام	236
محبت ذاتیہ کے اعتبارات ثلاثہ	238
مقام تکمیل میں محبت رسول غالب ہوتی ہے	240
منہا ۔ ۳۸	
شرافت علم معلوم کے مقام شرافت کے مطابق ہے	243
علم ظاہر اور علم باطن	244
علم کے دو ظروف	244
علم معاملہ...... علم مکاشفہ	245
علم نافع اور علم غیر نافع	247
علماء کے تین گروہ	248
شیخ کے حقوق تمام حقوق سے فوق ہیں	249
منہا ۔ ۳۹	
عالم امر اور عالم خلق کی تعریفات	254
لطیفہ...... محل نور ہے	256
لطیفہ روح، سر اور خفی کی تفصیلات	258
لطیفہ اخفی، نفس اور قالبیہ کی تفصیلات	260
جسم انسانی میں لطائف کی تعیین	261

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
لطیفہ جاری ہونے کا مطلب	262	**منہا** ۔ ۴۱	
موت کی تعریف اور اس کی قسمیں	264	صفت تکوین کی تفصیلات	290
موت اختیاری کی اقسام	265	صفت قدرت کی تفصیلات	293
منہا ۔ ۴۰		قدرت کسبی کا اجمالی تذکرہ	297
معراج نبوی ﷺ جسمانی ہے	269	صفت ارادہ کی تفصیلات	298
اہل اللہ کا باطنی عروج	270	ارادہ کی دو قسمیں	300
دونوں معراجوں میں فرق	271	استطاعت مع الفعل حقیقت قدرت ہے	302
شیخ رفاہی کی روحانی پرواز	272	استطاعت کی دو قسمیں	303
شیخ بسطامی کی روحانی معراج	272	**منہا** ۔ ۴۲	
کلام...... حقیقی صفت ہے	274	رویت باری تعالیٰ دنیا میں واقع	
کلام لفظی...... کلام نفسی	277	نہیں ہے	307
قرآن کی تعریف	278	کشف اور فراست کے درمیان امتیاز	311
کلام اللہ کے مراتب اربعہ	279	فراست کی اقسام ثلاثہ	312
کلام اللہ کے سات بطون	280	اہل معرفت کی فراست	313
وجوبی مراتب...... امکانی مراتب	281	اہل ریاضت کی فراست	313
قرآن، ذاتی وشیونی کمالات کا جامع ہے	283	مناظرہ کی تعریف	315
حقیقت قرآن مرتبہ نور سے بالا ہے	284	مناظرہ کی دو قسمیں	315
قرآن غیر مخلوق ہے	286	مناظرہ مذموم کی تفصیلات	316
دائرہ امکان	287	مناظرہ محمود کا اجمالی تذکرہ	319
ازل کی تعریف	287	علم کلام کی تفصیلات	321
ابد کی تعریفات ثلاثہ	288	حضرت شیخ ماتریدی کا مختصر تعارف	323
سجدہ عبادت...... سجدہ تحیت	288	اشاعرہ کی فلسفیانہ موشگافیوں پر نقد ونظر	326
		حضرت شیخ اشعری کا مختصر تعارف	327

مضامین	صفحہ
منہا ۔ ۴۳	
امام ربانی علم کلام کے مجتہد ہیں	329
علم لدنی کی اقسام ثلاثہ	330
الہام اور فراست کی اجمالی تفصیلات	331
منہا ۔ ۴۴	
تخلیق انسانی کا مدعا	335
عبد ماذون...... بندہ مرزوق	337
تخلیق ہدایت...... تقسیم ہدایت	340
اسیران بدر کے متعلق باہمی مشاورت	341
احکام جزئیہ میں خطاء کا احتمال	342
زلت کے اطلاق سے اجتناب	344
عتاب کا اجمالی بیان	345
افعال عباد مشیت سے متعلق ہیں	347
منہا ۔ ۴۵	
قرآن مجید متقین کے لئے ہادی ہے	348
عرفائے کاملین صفات پر اکتفا نہیں کرتے	350
منہا ۔ ۴۶	
حضرت خواجہ باقی باللہ کے چند مریدین	352
یک در گیر محکم گیر کا مقولہ	355
حضرت خطیب الاسلام کا ایک چیلنج	357
سیدنا علی المرتضیٰ کا محب مفرط گمراہ ہے	358
مرید کیلئے شیخ ہی امام برحق ہوتا ہے	361
منہا ۔ ۴۷	
کلمہ طیبہ لاہوتی نغمہ ہے	362
یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند	365
منہا ۔ ۴۸	
حقیقت سے مراد مبداء تعین ہے	366
حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ	367
حقیقت محمدیہ ﷺ	368
حقیقت محمدیہ کی دو جہتیں	369
حقیقت کعبہ حقیقت قرآن سے بالا ہے	371
حقائق الاشیاء ثابتہ کی تفصیلات	373
معدوم، مرئی شئی نہیں	375
حقیقت احمدیہ ذات احد کا مظہر ہے	377
حقیقت امکانی...... حقیقت وجوبی	377
حقیقت احمدیہ شیون کا ایک بلند مرتبہ ہے	378
اسم محمد اور اسم احمد کے حقائق	379
اسم احمد میں میم عبودیت کا حلقہ ہے	380
حقیقت محمدیہ عالم خلق کی مربی ہے	381
ہزارہ دوم میں امام ربانی کی برکات	383
ہزار سالہ مجدد ہی امام زمانہ ہوتا ہے	384
حضرت امام ربانی کے معاندین کا خبث باطن	385
حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عالم امر کا غلبہ تھا	386

مضامین	صفحہ
منہا ۔ ۴۹	
کلمہ طیبہ کے فیوض وبرکات	387
کلمہ طیبہ کے تقاضے	389
منہا ۔ ۵۰	
معوذتین کی قرآنیت	390
حضرت شیخ منیری کا مختصر تعارف	393
مکتوبات منیری کی اہمیت	395
منہا ۔ ۵۱	
تقلید مذموم......تقلید محمود	397
اہل اللہ کے ناقدین حرمان نصیب ہیں	400
سیدنا صدیق اکبر جمال نبوت کا آئینہ ہیں	401
چوں گرفتی پیر را تسلیم شو	402
بمے سجادہ رنگین کن ..	403
سیدنا آدم علیہ السلام اور شجرہ ممنوعہ	404
عصمت کی تعریف	405
اہل اللہ کی خطا پر گریہ وزاری	406
وائے ناکامی زاہد......	407
مسئلہ نسیان کا اجمالی بیان	408
خواجہ حبیب عجمی کی صحت نیت	411
خطاء پیر بہتر از صواب مرید	413
حضرت شیخ شاذلی اور حزب البحر کا وظیفہ	414
منہا ۔ ۵۲	
تجلی کا معنی ومفہوم	416
تجلی صفاتی......تجلی ذاتی	417
تجلی ذاتی کی قسمیں	418
تمام انبیاء نفس نبوت میں مساوی ہیں	419
اولوالعزم علیہم الصلوات چھ رسول ہیں	420
انبیاء کرام کے درمیان مخائرہ کی ممانعت	421
آیات واحادیث میں متابقت	422
وصول باعتبار نظر......وصول باعتبار قدم	424
حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں	426
منہا ۔ ۵۳	
سیر مستطیل......سیر مستدیر	430
صوفیائے مستہلکین اور صوفیائے راجعین	432
منہا ۔ ۵۴	
مقام رضا کی تفصیلات	433
حضرت امام ربانی اور مقام رضا	435
صورت رضا اور حقیقت رضا	436
منہا ۔ ۵۵	
سنت کا اکتساب ۔ بدعت سے اجتناب	438
متابعت نبوی ﷺ کی برکات	439
گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن	441
منہا ۔ ۵۶	
لفظ جن کا معنی ومفہوم	442
جنات کے متعلق اہلسنت کا موقف	443

مضامین	صفحہ
روحانی مخلوق کی تین اقسام	444
جنات کی تین اقسام	445
جسم انسانی پر جنات کا تسلط اور شیاطین کا تصرف	446
منہا ۔ ۵۷	
امام ربانی کے نزدیک نبی ﷺ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کفر ہے	449
جزوی فضیلت کو کلی فضیلت کے ساتھ معارضہ کی مجال نہیں	451
شہداء کے جزوی فضائل کا بیان	452
اولیاء، انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے طفیلی ہیں	453
حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر جزوی فضیلت حاصل ہے۔	454
خاتم ولایت اور خاتم نبوت	457
منہا ۔ ۵۸	
نبوت ولایت سے افضل ہے	460
ولایت نبوت سے منور ہے	461
نبی کا ایک سانس بھی ولی کی زندگی سے فاضل تر ہے	462
انبیاء اولیاء سے چار مراتب میں افضل ہیں	463
منہا ۔ ۵۹	
صفات ذاتیہ کی تین اقسام	464
صفات سلبیہ ... صفات ثبوتیہ	465
صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں	466
صفات فعلیہ	467
حق تعالیٰ بذات خود موجود ہے	468
صفت حیات کا اجمالی تذکرہ	470
صفت علم کا تفصیلی تذکرہ	471
فیض تخلیقی ... فیض کمالاتی	476
سیر نظری ... سیر قدمی	477
منہا ۔ ۶۰	
صفات ثبوتیہ ... صفات سلبیہ	479
مماثلت ذاتی ... مماثلت صفاتی	481
مماثل موافق ... مماثل مخالف	483
معیت عامہ ... معیت خاصہ	485
منہا ۔ ۶۱	
حال کی تعریف	487
حال کے متعلق صوفیائے کرام کی آراء	488
وجدانات	488
نسخ کے متعلق تمہیدی کلمات	489
نسخ کے تدریجی مراحل	490
نسخ کی تعریف اور اقسام اربعہ	492
حضور اکرم ﷺ محلل و محرم ہیں	494
نسخ بالسنۃ کی سات مثالیں	495

پیش لفظ

علم وعرفان اور احوال وایقان کے رُخ زیبا کو سنوارنے اور نکھارنے میں علمائے راسخین اور عرفائے کاملین میں جن نفوس قدسیہ کے علمی آثار اور باطنی اسرار کو شہرت دوام حاصل ہوئی ان میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ سرفہرست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی تصانیف عالیہ کا جو فہم و ادراک ہمارے آقائے ولی نعمت سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہٗ العزیز کو عطا فرمایا البینات شرح مکتوبات (۳ جلدیں) اور سعادت العباد شرح مبداء ومعاد (۲ جلدیں) اس کا بین ثبوت ہیں اہل طریقت کی نظر میں البینات شرح مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت شیخ عبدالرؤف نظامی مدظلہ (جنوبی افریقہ) نے اپنے بارہ مدارس دینیہ میں اسے بطور نصاب شامل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں سعادت العباد کی تکمیل کی توفیق انیق رفیق فرمائی۔ جس کا پہلا حصہ حضور قبلہ عالم ابوالبیان قدس سرہٗ العزیز کے دوسرے سالانہ عرس پاک کے موقعہ پر چھپ کر منظر عام پر آیا۔ جس میں 18 منہا کی توضیح وتشریح کی گئی۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ اس کا دوسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں بقیہ 43 منہا کی شرح پیش خدمت ہے۔ جن میں چند ضروری مباحث صفات باری تعالیٰ، تقلید وتلفیق، یادداشت، حضرت امام ربانی کے تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات،

مناظرہ کی اقسام، عتاب کا اجمالی تذکرہ وغیرہا قابل ذکر ہیں۔

اس تصنیف لطیف کی ترتیب وتدوین، تسوید وتزئین اور طباعت واشاعت میں علامہ محمد بشارت علی مجددی، شہید وفا مولانا محمد اکبر شاکر مجددی مرحوم، علامہ حافظ تنویر حسین مجددی، سید اظہر علی شاہ مجددی، علامہ راشد علی مجددی، علامہ محمد اشفاق مجددی (شریعہ اینڈ لاء)، ڈاکٹر محمد انوار احمد اعجاز، محمد ندیم ارشد مجددی، شہزادہ محمد عارف مجددی اور محمد جاوید احمد مجددی کی شبانہ روز محنت لائق تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتوں اور کونین کی برکتوں سے نوازے اور اپنے شیخ مکرم کے عظیم و پاکیزہ مشن کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

قارئین کرام سے التماس ہے کہ دوران مطالعہ اگر کمپوزنگ یا پروف ریڈنگ کی کوئی فروگذاشت پائیں تو دامن عفو میں جگہ دیتے ہوئے ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

ابوالحبیب محمد رفیق احمد مجددی
درگاہ حضرت ابوالبیان قدس سرہ العزیز
امیر اعلیٰ: عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

از خصائص حضرت واجب الوجود ست تعالیٰ و تقدس
حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی خصوصیات سے ہے کہ
کہ بذات خود موجود بود و اصلا درموجودیت بوجود
وہ بذات خود موجود ہو [1] اور موجودیت میں ہرگز وجود

حق تعالیٰ اپنی موجودیت میں وجود کا محتاج نہیں

[1] زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اپنی موجودیت (موجود ہونے) میں وجود کا بھی محتاج نہیں بلکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے خصائص میں سے ہے جبکہ تمام مخلوقات وجمیع ممکنات اپنی موجودیت میں وجود کی محتاج ہیں۔

محتاج نشود برابر ست که وجود را عین ذات بگیریم

کا محتاج نہ ہو برابر ہے کہ ہم وجود کو عین ذات مانیں یا ذات پر

یا زائد برذات بر ہر دو تقدیر عینیت و زیادتی محذور

زائد۔ ؎ ہر دو تقدیر عینیت و زیادتی پر حذر لازم ہے

لازم ست و چوں حضرت حق سبحانه و تعالیٰ را سنت

چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی سنت اس (انداز) پر جاری ہے

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب صوفیائے وجودیہ نے عینیت کا قول کیا تو متکلمین اہلسنت نے ان پر اس قدر تابڑ توڑ اشکالات وارد کیے جن کے جوابات کے لئے ان صوفیاء کو لمبے چوڑے دلائل دینا پڑے اور ان دلائل کی کھینچا تانی کر کے اپنے مؤقف کو ثابت کرنا پڑا لیکن پھر بھی مسکت اور تسلی بخش جواب نہ دے سکے فلہٰذا عینیت کی صورت میں دلائل متطاولہ کا احتیاج لازم آتا ہے اور جمہور متکلمین اہل سنت کی مخالفت بھی لازم آتی ہے اور جب وجود کو زائد علی الذات کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات، وجود کے ساتھ موجود ہے جس سے ذات کی وجود کی طرف احتیاج لازم آئے گی اور اللہ تعالیٰ سبحانہ احتیاج سے پاک ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالك علواً کبیراً

برآں جاری شدہ است کہ ہرچہ درمرتبہ وجوب ست

کہ جو کچھ مرتبہء وجوب میں ہے [3] اس کا نمونہ

نمونہ آں در ہر مرتبہ امکان ظاہر سازد "**علمہ احد اولم**

امکان کے ہر مرتبہ میں ظاہر فرما دے کسی کو معلوم ہو یا

یعلمہ" انموذج ایں خاصہ در عالم امکان وجود را ساختہ

نہ ہو۔ اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنایا ہے

است کہ وجود ہر چند موجود نیست و از معقولات

کیونکہ وجود اگرچہ موجود نہیں ہے اور معقولات

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی یہ سنت وعادت جاری ہے کہ اس نے عالم وجوب کی ہر ہر چیز کا نمونہ عالم امکان میں ظاہر فرمادیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے چاہے کسی کو اس بات کا علم ہو یا نہ ہو، کوئی مانے یا نہ مانے۔ چونکہ عالم وجوب کی ہر اک شئی کا نمونہ عالم امکان میں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے وجوب کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو بنادیا ہے اور یہ وجود، جو وجوب کا نمونہ ہے، یہ موجود نہیں بلکہ یہ تو معقولات ثانیہ میں سے ہے۔

علماء نے معقولات کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

معقولات ذاتیہ خارجیہ اور معقولات ثانویہ ذھنیہ

معقولات ذاتیہ خارجیہ

یہ ہیں کہ جن کا وجود ذاتی طور پر خارج میں موجود ہوتا ہے جیسا کہ تمام اشیائے کائنات۔

معقولات ثانیہ ذہنیہ

وہ ہیں کہ جن کا وجود خارج میں موجود نہیں ہوتا بلکہ ذہن میں اشیاء کی صورتیں ہوتی ہیں جیسے کتاب جو سامنے میز پر پڑی ہوئی ہو یہ اس کتاب کا وجود ذاتی خارجی ہے جبکہ اس کتاب کا تصور جو ذہن میں ہے وہ معقولات ثانویہ ذہنیہ میں سے ہے جو نا قابل اعتبار ہے۔

غرضیکہ وجوب کا نمونہ وجود، جو عالم امکان میں ہے یہ وجود ذہنی ہے حقیقی نہیں ہے اسی لئے نا قابل اعتبار ہے۔

ثانیہ است اما اگر فرض کنیم وجود او را پس اوسوجود

ثانیہ میں سے ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کریں ؎ پس وہ

بذات خود خواہد بود نہ بوجود دیگر برخلاف موجودات

بذات خود موجود ہو گا نہ کہ کسی دوسرے وجود کے ساتھ برخلاف

دیگر کہ موجودیت آنہا بوجود محتاج ست وذوات

دیگر موجودات کے کہ ان کی موجودیت وجود کی محتاج ہے ان کی ذاتیں

اینہا کافی نیست پس ہر گاہ وجود کہ او را در موجودیت

کافی نہیں ہیں پس جبکہ ایسا وجود کہ جس کو اشیاء کی موجودیت میں

اشیا مد خلے دادہ اند اگر موجود شود بذات خود موجود

مدخل دیا ہوا ہے اگر موجود ہو گا تو اپنی ذات کے ساتھ موجود

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے وجود کو (ذہنی طور پر) فرض کرلیں تو وہ بھی کسی وجود کے احتیاج کے بغیر اپنی ذات کے ساتھ موجود ہوگا۔ جب ذہناً مفروضہ وجود کو کسی دوسرے کا احتیاج نہیں رہتا تو ذات (حق تعالیٰ) کو اپنی موجودیت میں کسی دوسرے وجود کا احتیاج کیونکر ہوگا فلہٰذا اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے جبکہ دیگر موجودات اپنی موجودیت میں وجود کی محتاج ہیں۔ ان کی ذوات خود بخود کافی نہیں لہٰذا انہیں وجود کی حاجت ہے۔

خواہد بود ومحتاج بوجود دیگر نخواہد بود خالق

ہو گا کسی دیگر وجود کا محتاج نہیں ہو گا۔ ۵ خالق

موجودات تعالیٰ وتقدس بالاستقلال اگر بذات خود موجود

موجودات تعالیٰ و تقدس بالاستقلال اگر بذات خود موجود

شود واصلا بوجود محتاج نه گردد چه عجب ست

ہو اور ہرگز کسی وجود کا محتاج نہ ہو تو کیا تعجب ہے

واستبعاد بعیداں از مبحث خارج است واللّٰہ سبحانه

(حقیقت سے) دور افتادگان کا اسے بعید از عقل جاننا، مبحث سے

الملهم للصواب اگر کسے گوید که مراد حکما و اشعریه

خارج ہے اور اللہ سبحانہ درست کا الہام فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حکماء، اشعریہ

وبعضے متصوفه که به عینیت وجود مر ذات را تعالیٰ و

اور بعض خود ساختہ صوفی کی مراد جو ذات تعالیٰ و

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ اشیائے کائنات جن کی موجودیت میں وجود دخیل ہے وہ وجود بھی اپنی ذات کے ساتھ ہی موجود ہے کسی دوسرے وجود کا محتاج نہیں۔ اگر وہ وجود بذات خود ہی موجود ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ سبحانہ جو جملہ موجودات کا خالق ہے بغیر کسی وجود کی محتاجی کے وہ اپنی ذات کے ساتھ ہی مستقل طور پر موجود ہوتو اس میں کیا تعجب اور استحالہ ہے...... لیکن حقیقت سے ناآشنا دور افتادہ لوگ اسے ناممکن یا بعید از فہم جانیں تو یہ بات خارج از بحث ہے، اللہ تعالیٰ سبحانہ ہی درست الہام فرمانے والا ہے۔

تقدس قائل گشته اند ہماں ست کہ توآں را گفته در

تقدس کے لئے عینیت وجود کے قائل ہوئے ہیں وہی ہے کہ جسے آپ نے

معرفت سابق کہ واجب وجود موجود است تعالٰی و

گذشتہ معرفت میں بیان فرمایا کہ واجب الوجود تعالٰی و

تقدس بذات خود نہ بوجود پس معنی ایں کلام کہ

تقدس بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ پس اس کلام

"موجود است بوجودے کہ عین ذات است" آنست

کا معنی ہے کہ (واجب الوجود) ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو (اسکی) ذات کا

کہ موجود ست بذات خود نہ بوجود درجواب گوئیم

عین ہے، وہ یہی ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ جواب

کہ بریں تقدیر خلاف اہل سنت باایشاں دریں مسئلہ

میں ہم کہیں گے اس تقدیر پر اہل سنت کا اختلاف ان کے ساتھ اس مسئلہ

در برابر نمی افتد بایستے کہ اہل حق بریں تقدیر در تقابل

میں برابر نہیں پڑتا کیونکہ اہل حق اس صورت پر ان کے مقابلہ میں

ایشاں می گفتند کہ او تعالٰی بوجود موجود است نہ

کہتے کہ وہ تعالٰی وجود کے ساتھ موجود ہے نہ کہ ذات کے ساتھ

بذات اثبات زیادتی وجود بریں تقدیر مستدرك است

اس تقدیر پر وجود کی زیادتی کا اثبات زائد ہے

پس اثبات زیادتی وجود را دلالت برآں شد کہ خلاف

پس زیادتی وجود کا اثبات اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ

فریقین درنفس وجود نیست بلکہ در وصف اوست

فریقین کا اختلاف نفس وجود میں نہیں ہے بلکہ اس کے وصف میں ہے

کہ عینیت و زیادتی باشد یعنی ہر دو فریق قائل اند

جوعینیت اور زیادتی ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ

بآنکہ اوتعالیٰ بوجود موجود است خلافے ندارند مگر

وہ تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے کوئی اختلاف نہیں رکھتے

درعینیت و زیادتی آں اگر گویند کہ چوں واجب الوجود

مگر اس کی عینیت اور زیادتی میں اگر کہتے ہیں کہ جب واجب الوجود

تعالیٰ و تقدس بذات خود موجود باشد پس واجب را

تعالیٰ و تقدس بذاتِ خود موجود ہو تو واجب تعالیٰ

تعالیٰ موجود گفتن بکدام معنی باشد؟ چہ معنی موجود

کو موجود کہنے کے کیا معنی ہیں کیونکہ موجود کا معنی

ما قام بہ الوجود است **ولا وجود ھھنا اصلاً** جواب گوئیم کہ

وہ چیز جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں وجود ہرگز نہیں جواباً ہم کہیں گے

آرے وجود یکہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس بآں موجود

کہ ہاں وہ موجود کہ ذات واجب تعالیٰ و تقدس جس کے ساتھ موجود ہو

شود در واجب تعالٰی مفقود ست اما وجود یکه بطریق

واجب تعالٰی میں مفقود ہے لیکن جو وجود

عرض عام برذات اوتعالٰی مقول شود و بطریق اشتقاق

عرض عام کے طور پر اس تعالٰی کی ذات پر بولا جائے اور بطریق اشتقاق

محمول گردد اگر باعتبار قیام آں وجود واجب را تعالٰی

محمول ہو اگر اس وجود کے قیام کے اعتبار سے واجب تعالٰی کو

موجود گویند گنجائش دارد ہیچ محذور لازم نیاید والسلام

موجود کہیں تو گنجائش رکھتا ہے اس سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ والسلام

منہا - ۲۰

ہرگز نہ پرستیم خدائے را کہ درحیطۂ شہود آید وسرئی

ہم ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتے [1] جو شہود کے احاطہ میں آ جائے اور دکھائی

گردد ومعلوم شود ودروہم وخیال گنجد چہ مشہود و

دے اور معلوم ہو جائے اور وہم وخیال میں سما جائے کیونکہ مشاہدہ میں آنے والا،

مرئی ومعلوم و موہوم ومتخیّل دررنگ شاہد و رائی و

دکھائی دینے والا، معلوم ہو جانے والا، وہم میں آنے والا، خیال میں سمانے والا شاہد

[1] حق تعالیٰ شہود اور وہم وتخیل سے وراء ہے

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشاہدہ، رؤیت، وہم اور خیال میں نہیں سما سکتا جو ذات، مشہود مرئی، معلوم، موہوم اور متخیل (بفتح خاء) ہو وہ مخلوق اور مصنوع ہوگی اور جو چیز مخلوق ومصنوع ہو وہ حادث اور فانی ہے اور جو چیز حادث اور فنا پذیر ہو وہ عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور جو لائق عبادت اور قابل پرستش نہیں وہ معبود برحق نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے تخیلات، توہمات اور مشاہدات سے وراء ہے

ع آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم

یعنی کیسی عجیب بات ہے کہ ہم لوگ اس ہستی کو وہم وخیال اور کائنات کے آئینوں

عالم وواہم ومتخیّل مصنوع و محدث ست

دیکھنے والے، عالم اوروہم وخیال کرنے والے کی مانند مخلوق اور پیدا شدہ ہے

ع آں لقمہ کہ در دہان نگنجد طلبم

لقمہ جو دہن میں سما نہیں سکتا وہ میں طلب کرتا ہوں

مقصود ازسیر وسلوک خرق حجب ست حجب وجوبی

سیر و سلوک سے مقصود پردوں کا چاک کرنا ہے وہ حجاب وجوبی

میں لانا چاہتے ہیں جو دید، عقل اور فہم میں نہیں آ سکتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مشاہدہ، روٴیت، وہم اور خیال کی قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی رہے۔ وباللہ التوفیق

روٴیت اور مشاہدہ میں فرق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز روٴیت اور مشاہدہ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

❁......روٴیت حق تعالیٰ (واجب الوجود) کے دیدار کو کہا جاتا ہے جبکہ مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ ہے۔

❁......روٴیت، اصالت اور مشاہدہ، ظلّیت ہے۔ روٴیت، نبوت کا ثمرہ ہے جبکہ مشاہدہ، ولایت کا نتیجہ ہے۔

❁......حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں کیونکہ ان میں عالم امر کی نسبت غالب ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں بیشتر قدم ہیں لہٰذا انہوں

نے مشاہدہ پر اکتفا نہ کر کے رؤیت بصری کی درخواست کر دی۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۰)

وہم اور خیال میں فرق

وہم اور خیال انسانی دماغ میں دو قوتیں ہیں۔ وہم کا محل دماغ میں وسط جوف کا پچھلا حصہ ہے اور خیال کا محل دماغ میں بطن اول کا پچھلا حصہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز وہم اور خیال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

یہ وہم ہی کی شرافت ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سبحانہ نے تخلیق عالم کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اسے اپنے کمالات کا محل بنایا ہے۔ مرتبہء وہم، نمود بے بود سے عبارت ہے جیسے آئینے میں زید کی صورت نمود بے بود ہے۔ یہ مرتبہء علم اور مرتبہء خارج سے وراء ہے۔ عالم موہوم مخترع نہیں کہ وہم کے ازالہ سے زائل ہو جائے جیسا کہ سوفسطہ کا مذہب ہے بلکہ عالم موہوم یقینی ہے جس پر جزا و سزا اور ثواب و عذاب مترتب ہونگے۔ یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ حضرت واجب الوجود نے اسے عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے جو تمام جہانوں سے وسیع تر ہے حتی کہ اس عالم میں مرتبہء وجوب جل شانہ کی ایک صورت بھی بیان کی جاتی ہے اور حکم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ وللّٰہ المثل الا علی (النحل)

❁...... راہ سلوک کا دارومدار تو ہم و تخیل پر ہے۔ احوال و مواجید کا ادراک وہم سے ہوتا ہے اور سالکوں کو تجلیات و تلوینات خیال کے آئینے میں مشہود ہوتی ہیں: فلولا الوھم لقصر الفھم ولولا الخیال لستر الحال یعنی اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور رہتا۔

اس راہ سلوک میں وہم و خیال سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور ان کے ادراک

وانکشاف اکثر واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ وہم وخیال ہی ہے کہ پچاس ہزار سال کی راہ جو بندہ اور رب کے درمیان ہے کو خدا تعالیٰ کے کرم سے بہت کم مدت میں قطع کرلیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۹ وغیرھا)

اہل طریقت نے خیال کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

خیال با کشف اور خیال بدون کشف

یہ حق تعالیٰ کی قدرت و مرضی ہے کہ بعض خیالات میں قرب کو نقش فرما دیتا ہے اور بعض خیالوں میں منقش نہیں فرماتا۔

ع ہر گل پسرے را حرکات دیگر ہست

وجوبی وامکانی حجابات

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز سیر وسلوک اور تصوف وطریقت کی غرض و غایت بیان فرمارہے ہیں کہ ان سے مقصود وجوبی اور امکانی حجابات کو پھاڑ کر بے پردہ وصل ہے۔ وجوبی حجابات، امکانی حجابات اور وصل عریانی کی قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو!

ہر وہ چیز جو بندے کو حق تعالیٰ سے بے خبر یا دور کردے حجاب کہلاتی ہے یعنی تمام اشیاء اور خیالات ماسویٰ، حجابات ہیں۔ سب سے بڑا حجاب بندے کی اپنی ذات (حجاب خودی) ہے جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

حجابِ چہرۂ جاں می شود غبار تنت
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

حجابات کی دو قسمیں ہیں: حجابات نورانی اور حجابات ظلمانی

❁...... حجابات ظلمانی سے مراد عالم امکان اور کدورات بشریہ ہیں جنہیں حجابات امکانی بھی کہا جاتا ہے۔

حجابات نورانی کی دو قسمیں ہیں:

❁......حجابات نورانی سے مراد صفات، شیونات اور اعتبارات کے ظلال ہیں۔

ا...... حجابات وجودیہ: اسماء وصفات کے ظلال کو کہا جاتا ہے غالباً انہی کو حجابات وجوبی بھی کہتے ہیں۔

۲...... حجابات اعتباریہ: یہ شیونات اور اعتبارات کے ظلال ہیں شاید انہی کو حجابات کیفی بھی کہا جاتا ہے۔

اصحاب حجب تین ہیں:

ا...... اصحاب شمال (صاحبان دست چپ)

۲...... اصحاب میمنہ (صاحبان دست راست)

۳......سابقان (واصلان ذات بلا کیف)

زوال حجابات بھی دو قسم پر ہے زوال علمی اور زوال عینی (وجودی)

حجابات نورانی کا زوال، زوال علمی ہے کیونکہ صفات وشیونات درمیان میں رہتی ہیں صرف عارف کے علم و دید سے باہر ہوتی ہیں جیسا کہ کسی عارف نے کہا

حسنے تو چناں کرد مرا زیر و زبر

کز خال و خط زلف تو ام نیست خبر

حجابات ظلمانی کا زوال، زوال عینی وجودی ہے کہ عالم امکان کی کثافتوں اور بشریت کی کدورتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

حجابات ظلمانی، حجابات نورانی اور حجابات کیفی کی قدرے وضاحت ملاحظہ ہو:

حجابات ظلمانی

ہر قسم کے گناہ اور لذات نفسانی طبیعی ہیں انہیں حجابات ناسوتی بھی کہا جاتا ہے۔ سالک کو سب سے پہلے انہی حجابات کو رفع کرنا پڑتا ہے۔اصحاب شمال، صاحبان حجابات ظلمانی کو ہی کہا جاتا ہے۔

حجابات نورانی

علوم ظاہر یہ رسمیہ، عبادات عادیہ اور انوار ملکوتیہ، حجابات نورانی ہیں ،انہیں حجابات ملکوتی بھی کہا جاتا ہے۔سالک کو حجابات ظلمانی کے بعد انہی حجابات کو اٹھانا پڑتا ہے سالک کے لئے ان حجابات کا اٹھانا ،حجابات ظلمانی سے زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ حجابات نورانی، مزے اور لذت میں حجابات ظلمانی سے بڑھے ہوئے ہیں۔اصحاب میمنہ،صاحبان حجابات نورانی کو کہا جاتا ہے۔

حجابات کیفی

کیف وکم اور امکان وحدوث کے تمام مناظر ومظاہر حجابات کیفی ہیں تعالی اللّٰہ عن ذالك علواً کبیراً۔سالک کو آخر میں مشاہدۂ ذات کے لئے تمام حجابات کیفی کا پردہ چاک کرنا پڑتا ہے اور یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور اس کے بغیر ذاتِ بے کیف تک رسائی ناممکن ہے۔سابقان سے مراد وہی حضرات ہیں جو حجابات ظلمانی ،نورانی اور کیفی سے گذر کر ذات بلا کیف تک وصول بلا کیف کے انعام سے سرفراز ہیں۔حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتصال بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۱۵،۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مکتوب میں حجابات ظلمانی وحجابات نورانی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

میرے مخدوم! راہ سلوک انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق کل سات قدم ہے دو قدم عالم خلق میں ہیں جو کہ قالب (بدن عنصری) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو کہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی ان للّٰہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کیلئے نور و ظلمات کے ستر ہزار حجاب ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۵۸)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ عارف جب ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مرتبے میں پہنچتا ہے تو اس مقام میں تمام حجابات وجودی واعتباری اٹھ جاتے ہیں اور عارف کو وصل عریانی نصیب ہو جاتا ہے اور مطلوب کی یافت حقیقی طور پر میسر آ جاتی ہے جس میں گمان اور وہم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۱)

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی مفہوم کی خبر دیتا ہے

خرقت جمیع الحجب حتی وصلت الی
مقام لقد کان جدی فادنانی

یعنی میں نے تمام پردوں کو پھاڑ ڈالا یہاں تک کہ وہاں پہنچ گیا جہاں میرے جدامجد (دادا) تھے تو انہوں نے مجھے قریب کرلیا۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے ظلال کے تمام مرتبوں کو طے کرلیا جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس جگہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ

سلم کے مبداء تعین پر پہنچ گیا جو کہ اسماء وصفات کے مرتبہ میں ہے اور اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

دوران سلوک انہی پردوں کو پھاڑنا پڑتا ہے تاکہ وصل عریانی نصیب ہو، محض عروج ونزول کا نام تصوف وطریقت اور سیر وسلوک نہیں بقول شاعر

قرب نے بالا و پستی رفتن است
قرب حق از قید ہستی رستن است

جیسا کہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے حجابات کو پھاڑتے ہوئے حریم قدس جل سلطانہ میں باریاب ہوئے۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

وصل عریانی

اس کا لغوی معنی ہے برہنہ وصل (بے پردہ ملاقات) اصطلاح صوفیاء میں وصل عریانی ''بدون اعتبار زائد برذات مجردہ صرفہ'' کا نام ہے یعنی ذات حق کا ایسا مشاہدہ جس میں کسی اعتبار زائد کا نشان نہ ہو۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مرتبے میں عارف کو مقصود حقیقی کا وصل تحقیقی میسر آتا ہے نہ کہ وصل گمانی یعنی ایسا وصل کہ عارف اور ذات کے اسماء وصفات وشیونات کے درمیان نہ حجابات ظلمانی حائل رہتے ہیں اور نہ حجابات نورانی۔

آپ فرماتے ہیں اگر کوئی خوش نصیب اس مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت ومحبت اختیار کرے اور سنت و شریعت کی پابندی کا خوب اہتمام کرے کیونکہ یہ مقام عزیز الوجود ہے۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۱)

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ حجابات اور پردوں میں نہیں ہے بلکہ ہم اور عالم امکان

باشد یا امکانی تا وصل عریانی میسر آید نه آنکه مطلوب
ہوں یا امکانی تاکہ وصل عریانی میسر آجائے نہ یہ کہ مطلوب
را در قید آرند وصید نمایند
کو قید میں لائیں اور شکار کر لیں۔ ؎

پردوں میں مستور اور محدود ہیں۔

حق تعالیٰ اشیائے کائنات سے وراء ہے

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سیر وسلوک سے مقصود مطلوب حقیقی کو قید میں لانا نہیں بلکہ اس سے مقصود قید ہستی کے پردے پھاڑ کر اور ہر قسم کے حجابات چاک کر کے صورتوں اور شکلوں سے پرے مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیائے کائنات سے وراء الوراء ہے جیسا کہ آپ کا موقف ہے انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء یعنی اللہ تعالیٰ پرے سے بھی پرے ہے۔

درحقیقت حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ان صوفیائے وجودیہ کی تردید فرمائی ہے جو کائنات اور ذات، ممکنات اور وجوب کی عینیت کے قائل ہیں اور ذات مطلق (اللہ تعالیٰ) کو ممکنات کے پردوں میں مقید جانتے اور اسے کائنات کی شکلوں اور صورتوں میں تلاش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم جب وحدت الوجود کا موقف رکھتے تھے انہوں نے بھی یہ کہہ دیا تھا:

ع یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ!

مگر سرہند شریف کی پہلی حاضری نے ہی ان کے قلب ونظر میں انقلاب پیدا کر دیا تھا اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی توجہات قدسیہ کی بدولت وحدت الوجود

کے تنگ کوچہ سے وحدت الشہود کی شاہراہ پر گامزن ہو کر پکارا ٹھے

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ ذات حق جل سلطانہ بے رنگ اور بے جہت ہے وہ شکلوں و پردوں اور صورتوں میں محدود و مستور نہیں بلکہ ان سے بالا ہے اس لئے ذات اور بندوں کے درمیان جتنے بھی امکان و وجوب کے پردے ہیں ان کی نفی کرتے ہوئے انہیں چاک کرنا چاہئے تا کہ بلا حجاب وصل یار نصیب ہو سکے۔

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ وارث مسند آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ پنجاب پاکستان نقشبندی طریقت کی اس معرفت کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم روحانی پیشوا قطب ربانی حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بزرگ کے قریب سے گذر ہوا وہ بزرگ بڑے غور سے برتن کے اندر کچھ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟ کہنے لگے

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

یعنی میں پیالے میں صاف پانی ڈال کر اسمیں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ رات کا وقت تھا اور چاند چمک رہا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں جس طرح پانی میں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں اسی طرح مخلوق میں خالق کا عکس دیکھ رہا ہوں (مطلب یہ تھا کہ میں سیر آفاقی کر رہا ہوں) آپ فرمانے لگے خدا کے بندے! چاند تو اوپر چڑھا

ہوا ہے اور تو پیالے میں چاند دیکھ رہا ہے اصل چھوڑ کر نقل کو کیوں دیکھتا ہے؟ حقیقت چھوڑ کر مجاز میں کیوں پھنستا ہے؟ منہ سیدھا اوپر کر، تیری گردن پر ورم تو نہیں وہ دیکھ! سامنے چاند چمک رہا ہے۔

بس عزیزان گرامی! بات یہ ہے کہ لوگ چاند پیالے میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی مجددی لوگ چاند سیدھا دیکھتے ہیں یہ ہے نقشبندی طریقت میں معرفت ذات کا تصور۔ ہم لوگ مجاز کے پردے ہٹا کر، صورت کے بت مٹا کر، حقیقت کے دیس میں جا کر، وحدت کے سمندر میں غوطہ لگا کر جلوۂ یار سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اگر یہ معرفت بندے کو آ جائے تو دنیا کسی رنگ میں فقیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ کوئی حسن اور کوئی طمع، کوئی خوف اور کوئی غم درویش کو خدا سے بیگانہ نہیں کر سکتا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

(مقالات خطیب الاسلام)

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
عنقا کسی نے شکار نہیں کیا جال اٹھا لے
کا ینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را
کہ اس جگہ ہمیشہ جال خالی ہاتھ آتا ہے [۳]

[۳] اس شعر کو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے موقف کی تائید میں نقل فرمایا ہے کہ جس طرح شکاریوں نے نایاب پرندے ''عنقا'' کو شکار کرنے کیلئے جال پھیلائے مگر اسے دام میں پھنسا نہ سکے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے خیالوں اور صورتوں کے پردوں میں کھینچ کر لانے والے کبھی بھی اسے ممکنات کے جال میں نہیں لا سکتے...... یہ ہے معرفت کا وہ تصور جو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کے سامنے پیش فرمایا ہے: جزاہ اللّٰہ تعالیٰ عنا ماھو اھلہ، بقول اقبال مرحوم

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگاہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک سوال مقدر کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہم وخیال، عقل وبیان اور مشاہدہ ورؤیت سے وراء ہے حالانکہ علمائے اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن اس کی کیفیت کیا ہوگی ہم اس معاملہ میں مشغول نہیں ہوتے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ متکلمین اہلسنت کا رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق یہ موقف ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار واقع نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق

تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے مگر وہ دنیا میں دنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہونے پر ہوا ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا بلا کیف وادراک اور بے شبہ ومثال دیدار ہوگا مگر یہ رؤیت کالرؤیت ہوگی حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق رقمطراز ہیں: چنانچہ ملاحظہ ہو

مومنوں کو بہشت میں اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا بے چونی و بے چگونی کے طور پر دیدار ہوگا کیونکہ وہ رؤیت جو بے چون سے متعلق ہے وہ بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی کی وجہ سے حظ وافر حاصل کرے گا تا کہ بے چون کو دیکھ سکے لا یحمل عطا یا الملك الا مطایاہ ۔ آج اس معما کو اس نے اپنے اخص خواص اولیاء پر حل کر دیا ہے اور منکشف ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی اور دوسروں کے لئے تقلیدی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۷)

(مزید تفصیلات کیلئے سعادت العباد شرح مبداء ومعاد جلد اول صفحہ ۹ ملاحظہ ہو)

بقی ان الرؤیة فی الاٰخرۃ حق نؤمن بہ ولا نشتغل بکیفیتہ

باقی رہا یہ کہ رؤیت آخرت میں حق ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں [1] لیکن ہم اسکی کیفیت

عامۃ الناس کی عقول کیفیت رؤیت کے ادراک سے قاصر ہیں

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کو بیان فرمارہے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی آخرت میں رؤیت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس رؤیت کی کیفیت میں مشغول اس لئے نہیں ہوتے کہ عامۃ الناس کی عقول وافہام اس رؤیت کی کیفیت کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے بقول شاعر

لائق دولت نبود ہر سرے
بار مسیحا نکشد ہر خرے

ترجمہ: نہیں ہر شخص سرداری کے قابل، نہ ہر خر عیسیٰ برداری کے قابل۔

لقصور فهم العوام عن درکه لالعدم ادراک الخواص فان لهم
میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ عوام کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے ۵ نہ کہ خواص کو
نصیباً من ذالک المقام فی الدنیا وان لم یسم رؤیة
ادراک نہیں کیونکہ دنیا میں ان کے لئے اس مقام سے حصہ ہے اگر چہ اسے رؤیت
والسلام علی من اتبع الهدیٰ
کا نام نہیں دیا جاتا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کیفیت رؤیت کی بابت عدم مشغولیت کی وجہ، عوام کا قصور فہم بیان فرمار ہے ہیں جبکہ خواص کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر روحانی استعداد اور باطنی قابلیت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ ان کی قوت مدرکہ رؤیت کی کیفیات کے ادراک سے شاد کام اور فائز المرام ہوتی ہیں۔ والحمدللّٰہ علی ذالك کیونکہ انہیں دنیا میں بھی رؤیت باری تعالیٰ نصیب ہوتی ہے اگر چہ اسے رؤیت نہیں کہا جائے گا یعنی یوں نہیں کہا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سر کی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار کرلیا ہے۔(واللہ اعلم بحقیقة الحال)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے لا اعبد ربا لم اراہ یعنی میں اپنے رب کا دیدار کیے بغیر اس کی عبادت نہیں کرتا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خدا کا دیدار ننانوے مرتبہ کیا ہے۔ اس قسم کے دیدار سے مراد رؤیت قلبی ہے۔

منہا-۲۱

ہرچہ دردید و دانش می آید مقیّدست و از صرافت

جو چیز دید و دانش میں آ سکتی ہے وہ مقید ہے [1] اور اطلاق صرف سے

اطلاق متنزل ومطلوب آنست کہ از جمیع قیود منزّہ

فرو تر ہے اور مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ و مبرا ہو

ومبرّا باشد پس ماورائے دید ودانش او را باید جست

لہٰذا اس کو دید و دانش سے ماوراء تلاش کرنا چاہئے

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز توحید خالص کا وہ نظریہ بیان فرمارہے ہیں جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ انسانی دید، فہم اور علم کی حدود سے بالا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو چیز بھی دیدو دانش اور عقل وفہم میں آ جائے وہ مطلق نہیں رہتی بلکہ مقید ہو جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ مطلق محض ہے۔ مطلق محض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائش، آمیزش اور شائبے سے بلند ہے اسی بناپر کتب تصوف میں اللہ تعالیٰ کو ذات محض، ذات صرف، ذات ساذج اور ذات بحت جیسے اسماء سے پکارا گیا ہے۔

عارف کا مطلوب حقیقی (حق تعالیٰ) ہر قسم کی حدود وقیود سے پاک اور خالی ہے یعنی وہ مخلوق اور حادث کے تعینات وتقیدات سے منزّہ ومبرّہ ہے اس لئے اسے دید و دانش سے ماوراء تلاش کرنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ عقل کے اطوار وانداز سے بالا ہے۔

ایـن معاملہ ورائے طور نظر عقل ست چہ عقل ماورائے

یہ معاملہ عقل کے انداز نظر سے وراء ہے کیونکہ عقل ماورائے

دید و دانش را جستن محال می داند

دید و دانش کو ڈھونڈنا محال جانتی ہے

راز درون پردہ ز رندان مست پرس

درون پردہ کا راز رند مستوں سے پوچھ [1]

کیں حال نیست صوفئی عالی مقام را

کیونکہ یہ عالی مقام صوفی کا حال نہیں ہے

[1] حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے درج فرمودہ شعر سے دو مفہوم معلوم ہوتے ہیں

- ...... ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ شکلوں اور صورتوں کے تعینات سے بالا ہے کیونکہ یہ سب مخلوق اور حادث ہیں اور عقل دید و دانش سے نتائج اخذ کر کے اس پر حکم لگانے تک ہی محدود ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے۔
- ...... دوسرے یہ کہ عرفائے کاملین حظیرۃ القدس کے جملہ حجابات اٹھا کر بے پردہ جلوۂ یار سے شادکام ہوتے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ کبھی نہ کبھی بے خودی کے عالم میں ان سے حقائق و اسرار کا اظہار و اعلان ہو ہی جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر آپ اپنی طرف اشارہ فرما رہے ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال غالباً یہی وجہ بزبان اقبال مرحوم آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگاہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شہبازی کا

منہا-۲۲

مطلق بر صرافت اطلاق خود ست ہیچ قیدے باو راہ

مطلق اپنے اطلاق صرف پر ہے [1] کسی قسم کی کوئی قید کا اس میں

نیافتہ است اما چون درمرآت مقید ظہور فرماید عکس

دخل نہیں ہے لیکن جب مقید کے آئینوں میں ظہور فرمائے اس کا

او باحکام آن مرآت منصبغ گشتہ مقیّد و محدود نماید

عکس ان آئینوں کے احکام میں رنگین ہو جاتا ہے، وہ مقید اور محدود دکھائی

لاجرم دردید و دانش آید پس اکتفا بردید ودانش اکتفا بر

دیتا ہے لامحالہ دید و دانش میں آتا ہے لہٰذا دید و دانش پر اکتفا،

عکسے است از عکوس آن مطلوب بلند ہمتان بجوز و

کسی عکس پر اکتفا کر لینا ہے اس مطلوب کے عکسوں میں سے بلند ہمت

حق تعالیٰ مقید کے آئینوں سے بالا ہے

[1] زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات مطلق ہے اس اطلاق محض کو کسی قسم کی قید سے مقید نہیں کیا جا سکتا لیکن جب وہ ذات مطلق ممکنات اور موجودات کے آئینوں میں ظہور فرماتی ہے تو ذات کا انعکاس

کائنات کے شیشوں کے احکام میں رنگین ہو کر مقید اور محدود دکھائی دیتا ہے نتیجتاً وہ فہم وعقل وعلم اور دید و دانش میں آ جاتا ہے۔

جب سالک مخلوقات وممکنات کے محدود و مقید آئینوں میں ذات مطلق کے انوار وتجلیات کو مشاہدہ کرتا ہے جس کی بنا پر وہ ذات حق جل سلطانہ کی دید و دانش کا دعویٰ کر دیتا ہے حالانکہ اس نے ذات کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ انعکاس کو دیکھا ہے جس پر وہ اکتفاء کر بیٹھتا ہے جو اس کے کم ظرف ہونے کا عکاس اور دوں ہمت ہونے کا غماز ہے۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال بقول اقبال مرحوم

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی
کوتہ دستی ، بے دلی ، دوں فطرتی

سویز سیر نشوند ؎ ان اللہ سبحانہ یحب معالی الھمم جعلنا
اخروٹ اور منقی سے سیر نہیں ہوتے۔ یقیناً اللہ سبحانہ عالی ہمتوں کو پسند فرماتا ہے
اللّٰہ سبحانہ من معالی الھمم بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ الہ
اللہ سبحانہ ہمیں بلند ہمتوں میں سے بنائے بحرمت سید البشر آپ پر اور آپ کی آل
الصلوات والتسلیمات
پر صلوات و تسلیمات ہوں

؎ کچھ سالک تو اشیائے کائنات میں ذات مطلق کے انوار وانعکاس پر ہی اکتفا کرلیتے ہیں جبکہ عالی ہمت اور وسیع الظرف سالکین مخلوقات وممکنات کے پردے چاک کرکے بے حجاب جلوۂ یار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

دراصل یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے صوفیائے کرام کے توحید کے متعلق دو نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

ا.....نظریۂ وحدت الوجود ٢.....نظریۂ وحدت الشھود

اشیائے کائنات کے آئینوں اور شکلوں میں ذات کے انوار وتجلیات دیکھنے کو وحدت الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس نظریہ کے بانی حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز ہیں۔ صوفیائے وجودیہ اس نظریہ کو آیات متشابہات سے ثابت کرتے ہیں جو فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تأویلہ (آل عمران ٧) کی رو سے محل غور ہے کیونکہ عقائد، متشابہات سے نہیں بلکہ محکمات سے ثابت ہوتے ہیں مگر صوفیائے وجودیہ کا یہ بیان عقیدہ نہیں بلکہ بیان حال ہے اس لئے انہیں غلبۂ حال اور سکر وقت کی بنا پر معذور جاننا چاہئے اسے تجلی صوری بھی کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

بعض صوفیاء کرام نے ذات کے جلووں کو مختلف شکلوں اور صورتوں میں دیکھا چنانچہ کسی نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو لڑکے کی شکل میں دیکھا...... کسی نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کو عورت کی شکل میں دیکھا...... کسی نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ کو گھوڑے کی شکل میں دیکھا...... حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے درخت کی شکل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا جیسا کہ درخت سے آواز آئی انی انا اللّٰہ یقیناً میں تیرا اللہ ہوں۔

حضرت امام ربانی کا نظریہ توحید

اشیائے کائنات کے سارے آئینے توڑ کر اور صورتوں کے سہارے چھوڑ کر، بے پردہ ذات کے مشاہدے کو وحدت الشہود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس موقف کو باقاعدہ نظریہ کے طور پر منظر عام پر لانے والے حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہُ السبحانی ہیں۔ آپ کا یہ نظریہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے جو آیات محکمات سے ثابت ہے، علمائے متکلمین اہلسنت کا یہی موقف ہے اور یہی مسلک اسلم ہے (والحمدللّٰہ علی ذالك)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ کائنات کی شکلوں اور صورتوں میں ذات کے نہیں بلکہ اسماء وصفات کے ظلال کے عکوس اور پرتو ہیں جنہیں دیکھ کر بعض صوفیاء کرام نے دید و دانش کا دعویٰ کر دیا اور اسی پر اکتفا کر بیٹھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام شجر اور نار کی صورت میں تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور افاقہ ہونے پر توبہ کی ...... جبکہ شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممکنات ومخلوقات سے آگے ماورائے عرش ذات کا جلوہ دیکھا اور مازاغ البصر وما طغی کے مرتبے پر فائز ہوئے اور ھل من مزید کا نعرہ لگاتے رہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زبان او چکید

بلکہ بعض عشاق تو یہاں تک کہہ گئے

بدیں جمال و خوبی سر طور گر خرامی
ارنی بگوید آں کس کہ بگفت لن ترانی

یعنی کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب ارنی کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی اگر کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی کا جواب دینے والا اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا: ارنی اے میرے محبوب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھتا ہی رہتا جیسا کہ آیت کریمہ فانك باعيننا سے عیاں ہے۔

سالکین مجددیہ کیلئے چند فکر انگیز گذارشات

تعلیمات شرعیہ کے طالبین ، طریقت نقشبندیہ کے سالکین اور فکر مجددیہ کے حاملین کیلئے یہاں چند اہم اور فکر انگیز گذارشات پیش خدمت ہیں جو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ کو سمجھنے میں معاون ثابت ہونگی۔

⊙ ...... حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز کے متبعین وحدۃ الوجودی حضرات اس قدر غالی واقع ہوئے ہیں کہ حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز کے توحید وجودی پر مشتمل نظریات کو قطعی اور یقینی مانتے ہیں اور تصوف میں ان کی ہر بات کو حجت اور انکے ہر قول کو حرف آخر سمجھتے ہیں اس سلسلے میں وہ متکلمین اہلسنت کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ حضرت ابن العربی کی کتابوں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم وغیرھا میں جمہور متکلمین

اہلسنت کی سب سے زیادہ مخالفت موجود ہے اور ان کے توحید اور معرفت پر مبنی اکثر نظریات جمہور متکلمین اہلسنت کے خلاف ہیں اور ان کے نزدیک متکلمین، علمائے ظواہر میں سے ہیں اور معرفت سے خالی ہیں انہیں کیا خبر کہ توحید کیا ہے یہ تو بس عارفوں کا حصہ ہے متکلمین کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

⊙ ...... ہمیں تو اس بات پر بہت سخت حیرت ہوتی ہے اور ابھی تک ہم اسکا جواب نہیں پا سکے کہ ہمارے اکابر علماء و فضلاء اور اساتذہ شرح عقائد، توضیح و تلویح اور مسلم الثبوت وغیرھا جیسی کتابیں اپنے مدارس میں طلباء کو پڑھاتے ہیں جو متکلمین کے عقائد پر مشتمل ہیں اور کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں جن کی درس و تدریس سے یہ علماء اور اساتذہ بنے ہیں اور جن کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے کہ جو مسلمان ان کے برعکس عقائد رکھے گا وہ گمراہ شمار ہوگا اور دائرہ اہلسنت سے خارج ہو جائے گا۔

لیکن جب حضرت ابن العربی کے نظریات کی باری آتی ہے تو یہ حضرات علمائے کرام بغیر کسی توقف کے متکلمین اہلسنت کو نظر انداز کرتے ہوئے حضرت ابن العربی کے ساتھ ہو جاتے ہیں فیا للعجب اور جب ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم چشتی ہیں ہم قادری ہیں، حالانکہ حضرت ابن العربی چشتی نہیں، قادری تھے ۔ ہمارا کسی بزرگ پر اعتراض اور تنقید نہیں بلکہ ہم نے تو سوال کے طور پر کئی چشتی بزرگوں سے پوچھا کہ اگر حضرات چشتیہ وراثتاً توحید وجودی کے قائل ہیں تو ارشاد فرمائیں کہ یہ توحید وجودی کی وراثت حضرات چشتیہ میں کہاں سے ثابت ہے؟...... چشتیوں کو توحید وجودی کس چشتی بزرگ نے سکھلائی ہے؟...... جبکہ قادریوں میں توحید وجودی حضرت ابن العربی کے ذریعے آئی ہے۔ ہمیں اس سوال کا ابھی تک جواب نہیں ملا۔

⊙ ...... حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز متکلمین اہلسنت کی حمایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ متکلمین علماء بھی ہیں اور صوفیاء بھی، عالم بھی ہیں اور عارف بھی،

علوم ظاہریہ کے مالک بھی ہیں اور معارف باطنیہ کے حامل بھی، ارباب قیل وقال بھی ہیں اور اصحاب کشف وحال بھی۔

صوفیائے وجودیہ اپنے معارف کو کشف سے ثابت کرتے ہیں اور کشف ظنی ہوتا ہے جس میں شک وشبہ کا احتمال بھی ہے اور غلطی کا امکان بھی۔ یہ حضرات آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو کھینچا تانی کر کے اپنے موقف کے مطابق ڈھالتے ہیں اور آیات متشابہات سے اپنا مسلک ثابت کرتے ہیں۔

جبکہ متکلمین اہلسنت اپنے عقائد کو علوم وحی سے ثابت کرتے ہیں جو قطعی اور یقینی ہیں اور قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں جن میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں۔

⦿ ......صوفیائے وجودیہ کا موقف یہ ہے کہ شریعت اور طریقت جدا جدا ہیں جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۴۰)

⦿ ......طریقت، صوفیاء کا کشف ہے اور شریعت، انبیاء کا علم وحی ہے۔ صوفی خادم ہیں اور نبی علیہم الصلوات مخدوم ہیں اس لئے خادموں کا علم مخدوموں کے علم پر غالب نہیں کرنا چاہئے۔

ہمیں فص نہیں نص چاہئے

جب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سے حضرت شیخ عبدالکبیر یمنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''حق تعالیٰ سبحانہ عالم الغیب نہیں ہے'' اور اس کی تاویلات کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ جواباً ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگ فاروقی ایسی باتوں سے بے اختیار جوش میں آ جاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل وتوجیہہ

کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا قائل خواہ شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ وعلیٰ الہ الصلوۃ والسلام کا کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدرالدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی کا کلام، مارابانص کا راست نہ بفص، فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است ہم کونص (قرآن وسنت) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم) سے، فتوحات مدنیہ (احادیث مبارکہ) نے ہم کوفتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے جن میں حق تعالیٰ اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۰)

⊙ ...... حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ

صوفیہ کا عمل حل وحرمت میں سند نہیں ہے کیا ان کیلئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین وملت بنالیا ہے اور اسی کو طاعت وعبادت سمجھ لیا ہے الذین اتخذوا دینھم لھواً ولعباً یعنی ان لوگوں نے لہو ولعب کو اپنا دین بنالیا ہے۔ (الاعراف) (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

ایک اور مقام پر حضرت امام ربانی رقمطراز ہیں:

کل روز قیامت شریعت کی بابت پوچھیں گے تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے انبیائے کرام صلوات اللّٰہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیھم نے جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں اپنی شریعتوں کی طرف ہی دعوت دی ہے اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۴۸)

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صوفیائے کرام کی نسبت کشف وشہود پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے اور نہ ہی انکو ولایت کی شرائط میں سے جانتے ہیں۔ علمائے اہلسنت کے کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمودہ عقائد واعمال کے مطابق عقائد واعمال درست ہونے چاہئیں، ہمارے نزدیک یہی معیار اور کسوٹی ہے کشف وشہود کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔

غرضیکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز متکلمین اہلسنت کا دفاع وحمایت اس لئے فرماتے ہیں کہ ان کی تحقیقات واجتہادات کتاب وسنت کے عین مطابق ہیں۔

مذکورہ بالا چند توضیحات کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ سالکین کے دل ودماغ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ وابہام جنم نہ لے جو حصول فیض میں رکاوٹ کا باعث ہو۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذالك

⊙ ......دوں ہمت سالکین حق تعالیٰ سبحانہٗ کو شکلوں اور صورتوں کے قید خانوں اور شیشوں میں دیدودانش پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں جبکہ بلند ہمت اور بلند حوصلہ عارفین اخروٹ ومنقیٰ پر کفایت نہیں کرتے بلکہ وہ تو بے حجاب دید محبوب کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں عالی ہمت لوگوں میں سے بنائے جو حق تعالیٰ کی محبت کے حقدار ہوتے ہیں۔ اللھم آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم خواجۂ بے رنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

درا وائل حال می بینم که درمکانے طواف می کنم و

میں ابتدائے احوال میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں

جمعے دیگر نیز با من دراں طواف شریک اند اما بطوئے

اور ایک دوسری جماعت بھی میرے ساتھ اس میں شریک ہے لیکن

محفوظ اولیاء ہی ملائکہ سے افضل ہیں

اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنی روحانی اور باطنی استعداد کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ باطنی استعداد اور روحانی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ جس کے مقابلہ میں ملائکہ بھی ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت انسان اور ملائکہ کے درمیان باہمی فضیلت کے متعلق قدرے وضاحت ہدیہء قارئین ہے۔

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اتفاق اہل سنت وجماعت وجمہور مشائخ طریقت انبیاء وآناں کہ محفوظ اند از اولیاء فاضل تر اند از فرشتگان بخلاف معتزلہ کہ ایشاں ملائکہ را فاضل تر از انبیاء گویند

یعنی اہل سنت و جماعت اور جمہور مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں کہ

سیر آن جماعه بحدے ست که تا من یك دور طواف را

اس جماعت کی ست روی اس حد تک ہے کہ جب تک میں طواف

بانجام می رسانم آن جماعه دو سه قدم مسافت را قطع می

کا ایک دور پورا کر کے پہنچتا ہوں وہ جماعت دو تین قدم کی مسافت کو

نماید در آں اثنا معلوم میگردد که این مکان فوق العرش

قطع کرتی ہے اسی اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عرش سے فوق ہے

انبیائے عظام اور اولیائے کرام جو محفوظ ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں جبکہ معتزلہ کے نزدیک ملائکہ نبیوں سے افضل ہیں۔ (کشف المحجوب فارسی ۲۶۰)

حضرت مولانا مولوی فیروز الدین مرحوم اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام علماء و صوفیائے محققین کے اتفاق سے مومنوں میں سے خواص، خاص فرشتوں سے افضل ہیں اور عام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ پس انسانوں میں سے جو لوگ گناہ سے محفوظ اور معصوم ہیں یعنی اولیاء و انبیاء وہ جبریل و میکائیل وغیرہم (علیہم السلام) خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور جو محفوظ و معصوم نہیں یعنی عام مومن وہ محافظ اور کراماً کاتبین فرشتوں سے افضل ہیں و اللہ اعلم

(بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے:

خواص البشر و اوساطه' افضل من خواص الملائکه و اوساطه عند اکثر المشائخ یعنی اکثر مشائخ کے نزدیک خواص اور درمیانہ درجہ کے انسان، خواص اور درمیانی درجہ کے فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے

اسـت وجـماعه طواف كنند گان ملائك كرام اند على
اور طواف کرنے والوں کی جماعت ملائکہ کرام ہیں۔ ہمارے
نبينا وعليهم الصلوات والتسليمات والله يختص برحمته من
نبی اور ان پر صلوات وتسلیمات ہوں اور اللہ اپنی رحمت سے مختص فرما لیتا ہے
يشاء والله ذوالفضل العظيم
جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔

ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

خاص انسان جیسے انبیاء واولیاء خاص وعام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام انسانوں سے خاص فرشتے افضل ہیں۔ رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے بھی بدتر ہیں کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اولئك هم شر البريه (مرآۃ ۳/۳۰۶)

یاد رہے کہ رسالہ مبداء ومعاد حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مختلف اوقات میں پیش آنے والے واقعات واحوال کی تحریر فرمودہ روحانی یادداشتیں ہیں جن کو آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی ذاتی بیاض سے لے کر مرتب فرمایا تھا۔

حضرت امام ربانی کا مشاہدہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر بیان فرمارہے ہیں کہ ابتدائے احوال میں جب ہم ولایات سہ گانہ (ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا) میں سے آخری ولایت ملاء اعلیٰ میں روحانی سیر اور باطنی طیر فرمارہے تھے تو ایک روز ہم نے عرش سے بالا ایک مقام کا مشاہدہ کیا جس میں ہم اور ملائکہ کرام کی

جماعت باہم اکٹھے طواف کررہے ہیں۔ دوران سفر ہماری سرعت رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ہم طواف کا ایک دور مکمل کرلیتے ہیں اور فرشتے ابھی دو تین قدم ہی اٹھاتے ہیں یعنی اس سرعت سیر میں فرشتے بھی ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء۔ اسی لئے حضرت انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ روحانی سیر کے دوران عارف کامل کی پرواز جہاں تک ہوتی ہے فرشتے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے

اگر از برج معنی پرد طیر او
فرشتہ فروماند از سیر او

دراصل روز اول سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جن جن امور کی انجام دہی پر مامور فرمایا ہے وہ انہی امور میں مشغول ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ویفعلون مایؤمرون سے عیاں ہے وہ تذکیر و تانیث، خورد و نوش اور دیگر نفسانی خواہشات سے مبرا ہیں اس لئے کسی قسم کا کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتے بنابریں وہ گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں جیسا کہ آیت کریمہ لایعصون اللّٰہ ماامرھم سے واضح ہے

لیکن بایں ہمہ فرشتے ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور راہ ارتقاء ان پر مسدود ہے جیسا کہ آیت کریمہ وما منا الالہ مقام معلوم سے آشکارا ہے، جبکہ انسان نفسانی خواہشات و موانعات اور دیگر ضروریات زندگی کے باوجود جب اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور مجاہدات و ریاضات اور مصائب و آلام کو بھی مطلوب حقیقی کی طرف سے نعمت سمجھ کر برداشت کرتا ہے تو روحانی سیر کے دوران فرشتوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے بقول جگر مرادآبادی

بے فائدہ الم نہیں ، بے کار غم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں

نیز حضرت انسان ایسی نعمت عظمیٰ اور دولت قصویٰ سے سرفراز ہے جسے درد وآہ،
جذب ومستی، سوز وگداز اور الحاح وفغاں کہتے ہیں جس سے ملائکہ بھی محروم ہیں۔
حضرت شیخ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی در خورد نیست

علامہ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

نداند جبرئیل ایں ہائے و ہو را
کہ نشناسد مقام جستجو را

❁

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب ومستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر وتسبیح وطواف اولیٰ

❁

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

اطاعت رسول کے ثمرات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیج کر انسانی روح کا جسم
کے ساتھ تعلق وتعشق پیدا کر دیا اور اسے طاعات وعبادات پر مامور فرما کر رجعت قہقری
کا حکم دے دیا تاکہ یہ دوبارہ عالم قدس کی طرف پرواز کرے مزید برآں امت محمدیہ اور

ملت مصطفویہ کو فاتبعونی فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی کا حکم دیا تاکہ انسان شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر عمل پیرا ہو کر قرب خدا کی منازل و مدارج کو طے کرے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لمحہ عروج وارتقاء نصیب ہوتا رہتا ہے اس لئے آپ کے امتیوں کو بھی آپ کے طفیل وراثت وتبعیت کے طور پر ارتقاء میسر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وللاخرۃ خیر لك من الاولی سے واضح ہے۔ اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

منہا-۲۴

قباب اولیاء اللّٰه صفات بشریت ایشان ست بہرچہ سائر
اولیاء اللہ کے حجاب ان کی بشری صفات ہیں [1] جن کے تمام
مردم محتاج اند این بزرگواران نیز محتاج اند ولایت
لوگ محتاج ہیں یہ بزرگ بھی محتاج ہیں ولایت
ایشان را از احتیاج نمی برآرد وغضب ایشان نیز دررنگ
ان کو احتیاج سے بری نہیں کرتی اور ان کا غضب
غضب سائر مردم ست ہرگاہ سیدالانبیاء علیه وعلیهم
بھی تمام لوگوں کے غضب کی مانند ہے جبکہ سید الانبیاء آپ پر اور ان پر

صفات بشریہ سے مراد علل معنویہ ہیں

[1] اس منہا کے ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پردوں اور حجابات کو بشریت کی صفات قرار دیا ہے۔ صفات بشریہ سے مراد ناجائز شہوت، غضب، حسد، تکبر، طمع اور نفس وغیرھا ہیں جو قابل نفرت اور لائق مذمت ہیں۔ سالک اور صوفی احکام شرعیہ کو بجالانے اور شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ کی بدولت ان کدورات بشریہ (جن کا ازالہ تو ممکن نہیں البتہ امالہ ہو جاتا ہے) سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا

الصلوات و التسلیمات فرماید اغضب کما یغضب البشر
صلوات و تسلیمات ہوں فرماتے ہیں مجھے غصہ آتا ہے جیسے ہر انسان کو غصہ
باولیا چه رسد وہمچنین ایں بزرگواران دراکل وشرب
آتا ہے اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے

غضب وجلال پہلے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوتا تھا مگر دولت اسلام سے مشرف ہونے اور صحبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت امالہ ہو جانے کی وجہ سے یہی غضب وجلال کفار اور دشمنان اسلام کے خلاف ہو گیا تھا۔

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہُ العزیز رقمطراز ہیں کہ ایک درویش نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہُ العزیز سے پوچھا کیا شیطان کو اس راہ کے چلنے والوں پر کچھ قابو ہوگا؟ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس راہ کا چلنے والا جو شخص فنائے نفس کی سرحد تک نہیں پہنچا جب وہ غصہ میں ہوگا تو شیطان اس پر قابو پالے گا لیکن اس راہ کا چلنے والا جو شخص فنائے نفس حاصل کر چکا ہو اس کو غصہ نہیں آتا بلکہ غیرت ہوتی ہے اور جہاں کہیں غیرت ہوتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے اس قسم کی صفت اس شخص کیلئے مسلم ہوگی جو اپنا رخ راہ حق کی طرف رکھتا ہو۔

(مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۹)

قباب (بکسر قاف) قبہ کی جمع ہے جس کا معنی پردہ اور حجاب ہے۔

اولیاء اللہ کے بطون بشریت کے حجابات وصفات میں مستور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح عامۃ الناس ضروریات زندگی کے محتاج ہوتے ہیں اولیائے کرام کو بھی انہی اشیاء کی حاجت ہوتی ہے۔حق تعالیٰ کا قرب وولایت انہیں بشری ضرورتوں اور انسانی تقاضوں سے خارج نہیں کرتیں بلکہ انہیں جسمانی ضروریات اور دنیوی معاملات

کی ضرورت وحاجت رہتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ خلق لکم ما فی الارض جمیعا (البقرہ) سے عیاں ہے۔

جب جسمانی تقاضوں اور دنیوی معاملات کی انبیائے کرام علیہم السلام کو حاجت ہوتی ہے تو اولیائے کرام تو بدرجہ اتم ان کے ضرورت مند ہونگے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اغضب کما یغضب البشر یعنی جیسے دوسرے بشروں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غضب اور جلال آتا ہے۔ حدیث پاک کے مکمل الفاظ مبارکہ یوں ہیں:

اللّٰھم انا بشر (وفی روایة انما محمد بشر ارضی کما یرضی البشر) اغضب کما یغضب البشر فایما مسلم سببته او لعنته او ضربته فاجعلها منی صلاةً علیه و زکاة و قربة تقربه بها الیك یوم القیامه (مسند احمد ۲/۴۹۳)

یعنی اے اللہ! میں بشر ہوں (ایک روایت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف بشر ہے میں راضی ہوتا ہوں جس طرح بشر راضی ہوتے ہیں) میں بھی غضب ناک ہوتا ہوں جس طرح دوسرے بشر غضبناک ہوتے ہیں۔ جس شخص کو میں سب وشتم کروں یا اس پر لعنت بھیجوں یا اس کی پٹائی کروں تو اسے، اس شخص کیلئے میری طرف سے رحمت بنادے اور پاکیزگی اور قرب کا سامان بنادے اور ان کے ذریعے تو اس شخص کو قیامت کے روز قرب کا ذریعہ بنادے۔

دوسری روایت میں یوں الفاظ ہیں: اللھم انی اتخذت عندك عهدا لن تخلفنیه فانما انا بشر فای المومنین اذیته شتمته لعنته جلدته فاجعلها له صلاةً و زكاةً و قربةً تقربه بها الیك یوم القیامة (وفی روایة رحمة و اجراً و كفارة) (مسلم کتاب البر والصلہ)

یعنی اے اللہ میرا تجھ سے ایک عہد ہو چکا ہے تو میرے اس عہد کو اپنے کرم سے ضرور پورا فرما، میں بشر ہوں اگر مومنوں میں سے کسی کو میں اذیت پہنچاؤں، اس کو گالی دوں، اس پر لعنت کروں، اس کو ماروں تو تو میرے اس رنج پہنچانے کو اس کے حق میں رحمت، پاکی اور اپنے قرب کا سبب بنا (اور دوسری روایت میں رحمت، اجر اور کفارہ کے الفاظ بھی ہیں) اور اس کی وجہ سے قیامت کے روز اس شخص کو اپنا قرب عطا فرما۔

یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا البتہ اگر کبھی کسی کو سخت وست کہا تو وہ محض تادیبی کاروائی کے طور پر نظم وضبط اور تربیت کی خاطر ایسا کیا ہے یا پھر حدود شرعیہ کے قیام کیلئے اور کفار کے خلاف جہاد وقتال میں ایسا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی ہے۔ ماضرب رسول اللّٰہ شیئاً قط بیدہ ولاامراۃ ولا خادماً الا ان یجاھد فی سبیل اللّٰہ وما نیل منہ شئی قط فینتقم من صاحبہ الا ان ینتھك شئی من محارم اللّٰہ فینتقم للّٰہ عزوجل (صحیح مسلم کتاب الفضائل) یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو البتہ جہاد فی سبیل اللہ میں قتال فرمایا اور جب بھی آپ کو کچھ نقصان پہنچایا گیا آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حدود کی خلاف ورزی کی جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تأخذکم بھما رأفة فی دین اللہ یعنی تمہیں دین کے معاملے میں ان پر ترس نہ آئے (سورہ نور ۲) نظم وضبط کی خاطر غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کے دوران حضرت عکاشہ کو مسواک چبھو کر صف درست کرنے کا حکم فرمایا مگر تعلیم امت کی خاطر خود کو قصاص کیلئے پیش فرمادیا۔ غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب وجلال کی حقیقت کا کسی کو علم نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ کے چہرۂ انور سے اس کے آثار سرخی کی

صورت میں نمودار ہوتے اور آپ اس پر انتقام لیتے مگر امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کیلئے غضب نہیں فرماتے تھے۔ (جامع الترمذی ابواب الشمائل)

⦿ ...... یہ بھی یادر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومنافقین کے خلاف جو دعائے ضرر فرمائی وہ ان کے حق میں رحمت، اجر وکفارہ نہیں ہوئی بلکہ بغیر کسی تغیر وتبدل کے مستجاب ہوئی۔

⦿ ...... یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ضرر اس مسلمان کے حق میں رحمت، طہارت، اجر اور کفارہ کا باعث ہوگی جو دعائے ضرر کا مستحق نہ ہو جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے فایما احد دعوت علیہ من امتی بدعوۃ لیس لھا باھل ان یجعلھا لہ طھورا ......الخ (مسلم) یعنی اگر میں غیر مستحق کے خلاف دعائے ضرر کروں تو اے اللہ تو اِس کو اُس کیلئے رحمت بنا دے۔

یہاں تین امور کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں

۱...... بشریت مطہرہ

۲...... غضب اور جلال کا اجمالی تذکرہ

۳......حالت غضب میں حواس کا توازن

بشریت مطہرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد وہدایت کے لئے تمام انبیائے کرام کو صورت بشریہ میں مبعوث فرمایا جیسا کہ آیات کریمہ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم (النحل) اور قل انما انا بشر مثلکم (الکہف) سے عیاں ہے تاکہ فیوض وبرکات اور خیرات وحسنات کے افاضہ اور استفاضہ میں سہولت رہے جبکہ ملائکہ

کرام کی نورانیت ولطافت اور بندوں کی بشریت وکثافت اوران کی باہمی عدم مناسبت کی وجہ سے افادہ واستفادہ ممکن نہ تھا اسی لئے ،کسی بھی فرشتے کو منصب نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا گیا۔واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

علمائے عقائد نے رسول کی تعریف میں یوں تصریح فرمائی ہے

الرسول انسان بعثه الله تعالٰى الى الخلق لتبليغ الاحكام (شرح عقائد) یعنی رسول وہ عظیم المرتبت انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔

یادرہے کہ رسول، صاحب کتاب وشریعت ہوتا ہے جبکہ نبی کیلئے ان کا ہونا ضروری نہیں ۔حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نورانیت (عالم امر) اور بشریت (عالم خلق) سے مرکب ہیں ۔نورانیت کے باعث آپ حق تعالیٰ سے فیض لیتے ہیں اور بشریت کی بدولت مخلوق کوفیض دیتے ہیں ۔اس مفہوم کوکسی شاعر نے کیاخوب بیان کیا ہے

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

واضح رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت مقدسہ بھی بے مثل ہے اوربشریت مطہرہ بھی بے مثل۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جس کااردوترجمہ ملاحظہ ہو۔

اس عالم میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنصری پیدائش نے آپ کی ملکی پیدائش پرغلبہ کیاہواتھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جوافادہ واستفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہوجائے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کواپنی بشریت (مبارکہ) کے ظاہر کرنے کی تاکید فرمائی

ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ یعنی اے پیکر رعنائی وزیبائی، آپ فرمایئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔لفظ مثلکم کا لانا تاکید بشریت کیلئے ہے مگر وجود عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی جہت غالب آ گئی اور آپ کی بشریت کی مناسبت کم ہوگئی۔

(دفتر اول مکتوب ۲۰۹)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کی مزید توضیحات پیش خدمت ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی مانند نہیں ہے بلکہ عالم کے تمام افراد میں سے کسی فرد کے ساتھ آپ کی پیدائش اور آپ کا وجود انور مناسبت و مشابہت نہیں رکھتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود جسم عنصری رکھنے کے نور حق جل وعلا سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا خلقت من نور اللّٰہ (میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں)......کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امکان سے پیدا ہوئے ہیں جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس امکان سے پیدا نہیں ہوئے جو باقی کائنات عالم میں پایا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخر کار مختلف رحموں سے منتقل ہوتے ہوئے حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر انسانی صورت میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا اور محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے موسوم ہوئے...... کتنی ہی وقت نظر سے صحیفہ ممکنات عالم کا مطالعہ کیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود انور مشہود نہیں ہوتا چونکہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اس ممکنات عالم میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے فوق ہیں اسی بنا پر آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

غالباً حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی قدس سرہُ العزیز نے اسی مفہوم کو

یوں بیان فرمایا ہے:

گویند کہ آں مظہر جاں سایہ نداست
ویں طرفہ کہ عالم ہمہ در سایہء اوست

انا بشر مثلکم کی حکمت

مظہر کمالات خفی وجلی حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کی تین قسمیں ہیں۔

⦿ ......ایک عوام کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے دل و جان سے گرویدہ ہو کر ایمان لائے ہیں۔

⦿ ...... دوسرا ایمان اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ صاحبان مشاہدہ ہیں ان کا ایمان شہودی ہوتا ہے کیونکہ ظلمانی حجاب کو یہ حضرات چاک کر چکے ہوتے ہیں جو بے صبری، بے قناعتی، بے توکلی اور خیال غیر سے عبارت ہے اور نورانی حجاب کو طے کر کے مرتبہء شہود تک پہنچے ہوتے ہیں جو صفات وشیونات اور اعتبارات ذاتیہ سے عبارت ہے۔

⦿ ......تیسرا ایمان اکابر کا ہوتا ہے کہ یہ بزرگ شہود سے بھی آگے گزر گئے ہوتے ہیں اور کمال وصال سے پیوستہ ہوتے ہیں اور ان کا ایمان بھی ایمان غیبی کے رنگ میں ہوتا ہے کیونکہ مشاہدے کی، کمال اتصال کے مرتبے میں گنجائش نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے لے جائے تو غیب ہے اور جب اپنے سامنے لے آئے تو مشاہدہ ہو جائے گا اور آنکھ کی پتلی پر رکھ لے تو پھر غیب ہو جائے گا پس وصل بے فصل کے مرتبہ میں بھی غیب متحقق ہے اسی لئے تو کہتے ہیں کہ جو خاص الخاص حضرات ہیں وہ عوام کی مانند ہوتے ہیں، انا بشر مثلکم میں یہی راز پوشیدہ ہے۔ (درالمعارف)

اہل اللہ کے صفائے باطن کی بنا پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ جس عارف پر تجلیات جمالیہ کا غلبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اُس سے زیادہ محبت و پیار کا ظہور ہوتا ہے اور جس سالک اور صوفی پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات جلالیہ کا غلبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اس سے غضب اور جلال کا ظہور ہوتا ہے اور بعض عارف اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال دونوں کے مظہر ہوتے ہیں جب کبھی تجلیات جلالیہ کا غلبہ ہو جائے تو ان سے جلال کا ظہور ہوتا ہے اور جب کبھی تجلیات جمالیہ کا غلبہ ہو جائے ان سے جمال و پیار کا ظہور ہوتا ہے۔

جب کوئی سالک خلوص نیت اور صدق قلب کے ساتھ کسی شیخ کامل مکمل کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیتا ہے اور مردہ بدست غسال کے مصداق ہر قسم کی مشقت و ریاضت اور شیخ کی جلالی و جمالی تربیت کو بطیب خاطر برداشت کرتا ہے اور بادۂ وحدت کا متوالہ بن کر شاہراہ محبت پر گامزن جہاد اکبر میں مصروف ہو جاتا ہے تو کبھی زبان حال اور کبھی زبان قال سے نعرۂ مستانہ لگاتا ہے لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی......الخ بقول شاعر

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

چونکہ شیخ کامل کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے اس لئے اگر وہ کسی سالک کو سخت وست، زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ اور لعن طعن کرتا ہے تو اس میں المرید لا یرید الا اللہ کی اصلاح و تربیت مقصود ہوتی ہے، ذاتی اغراض اور نفسانی فساد و انتقام کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کم فہم، ظاہر بین اور نادان شخص شیخ کی ایسی حرکات و سکنات کو دیکھ یا سن کر چیں بجبیں ہو جائے اور جلال، جلال کی رٹ لگاتا

رہے تو اس کا کیا علاج؟ (فافہم وتدبر)

مولانا روم مست بادۂ قیوم ایسے لوگوں کے متعلق یوں گویا ہیں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
زانکہ ماند در نوشتن شیر و شیر
قہر و عتاب میں بھی تو رحمت ہے مستتر
یہ نکتہ کب خیال میں ناقص کے آ سکے

درحقیقت جو سالک، صاحب جلال شیخ کامل کی جلالی تربیت کو بخوشی قبول کر لیتا ہے کندن بن جاتا ہے کیونکہ شیخ کی زجر و توبیخ میں نہ جانے کتنے راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ گو جمالی تربیت کی بڑی برکات ہیں مگر جلالی تربیت کی تاثیرات دیرپا اور زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت زید ابوالحسن فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی جامع الشریعہ والطریقہ حضرت عبداللہ شاہ ابوالخیر فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

ایک مرتبہ صاحب جذبہ ونسبت عبداللہ پٹھان کے واسطے چند ضرب چوب کی سزا آپ نے تجویز فرمائی تو دوسرے پٹھان نے تعمیل ارشاد کیا۔ جس وقت ان پر پہلی ضرب پڑی انہوں نے ضارب سے کہا زور سے مارو۔ ہر ضرب پر وہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ سزا پوری ہونے پر انہوں نے مسرت کا قہقہہ لگایا اور وجد کی حالت میں رقصاں اٹھے۔ تھوڑی دیر ان پر ایک خاص کیفیت طاری رہی۔ ایک ہندوستانی مخلص اس تمام کیفیت کو دیکھتے رہے آخر میں عبداللہ سے حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے کہا اے عزیز! یہ سزا نہیں تھی یہ تو میرے لئے اکسیر حیات تھی۔ مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور میں باطنی حلاوت کھو بیٹھا تھا اور دل پر غفلت کے پردے پڑ گئے تھے جس کی بناء پر

میں از حد متالم تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ ظلمت کے پردے چاک ہوتے گئے اور جب میں اٹھا تو وصل محبوب، نقد وقت تھا۔

بحمد للہ کہ چشم باز کردہ — مرا با جان جاں ہمراز کردہ

(بزم خیراز زید)

حالت غضب میں حواس کا اعتدال

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی نقشبندی قدس سرہُ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ قوت غصہ کا محل قلب ہے اور اس قوت کی غذا شہوت اور انتقام ہے۔ اس قوت کے اعتبار سے انسان فطرتی طور پر تین درجات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

ا.....تفریط ۲...... افراط ۳......اعتدال

تفریط (کمی)

یہ اس وقت ہوتی ہے جب یہ قوت بالکل نہ پائی جائے یا اس میں کمزوری ہو اور یہ مذموم ہے، اس قسم کے لوگوں میں حمیت اور غیرت نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جس میں غصے اور غیرت کی قوت مفقود ہو وہ بالکل ناقص ہے۔ اس قسم کا انسان قابل نفرت اور لائق مذمت ہوتا ہے کہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میرے گھر میں کون آتا جاتا ہے ایسے شخص کو دیوث کہا گیا ہے جو مخنث اور ہیجڑے سے بھی بدتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان سعداً لغیور وانا اغیر من سعد وان اللّٰہ اغیر منی یعنی بے شک سعد رضی اللہ عنہ غیرت مند ہیں میں ان سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب اللعان)

غیرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ نسبتیں محفوظ رہیں۔ اگر اس میں چشم پوشی سے

کام لیں گے تو نسبتیں خلط ملط ہو جائیں گی اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس امت کے مردوں میں غیرت رکھی گئی ہے ان کی عورتیں محفوظ رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شدت اور حمیت کو اشداء علی الکفار اور واغلظ علیھم سے بیان فرمایا ہے۔

افراط

جس شخص میں غصہ کی اس قدر زیادتی ہو کہ وہ شخص غصہ سے مغلوب ہو جائے اور اس کا اپنے آپ پر کنٹرول نہ رہے اور اس قدر مخبوط الحواس ہو جائے کہ عقل و دین کی سیاست واطاعت اور نظر وفکر اور بصیرت نہ رہے۔ دوران غصہ اس کی حرکات وسکنات اور شکل وصورت کی ہیئت کذائی تک مضطرب اور متغیر ہو جاتی ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، نتھنے پھول جاتے ہیں، اعضاء پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، منہ سے نکلنے والے الفاظ کا نظم وضبط ٹوٹ جاتا ہے حتی کہ وہ فحش گوئی اور گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ وغیرھا

احادیث مبارکہ میں غصہ کا علاج بھی تجویز فرمایا گیا ہے کہ جب کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے ...... بیٹھا ہو تو تکیہ لگا لے ...... تکیہ لگائے ہو تو لیٹ جائے ...... بلکہ فرمایا سو جائے ...... غصہ آئے تو خاموش ہو جائے ...... پانی کے ساتھ کلی کر لینی چاہئے یا وضوء کر لینا چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حالت غصہ میں درج ذیل دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی فلہٰذا یہ دعا پڑھنا علمائے کرام نے مستحب قرار دیا ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن (کنز العمال جلد ہفتم)

نیز حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل دعا نقل فرمائی ہے:

اللھم اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من الشیطان

الرجیم (احیاء العلوم جلد اول)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے ایک جملے میں اخلاق حسنہ کی تلقین فرمائیے...... آپ نے فرمایا "غصے کو چھوڑ دو"

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے غصہ کو کفر کے ارکان میں سے بتایا ہے۔

اعتدال

حالت غضب میں انسان مغلوب الحواس اور مخبوط العقل نہ ہو، اس کے اعضاء و جوارح متوازن رہیں، بلکہ وہ بردباری اور تحمل مزاجی سے کام لے، اسے اعتدال کہتے ہیں اسی کو استقامت اور وسط سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس کا ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلّف فرمایا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا خیر الامور اوساطھا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی پائی جائے۔ (شعب الایمان ۵/۲۶۱) یہی صراط مستقیم ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

یاد رہے کہ بعض اوقات ضروری امور میں بھی غصہ بالکل مفقود ہوتا ہے جب اس کا قلب اس سے بھی اہم امر کی طرف مشغول ہو کیونکہ اس وقت قلب میں غصے کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے گالی دی تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اگر میزان میں میرا نامۂ اعمال کم ہوا تو جو کچھ تو کہتا ہے میں اس سے بھی برا ہوں اور اگر میرے اعمال کا پلڑا بھاری رہا تو تیری گالی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (چونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تمام تر توجہ آخرت کی طرف مبذول تھی اس لئے آپ کا قلب گالی سے متاثر نہیں ہوا)

⊙ ......ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا اے ریاکار، آپ نے فرمایا تیرے سوا کسی نے مجھے نہیں پہچانا گویا اس وقت آپ خود سے ریاکاری کی

آفت کو دور کرنے میں مشغول تھے اور جو کچھ شیطان کہتا تھا اس کا انکار فرماتے تھے فلہٰذا جب آپ کو ریاکار کہا گیا تو آپ کو غصہ نہیں آیا۔

⊙ ...... کسی شخص نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو گالی دی آپ نے فرمایا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔

مذکورہ واقعات سے معلوم ہوا کہ آتش غصہ سے نجات حاصل کرنا محبت دنیا سے قلب کو پاک کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب سالک کو دنیا کی آفات اور خرابیوں کا علم ہو جائے۔

جسمانی صحت اور معمولی رزق کو بھی دنیا فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے من اصبح امناً فی سربہ معافی فی بدنہ ولہ قُوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذا فیرہ یعنی جو شخص اپنے گھر میں امن کے ساتھ رہا اسے جسمانی صحت اور ایک روز کا رزق حاصل ہو گیا گویا دنیا اطراف سے اس کے پاس اکٹھی ہو گئی۔ (الترغیب والترہیب جلد اول کتاب الصدقات)

جبکہ قطب الابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز کے متعلق مشائخ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر مالدار تھے کہ آپ کے مویشیوں کی میخیں (کلے) بھی سونے اور چاندی کی ہوا کرتی تھیں لیکن مال و دولت کی فراوانی کے باوجود "اگر دارد برائے دوست دارد" کے مصداق ہمہ وقت مخلوق خدا کی امداد واعانت، رشد و ہدایت اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مشغول تھے کہ سلطان العشاق حضرت مولانا عبدالرحمان جامی، محدث یگانہ حضرت ملا علی قاری احراری اور خواجہء خواجگان حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہم جیسے ابنائے روزگار کے مقتدا و پیشوا تھے۔

دراصل فقر کا ماحصل اور لب لباب یہ ہے کہ

''اگر مال دنیا ہاتھ سے چلا جائے تو بندہ غریب ہو جاتا ہے اور اگر مال دنیا دل سے چلا جائے تو بندہ فقیر ہو جاتا ہے'' (ماخوذ از احیاء العلوم وغیرھا)

یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت غضب وجلال میں بھی حواس مبارک معتدل اور متوازن رہتے تھے اور اس حالت میں بھی آپ کی زبان اقدس سے جو کچھ بھی نکلتا تھا حق ہی نکلتا تھا جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو تحریر کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن مشرکین مکہ نے منع کرتے ہوئے کہا انہ بشر یتکلم فی الغضب و الرضاء یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو بشر ہیں وہ کبھی غضب میں کلام کرتے ہیں اور کبھی راضی ہوتے ہیں لہٰذا ان کی ہر حدیث نہ لکھا کرو۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر سارا ماجرا عرض کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکتب فو الذی بعثنی بالحق نبیا مایخرج منه الا الحق یعنی میری ہر بات لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس نے مجھے سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اس (زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد جلد ثانی کتاب العلم)

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلنے والا ہر قول حق ہے مگر وہ قول یا تو زبان نبوت سے من حیث الرسالت یا من حیث البشریت صادر ہوا۔ جو قول من حیث الرسالت صادر ہوا وہ وحی منزل من اللّٰہ ہے اس کا انکار بندۂ مومن کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور جو قول من حیث البشریت صادر ہوا اسے تسلیم نہ کرنا ہرگز کفر نہیں۔ (از افادات امام اہلسنت حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا اور ارشاد فرمایا

ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھوادوں کہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے کہا کہ کاغذ لانا چاہئے اور دوسری جماعت نے کاغذ لانے سے منع کردیا حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی جماعت میں سے تھے جو کاغذ کیلئے راضی نہ تھے اور فرمایا حسبنا کتاب اللّٰہ (ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ قلم و کاغذ طلب نہ فرمانا بلکہ اس سے اعراض کرلینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ امراز روئے وحی نہیں تھا بلکہ یہ کلام بتقاضائے بشریت، شدت درد و مرض کی وجہ سے بلاقصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوگیا تھا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف، رد و انکار کی وجہ سے نہیں تھا عیاذا باللہ سبحانہ عن ذالك بلکہ یہ تامل و توقف استفسار کیلئے تھا جو ہرگز مذموم نہیں جیسا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''استفھموا'' سے واضح ہے۔

ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کیلئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھاو یسفك الدماء و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك (البقرہ) اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے وقت عرض کیا تھا انی یکون لی غلام و کانت امراتی عاقرا و قد بلغت من الکبر عتیا (مریم) اگر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی استفہام و استفسار کے طور پر کاغذ لانے میں توقف کیا تو کیا مضائقہ ہے اور یہ شور و شر کیوں ہے؟۔ (ماخوذ از مکتوبات امام ربانی مکتوب ۹۶،۳۶ دفتر دوم)

ایسے ہی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر شرائط معاہدہ طے ہو جانے کے بعد جب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ھذا ما اصطلع علیه محمد رسول اللّٰہ لکھا تو کفار کے احتجاج پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا اکتب محمد ابن عبداللّٰہ یعنی محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللّٰہ لکھ دو۔ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد چہارم میں جو روایت کے الفاظ نقل فرمائے ہیں وہ یہ ہیں قال لعلی امحه فابی فمحاه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بیده یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ارشاد فرمایا اسے مٹا دو، ان کے انکار کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے محو کر دیا بلکہ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں بھی ہیں لا امحوک ابداً آقا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ کے الفاظ محو کرنے سے انکار، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم کا مٹانے سے انکار پر اصرار معاذ اللہ کسی نافرمانی یا گستاخی کے باعث نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بر بنائے محبت تھا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ان کی قلبی طمانیت کا اہتمام فرماتے رہے۔ ایسے ہی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کاغذ پیش کرنے میں توقف و تامل، انکار کے باعث نہ تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت مرض کے پیش نظر تھا۔

یاد رہے کہ قرن اول کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تکلفات سے بری اور عبارتوں کی آلائش سے مستغنی تھے...... ان کی ہمہ تن کوشش اصلاح باطن میں ہوتی تھی اور انکا ظاہر انکی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا...... اس زمانے میں آداب کی رعایت حقیقت و معنی کے اعتبار سے ہوتی تھی صورت و لفظ کے اعتبار سے نہیں...... اس لئے اگر

اس قسم کی کوئی عبارت جو سوء ادب کا وہم پیدا کرتی ہو تو اس زمانے والوں کے نزدیک وہ جھوٹ اور فریب سے پرے ہے۔ آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان بزرگوں سے صادر ہونے والی ایسی باتوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور عبارت کے اصل مطلب کو دیکھنا چاہئے الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں انکو ملحوظ نہ رکھنا چاہئے، سلامتی کا طریقہ یہی ہے۔ واللّٰہ سبحانہ الموفق (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶)

واضح رہے کہ احکام اجتہادیہ میں غیر پیغمبر (امتی) کو پیغمبر علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے بشرطیکہ وہ غیر پیغمبر اجتہاد کے مرتبے تک پہنچ چکا ہو۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۵)

یاد رہے کہ امور اجتہادیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو اختلاف ہوا اگر اس میں عیاذا باللّٰہ سبحانہ ہوا وتعصب کا شائبہ بھی ہوتا تو وہ انکو اہل ارتداد کے زمرہ میں کھینچ لے جاتا اور اہل اسلام کے حلقہ سے خارج کردیتا کیونکہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوء ادب اور سوء معاشرت کفر ہے اعاذنااللّٰہ سبحانہ بلکہ یہ اختلاف امر فاعتبروا کی بجا آوری کی بنا پر ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو تو احکام اجتہادیہ میں اس کو دوسروں کے اجتہاد اور رائے کی تقلید کرنا خطا اور منهي عنه ہے۔ ہاں نازل شدہ احکامات میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور ان میں تقلید کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور ان پر ایمان لانا اور ان کے تابع ہونا واجب ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زمانہء نبوت کے گذر جانے کے بعد احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو عمل کرنے میں تو مفید ہیں لیکن اعتقاد کیلئے مثبت نہیں کہ ان کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے لیکن اگر مجتہدین کا اجماع ان احکام پر منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ احکام اعتقاد کیلئے بھی مثبت ہونگے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶)

ومعاشرت با اہل وعیال و موانست با ایشان باسائر ناس
اہل و عیال کے ساتھ معاشرت اور ان کے ساتھ موانست میں تمام
شریك اند تعلقات شتّٰی که از لوازم بشریت است از
لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ ؎ مختلف تعلقات جو بشریت کے لوازم ہیں

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح عامۃ الناس ضروریات زندگی، معاشرتی تقاضوں اور باہمی محبت و پیار کے محتاج ہوتے ہیں اہل اللہ کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہاں درج ذیل تین اشیاء کا اجمالی تذکرہ ہدیہء قارئین ہے۔

- ...... کھانے کے آداب مسنونہ
- ...... اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت
- ...... اہل وعیال کے ساتھ موانست

کھانے کے آداب مسنونہ

چونکہ عامۃ الناس کے مانند اہل اللہ بھی خورد ونوش کے محتاج ہوتے ہیں کہ یہ اعمال صالحہ کا ذریعہ ہیں کیونکہ علم وعمل پر مداومت جسم کی سلامتی کے بغیر ممکن نہیں اور بدن کی سلامتی رزق کے بغیر نہیں ہوتی اسی بنا پر اعمال صالحہ سے پہلے رزق حلال کا ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی جل سلطانہٗ کلوا من الطیبات واعملو صالحاً سے عیاں ہے۔ سالک کیلئے رزق حلال کا اہتمام کرنا، مشتبہ اور حرام لقمے سے بچنا ازبس لازم ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل لحم بنت من حرام النار اولیٰ بہ یعنی جو گوشت حرام سے پروان چڑھا آگ اس کی زیادہ حقدار

ہے۔ (شعب الایمان ۵/۵۷)

جو شخص روزانہ متواتر حلال روزی جسمیں حرام کی آمیزش نہ ہو کھاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے قلب کو پرنور کردیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل میں جاری کردیتا ہے۔

علم وحکمت اور عشق ورقت، رزق حلال کا ہی ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں جس کے بغیران کا تصور بھی ممکن نہیں۔مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال

یہاں کھانے کے مسنون آداب کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ سالکین ان آداب کوملحوظ خاطر رکھیں و باللہ التوفیق

⊙ ...... طعام سے قبل ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے۔

⊙ ...... جوتے اتار دینا کہ اس میں پاؤں کیلئے راحت ہے۔

⊙ ...... دسترخوان کو زمین پر بچھانا سنت کے زیادہ قریب ہے کہ اس میں تواضع پائی جاتی ہے۔

⊙ ...... دوزانوں ہوکر پاؤں کی پشت پر بیٹھنا یا دایاں گھٹنا کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھنا، یا سرین پر بیٹھنا اور دونوں گھٹنے کھڑے رکھنا۔

⊙ ...... اکٹھے ہوکر کھانا کہ اس میں برکت ہے۔

⊙ ...... آہستہ آواز سے بسم اللہ پڑھنا۔

⊙ ...... دائیں ہاتھ سے کھانا پینا کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔

⊙ ...... اپنے آگے سے کھانا البتہ جب طباق میں مختلف اشیاء پڑی ہوں تو دوسروں کے آگے سے اٹھا کر کھا سکتا ہے۔

⊙ ...... اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے بسم اللہ بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے اسی وقت یہ دعا پڑھ لے بسم اللّٰہ اولہ' و اخرہ

⊙ ...... کھانے میں عیب نہ نکالے اگر پسند ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔

⊙ ...... جو شخص صحیح طریقے سے نہ کھائے اسے تنبیہ و تلقین کرے۔

⊙ ...... برتن کے درمیان سے نہ کھائے کیونکہ وہاں برکت نازل ہوتی ہے۔

⊙ ...... جب پانی وغیرھا پیئے تو دو، دو، تین، تین بار سانس لے کیونکہ اس میں زیادہ سیرابی ہوتی ہے اور یہ صحت کیلئے مفید و خوشگوار ہے۔

⊙ ...... برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے پرہیز کرے۔

⊙ ...... جب پانی پیئے تو بسم اللہ کہے اور جب منہ سے برتن ہٹائے تو الحمد للہ کہے۔

⊙ ...... پانی کھڑے ہو کر پینے کی بجائے بیٹھ کر پینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ البتہ آب زمزم، وضوء اور مشائخ کا بقیہ پانی بطور تبرک کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔

⊙ ...... حدیث شریف میں کھانے پینے کے وقت یہ دعا بھی پڑھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے بسم اللّٰہ و باللّٰہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء یاحیی یاقیوم پڑھنے والا ہر قسم کی بیماری و ضرر سے محفوظ رہے گا۔

⊙ ...... گرم کھانا کھانے سے اجتناب کرے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی۔

⊙ ...... کھانا کھانے کے بعد برتن اور انگلیوں کو چاٹ لے کہ یہ باعث برکت ہے اور برتن اس کیلئے دعا و استغفار کرتا ہے پھر کسی رومال وغیرھا سے ہاتھوں کو صاف کر لے۔

⊙ ...... کھانے کی ابتداء اور اختتام نمک سے کرنا چاہیے کہ اس سے ستر بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ (شامی)

⊙ ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے الحمدللّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین ۔

یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اپنے مرشد گرامی شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کی مجلس طعام میں حاضر تھے شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں باسم اللہ بلند آواز سے کہا تو آپ کو ناگوار ہوا حتی کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ انکو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کریں۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت

مشیت ایزدی نے تقاضائے ازلی کے تحت عورت کے ساتھ محبت اور رغبت انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے اس لئے انسان عورت کے ساتھ محبت ومودت پر مجبور اور مامور ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفسوں سے عورتیں پیدا کیں تاکہ تمہیں ان سے سکون ملے اور تمہارے درمیان محبت اور مودت کا رشتہ قائم فرمایا۔ (الروم ۲۱)

ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

حبب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وجعل قرۃ عینی فی الصلوۃ یعنی مجھے تمہاری دنیا سے تین اشیاء کی محبت دی گئی ہے وہ خوشبو ہے، عورتیں ہیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے۔ (احیاء العلوم ۴/۳۱۴)

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

النکاح سنتی فمن احب فطرتی فلیستنّ بسنتی یعنی نکاح میری سنت ہے پس جو شخص فطرت سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت کو اپنائے۔

(مسند ابو یعلیٰ ۳/۱۷۳)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشیطان مع الواحد یعنی شیطان تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

چونکہ تنہائی میں شیطان انسان کا ہم نشین ہوتا ہے اس لئے وہ اس کی نفسانی شہوات کو برانگیختہ کرتا ہے اس لئے ارتکاب معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے میاں بیوی کی مجالست سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں بشرطیکہ دونوں میں باہمی موانست اور ذہنی موافقت ہو، بصورت دیگر زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ جل سلطانہ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو) اسی مفہوم کا غماز ہے۔ مرد وعورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اس امر کو واضح کر دیا کہ لباس پردہ ہوتا ہے جو ستر پوشی اور زینت کا باعث ہوتا ہے، نیز انسان کے حسن و جمال کو نکھارتا، سنوارتا اور راحت کا موجب ہوتا ہے، علاوہ ازیں انسان کو سردی وگرمی سے بچاتا ہے۔

لیکن انسان کو یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ نکاح کے ذریعے محض قضائے شہوت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی نہیں بلکہ پاکیزہ اور عفت مآب زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ نسل انسانی کی بقاء اور توالد وتناسل مقصود ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامة حتی بالسقط یعنی نکاح کرو اور زیادہ ہو جاؤ بے شک میں روز قیامت تمہارے سبب دوسری امتوں پر فخر کروں گا حتی کہ اس بچے پر بھی جو نا تمام پیدا ہوا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۷۳/۶)

ایک روایت میں یوں ہے:

تناکحوا تنا سلوا یعنی نکاح کرو اور نسل کو بڑھاؤ (احکام القرآن للقرطبی ۳۹۱/۵)

ایک روایت یوں ہے:

سوداء ولود خیر من حسناء لا تلد یعنی بچے جننے والی سیاہ رنگ عورت نہ جننے والی خوبصورت عورت سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد جلد چہارم، کتاب النکاح)

نیز ایک روایت میں یوں ہے:

خیر نساء کم الولود الودود یعنی تمہاری عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جو زیادہ بچے جنتی اور زیادہ محبت کرتی ہے۔ (کنز العمال ۱۶/ ۲۹۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے دیندار عورت کو ترجیح دینے کی تلقین فرمائی ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے: تنکح النساء علی اربعة علی المال والحسب والحسن والدین فعلیکم بذات الدین فانه مااستفاد امرء بعدالاسلام خیراً من زوجة مومنة موافقة لیسربهااذا نظر الیها یعنی عورتوں سے چار اغراض کے پیش نظر نکاح کیا جاتا ہے مال، حسب، خوبصورتی اور دین کے لئے پس تم پر دیندار عورت سے نکاح کرنا لازم ہے کیونکہ اسلام کے بعد انسان مومنہ فرمانبردار بیوی سے بہتر کسی اور چیز سے مستفید نہیں ہوسکتا کہ وہ جب اسے دیکھے تو اسے مسرت ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خیار کم خیار کم لنسائهم یعنی تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ (جامع الترمذی)

شریعت مطہرہ میں جہاں اولاد کی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل امور کی بھی تلقین فرمائی ہے چنانچہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبیکم وحب اهل بیته وقرأة القرآن یعنی اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

محبت، آپ کی اہلبیت سے محبت اور قرآن کا پڑھنا۔ (کنز العمال)

حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمانان عالم اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کرتے رہے تو کامیابی وکامرانی ہر قدم پر انکا استقبال کرتی رہی اور جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وسنت سے ہم محروم ہو گئے ہیں ذلت ورسوائی اور ہر میدان میں پسپائی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔ بقول اقبال مرحوم

شبے پیش خدا بگریستم زار　　مسلماناں چرا خوارند و زارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم　　دلے دارند محبوبے ندارند

اردو زبان میں کسی نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے

ان کے جو غلام تھے خلق کے پیشواء رہے

ان سے پھرے، جہاں پھرا، آئی کمی وقار میں

یاد رہے کہ جہاں اہل وعیال کی کثرت کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے وہاں ازواج واولاد کے فتنوں کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان من ازواجکم واولادکم فتنة یعنی تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء یعنی میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر ضرر رساں اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ (کشف المحجوب ۴۱۲)

اور ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات بھی ملاحظہ ہو۔

خیر الناس فی آخر الزمان خفیف الحاذ قیل یارسول اللہ وما خفیف الحاذ قال الذی لااهل له ولا ولد له یعنی اخیر زمانہ میں لوگوں میں وہ شخص فائدے میں رہے گا جو خفیف الحاذ ہوگا۔ پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم خفیف الحاذ کون ہوتا ہے؟۔ ارشاد فرمایا کہ جس کے اہل وعیال نہ ہوں۔ (کشف المحجوب ۴۱۱)

انہی مخالف المفہوم آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے پیش نظر مشائخ طریقت کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تجرید کو تزویج پر فوقیت دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ تزویج کو تجرید سے افضل گردانتا ہے۔

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کو ایسی موافق الحال رفیقہ حیات میسر ہو جائے جو ضرورت سے زیادہ فضول خرچ اور محال چیزوں کی طالب نہ ہو نیز صوفی اور سالک کا قلب ماسوی اللہ میں مشغول اور لذت نفسانی میں منہمک بھی ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر گوشہ نشین اور عزلت گزیں بعض اہل اللہ حالت تجرید کو افضل قرار دیتے ہیں بشرطیکہ ان کا قلب فتور سے خالی ہو اور ان کی طبیعت ارتکاب معاصی اور نفسانی خواہشات کے ارادوں سے روگرداں ہو۔

جبکہ صوفیاء کرام کا دوسرا گروہ تزویج کو تجرید پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس سے نفسانی خواہشات کے طغیان کی بناء پر حرام کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سے ترک سنت لازم آتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فقد رغب عنی یعنی نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے منہ پھیرا۔

(سنن ابن ماجہ ابواب النکاح)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

من نکح فقد حصن نصف دینه فلیتق اللّٰه فی الشطر الآخر یعنی جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا تو اب اسے دوسرے حصے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ (احیاء العلوم جلد دوم)

غرضیکہ احکام شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے بجالانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا و دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ سالک کہیں ہیجانی جذبات اور نفسانی شہوات میں ہی مبتلا ہو کر نہ رہ جائے اسی لئے حدیث میں یوں دعا سکھائی گئی ہے: اللھم انی اعوذبك من شر سمعی و بصری و قلبی و شر منیی (مسند احمد ۳/۴۲۹)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہُ العزیز رقمطراز ہیں کہ

جب کوئی درویش کسی عورت سے نکاح کر کے اس کی ہم نشینی اختیار کرے تو اسے چاہئے کہ جب تک اس پردہ نشین عورت کے نان ونفقہ کا اہتمام کسب حلال سے نہ کرلے اور اس کا حق مہر رزق حلال سے ادا نہ کر دے، دیگر حقوق الٰہیہ کو پورے نہ کرلے، اپنے اوراد و وظائف کو نہ پڑھ لے لذات نفسانی میں مستغرق نہ ہو، ہم فراش ہونے سے قبل ہوا و حرص کو اندر سے ختم کر دے اور ازراہ مناجات خدا تعالیٰ کے حضور یوں عرض کرے بار خدایا! تو نے بقائے نسل کیلئے آدمی کی سرشت میں جذبہ موانست پیدا فرمایا ہے۔ تیری رضا ہے کہ مجھے یہ صحبت حاصل ہو۔اے پروردگار! یہ صحبت میرے لئے دو چیزوں کا باعث ہو......ایک یہ کہ میں اس فعل حلال کے ذریعے حرامکاری سے محفوظ رہوں اور دوسرے یہ کہ تو مجھے ایسا فرزند ارزانی فرما کہ جو تیرا ولی اور پسندیدہ ہو نہ کہ ایسا فرزند جو میرے دل کو تیری طرف سے ہٹا کر کسی اور جانب مشغول کر دے۔ (کشف المحجوب ۴۱۰)

اہل وعیال کے ساتھ موانست

چونکہ اہل وعیال کے ساتھ مودت اور رحمت کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے فطرتی طور پر انسان کے اندر ودیعت فرمایا ہے اس لئے یہ باہمی محبت و یگانگت اور قلبی پیار و موانست

کیلئے معذور اور مجبور ہے اس سلسلے میں انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے متعدد واقعات کتاب وسنت میں موجود ہیں چونکہ یہ رسالہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کا ہی تحریر فرمودہ ہے اس لئے اسے تعلیمات مجددیہ کی روشنی میں ہی حل کرنا زیادہ تر پیش نظر ہے اس لئے مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی اقتباس ہدیہء قارئین ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم امامین کریمین (حسنین) رضی اللہ عنہما کی پیشانی کا بوسہ لے رہے تھے اور بہت خوشی وانبساط کے ساتھ ان سے گھل مل رہے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے گیارہ لڑکے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو وہ اپنے رحیم بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

یاد رہے کہ چونکہ اخص خواص بھی بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں اگر چہ وہ شرکت ظاہری صورت کے اعتبار سے ہو اس لئے عوام اپنی نارسائی اور قصور فہم کی وجہ سے ان اخص خواص کے کمالات سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور ان کو اپنی مثل خیال کرتے ہیں اور جو شخص ان کے اوصاف وشمائل میں ان سے مختلف ہو، اس کے گرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور اس کو بزرگ خیال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے ان اوصاف واخلاق کو جو عوام کے اوصاف سے مختلف ہیں ان کو بہتر سمجھتے ہیں جو ان کے اخلاق واوصاف کے مشابہ ہیں اگر چہ وہ اخلاق انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں موجود ہوں۔

(اے عزیز) سنو! مخدوم شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کی خبر آپ کو پہنچی تو

آپ پر (رنج وغم سے متعلق) کچھ تغیر نہ ہوا اور فرمایا کہ "سگ بچہ مردہ است بیرون برتابید" سگ بچہ مر گیا ہے اسے باہر پھینک دو اور جب حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غمگین ہوئے کہ ان کے آنسو نکل آئے اور فرمایا انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کی وجہ سے غمگین ہیں اور بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ غم واندوہ کا اظہار فرمایا:

فرمائیں کہ حضرت شکر گنج بہتر ہیں یا حضرت سید البشر (صلوات اللہ علیہ)

عوام کالانعام کے نزدیک پہلا معاملہ بہتر ہے اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور (اولاد سے) لگاؤ، خیال کرتے ہیں اعاذنا اللّٰہ سبحانہ عن معتقداتهم السوء (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۷۲)

خواص و عوام زائل نمیگردد حق سبحانه و تعالیٰ در

خواص اور عوام سے زائل نہیں ہوتے ۳؎ حق سبحانہ و تعالیٰ

شان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات می فرماید"**وما**

انبیاء ان پر صلوات و تسلیمات ہوں کی شان میں فرماتا ہے اور ہم

جعلناھم جسدا لا یاکلون الطعام " وکفار ظاہر بین می

نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے جو طعام نہ کھائیں اور ظاہر بین کفار

گفتند "**ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق** "

کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

۳؎ بشریت کے لوازمات اور مختلف دنیوی تعلقات جس طرح عوام کالانعام میں ہوتے ہیں ایسے ہی اولیائے عظام اور انبیائے کرام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے اجسام مقدسہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے اجساد مطہرہ اور خوردونوش کا ذکر فرمایا ہے اور کفار اپنی ظاہر بینی اور کورچشمی کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا کرتے تھے جیسا کہ آیت کریمہ مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق سے عیاں ہے کفار گوانکار و بغض کی بنا پر کہا کرتے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

پس ہر کہ نظر او بر ظاہر اہل اللہ افتاد محروم گشت و

پس جس شخص کی نظر اہل اللہ کے ظاہر پر پڑی محروم ہو گیا [1] اور

خسران دنیا و آخرت نقد وقت او آمد ہمین ظاہر بینی

دنیا اور آخرت کا نقصان اس کا نقد وقت ہوا۔ اسی ظاہر بینی

[1] اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم امر اور عالم خلق کے لطائف کا مجموعہ بنایا ہے۔ لطائف عالم امر میں نورانیت و لطافت ہے جبکہ لطائف عالم خلق میں کثافت و بشریت ہے۔ فرق یہ ہے کہ اہل اللہ میں نورانیت و لطافت کا غلبہ ہوتا ہے اور کثافت و بشریت مغلوب ہوتی ہے جبکہ عوام کالانعام میں ثقالت و بشریت کے غلبے کے باعث نورانیت و لطافت مغلوب ہوتی ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ چونکہ عالم دنیا آزمائش و امتحان کا محل ہے عوام کو شبہ میں ڈالنا اور مشتبہ کرنا عین حکمت و مصلحت ہے۔ عامۃ الناس کو عقل عطا فرمادی اور اہل اللہ کو ظاہری و باطنی استعدادات اور روحانی کمالات عطا فرمادیئے تاکہ اہل اللہ ان کے ذریعے لوگوں کو رشد و ہدایت اور خوارق عادات واقعات کے ذریعے مسحور کرسکیں اور لوگ انہیں ملاحظہ کر کے اور عقل سلیم کے معیار پر پرکھ کر ماننے پر مجبور ہو جائیں مگر بعض لوگ اپنی کور مذاقی اور قساوت قلبی کی وجہ سے اہل اللہ کے ظاہر تک ہی محدود رہتے ہیں جبکہ کچھ سلیم الفطرت اور باذوق احباب اہل اللہ کے باطنی کمالات کو مشاہدہ کر کے ان کے کمالات کو تسلیم کر لیتے ہیں، جسے ایک مثال کے ذریعے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق فرما کر ان کے جسم اطہر میں روح پھونک دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و نفخت فیه من روحی سے عیاں ہے، فرشتوں کو فاسجدوا لآدم کا حکم سنا کر سجدہ کرنے کا حکم صادر فرمادیا مگر بربنائے تکبر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا جبکہ سیدنا

جبریل امین علیہ السلام اور دیگر ملائکہ فوراً سجدے میں گر گئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان لعین نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو اوپر اوپر سے دیکھا تھا کہ یہ مٹی ہے اور انکار کی وجہ بیان کی خلقتنی من نارو خلقته من طين یعنی اے خدایا! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور انہی مٹی سے تخلیق فرمایا ہے بس شیطان کی نظر سیدنا آدم علیہ السلام کے ظاہر پر ہی رہی کہ یہ خاکی ہیں جبکہ سیدنا جبریل علیہ السلام کی نظر سیدنا آدم علیہ السلام کے باطن تک پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر روح پھونکی ہے اس لئے یہ روحی اور نوری ہیں اور یہی اصل کمال ہے۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ

''نبی (علیہ السلام) کو محض اوپر سے دیکھنا ابلیس لعین کا کام ہے اور نبی (علیہ السلام) کو اندر سے دیکھنا جبریل امین (علیہ السلام) کا کام ہے۔

ایسے بعض بدمذاق لوگ انبیائے عظام اور اولیائے کرام (علیہم الصلوات والتسلیمات) کے ظاہر کو دیکھ کر انہیں اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے اور ان پر نہایت سوقیانہ انداز والفاظ سے تنقید کرتے ہیں اور خود بظاہر بڑے عابد اور ساجد نظر آتے ہیں۔ ان کے اہل اللہ پر اعتراض و انکار کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نظر اوپر اوپر سے ہی دیکھتی ہے۔ بقول شاعر

وائے ناکامئ زاہد کہ جبیں پر اس کی
داغ سجدہ تو بنا داغ محبت نہ بنا

ایسے ہی مشائخ عظام کے بعض مرید اور اساتذہ کرام کے نااہل شاگرد اپنی کور بینی کی وجہ سے مرتد طریقت، گمراہ، گستاخ اور بے باک ہوجاتے ہیں جو اپنے اساتذہ و مشائخ کے باطنی کمالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔

اور جس مرید، شاگرد و طالبعلم کو اپنے شیخ اور استاد کی حقیقت باطنی کا علم

ہو جاتا ہے وہ اس پر سو جان سے قربان ہوتا ہے۔ اسے اگر اپنے شیخ و استاد میں خدا نخواستہ ہزار عیب بھی نظر آئیں وہ معتقد اور نیاز مند ہی رہتا ہے، اسے اس بات کی خبر ہے کہ انکا ظاہر تو بشریت کے تقاضوں سے متاثر ہو سکتا ہے مگر ان کا بطون ہر وقت لذت وصل سے شاد کام رہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ چیز ہر نظر نہیں دیکھتی مگر اس پائے کے اساتذہ و مشائخ بھی عنقا ہیں۔

نہ دیکھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جن لوگوں کی نظر اہل اللہ کے صرف ظاہر کو ہی دیکھتی ہے وہ لوگ ازلی محروم اور حرماں نصیب ہوتے ہیں اور اہل اللہ کو اپنے جیسا تصور کرتے ہیں۔ حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ تمثیلی انداز میں اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اشقیاء را دیدۂ بینا نبود — نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نبود
ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیاء را ہم چو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نداستند ایشاں از عما — ہست فرقے درمیان بے انتہا
ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل — لیک زیں شد نیش و زاں دیگر عسل
ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب — زین یکے سرگین شد وزان مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور — آن یکے خالی و آن پر از شکر
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں — فرق دان ہفتاد سالہ راہ بین

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کو اپنی طرح جاننا شقاوت و بدبختی ہے اور ان کے کمالات کا انکار گمراہی و بے دینی کا پیش خیمہ ہے۔

دراصل لوگوں کی دو قسمیں ہیں

ظاہر بین اور باطن بین

ظاہر بین لوگوں کی باطنی آنکھ اندھی ہوتی ہے اس لئے ان میں باطنی کمالات تک رسائی کی استعداد ہی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے کمالات انہیں نظر ہی نہیں آتے۔

چام چڑی دے بخرے یارو سورج بہت کلونا
بے قدراں نوں یوسف مصری کیونکر لگدا سوہنا
جہاں نیں سٹ کھوہ وگایا کیہہ اونہاں دے بھانے
کھوٹے درہمیں ویچ دتو نیں اوہ وی زور تگانے

بنابریں وہ انہیں اپنے جیسا خیال کر لیتے ہیں اور ازلی بدبختوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابوجہل اور ابولہب اسی قماش کے لوگ تھے کہ جو سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کے معجزات و کمالات کو دیکھ کر بھی مشرف باسلام نہ ہوئے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

جبکہ باطن بین وہ ازلی خوش بخت لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی چشم بصیرت وا ہوتی ہے اور انہیں باطن تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو مشاہدہ کر کے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (وللہ الحمد)

ابوجہل و ابولہب را از دولت اسلام محروم ساخت

نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم بنا دیا ۵

ودرخسران ابدی انداخت سعادتمند آنست که نظراو

اور ابدی نقصان میں ڈال دیا سعادت مند وہی ہے کہ جس کی

۵ یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ ظاہر بین، اہل اللہ کو محض اوپر اوپر سے دیکھ کر ازلی خسارے میں پڑ گئے ہیں جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے کمال جہل کے باعث نفس مطمئنہ کو نفس امارہ تصور کر لیتے ہیں اور امارگی کے احکام مطمئنہ پر لاگو کر دیتے ہیں جس طرح کفار نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو دوسرے لوگوں کی طرح سمجھتے ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کر دیا۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۰۱)

جبکہ سعادت منداحباب کی نظر اہل اللہ کے بشری تقاضوں کو دیکھنے سے قاصر و کوتاہ ہوتی ہے بلکہ ان کی حدت بصر اور تیزیٔ نظر اہل اللہ کی باطنی صفات اور روحانی کمالات تک نفوذ و سرایت کر جاتی ہے اور ان کے باطنی جلووں میں گم ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ان دونوں کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح انکو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ انکے منکر ہو گئے اور جن سعادتمندوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز گردانا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۶۴)

از ظاہر بینی اہل اللہ کو تاہ گشت وحدّت نظر او
نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ ہو گئی اور اس کی تیزی نظر
بصفات باطنہ این بزرگواران نفوذ کرد و بر باطن مقصور
ان بزرگواروں کی باطنی صفات تک نفوذ کر گئی اور باطن تک محدود
گشت **فهم کنیل مصر بلاء للمحجوبین وماء للمحبوبین**
ہوگئی پس وہ مصر کے نیل کی مانند محجوبوں کے لئے بلا اور محبوبوں کیلئے آب حیات
عجب کاریست صفات بشریة آنقدر کہ در اہل اللہ
ہے [۶] عجب کام ہے بشری صفات جس قدر اہل اللہ میں

[۶] حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ظاہر بین محروموں اور باطن بین خوش نصیبوں کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح دریائے نیل کا پانی فرعون اور اس کے فوجیوں کے لئے خون بن گیا تھا جبکہ اسی دریائے نیل کا پانی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے شراب طہور بن گیا تھا۔ فرعون لعین اور اسکے فوجی محجوبین ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محبوبین ہیں فلہٰذا آب نیل محجوبین کیلئے مصیبت (بلاء) بن گیا اور محبوبین کیلئے نعمت (ماء) بن گیا تھا ... یونہی حرماں نصیب اہل اللہ کے متعلق غلط قیاس آرائیاں کر کے محجوب ہو جاتے ہیں اور اپنی عاقبت تباہ کر لیتے ہیں جبکہ سعادت مند اہل اللہ کی باطنی صفات سے آگاہ ہو جاتے ہیں اہل اللہ کا وجود مسعود ان کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتا ہے اسلئے وہ اہل اللہ کے نیاز مند اور ارادت کیش ہو جاتے ہیں یوں وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔

ظاہر می گردد درسائر مردم ظاہر نیست وجہش آنست

ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتیں ؎ اس کی وجہ یہ ہے

که ظلمت و کدورت درمحل ہموار ومصفا اگرچه اندك

کہ ظلمت و کدورت ہموار اور صاف جگہ میں اگرچہ تھوڑی

باشد بیشتر ہویدا میگردد ازانچه درمحل ناہموار و

ہو زیادہ نمایاں ہوتی ہے اس لئے کہ نا ہموار اور

غیرمصفا اگرچه بیشتر باشد لیکن ظلمت صفات بشریت

غیر مصفا محل میں اگرچہ زیادہ ہو لیکن بشری صفات کی تاریکی

درعوام درکلّیت سرایت می کند ودرقالب وقلب

عوام کی کلیت میں سرایت کر جاتی ہے اور قالب و قلب اور روح میں

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اظہار تعجب کرتے ہوئے ایک بڑی خاص بات بیان فرمارہے ہیں جو سالکین کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ اہل اللہ میں جس قدر بشری عیوب ونقائص وصفات اور نفسانی کدورات وحجابات کا ظہور ہوتا ہے، اس قدر عوام کالانعام میں یہ کوتاہیاں، کمزوریاں اور نقائص وعیوب نمایاں نہیں ہوتے حالانکہ وہ پرلے درجے کے عیاش، بدقماش، قاتل، شرابی، زانی، راشی، مرتشی، ظالم، چور اور ڈاکو وغیرھم ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح ناہموار، غیر شفاف اور نشیب وفراز جگہ پر کدورتیں اور ظلمتیں کم نظر آتی ہیں جبکہ ہموار اور صاف شفاف جگہ پر ظلمتوں اور کدورتوں کا ظہور زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی عامۃ الناس میں بشری کدورتوں، ظلمتوں اور

وروح مـی دود ودرخـواص این ظلمت مقصور برقالب و

دوڑ جاتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت قالب اور

نـفـس ســت ودراخـص خـواص نفس نیز ازین ظلمت

نفس تک مقصور ہے اور اخص خواص بھی اس ظلمت سے

صفتوں کا ظہور زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تاریکیاں اور ظلمتیں ان کی گھٹی میں اس قدر رچ بس جاتی ہیں کہ ان کی عادث ثانیہ بن جاتی ہیں یعنی انکے قلوب واذہان بھی تاریک ہوجاتے ہیں، ان کے ظاہر وباطن بھی مکمل طور پر ظلمات سے معمور ہوجاتے ہیں غرضیکہ وہ ظلمات درظلمات، کدورات درکدورات سے لبریز اور لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ اہل اللہ کے لطائف کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ کی بدولت ان کے جسم لطیف اور نوری ہوجاتے ہیں اس لئے اگر ان سے کوئی معمولی سی لغزش سرزد ہوجائے بلکہ اگر خطاء ولغزش نہ بھی ہو مگر عوام کالانعام اسے بزعم خویش گناہ تصور کر لیتے ہیں اور اہل اللہ پر خواہ مخواہ انگشت نمائی اور تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (الامان والحفیظ)

سبراست مقصور برقالب ست وبس وایضاً این ظلمت
مبرا ہیں بس قالب تک محدود رہتی ہے ۵ نیز یہ ظلمت
درعوام موجب نقصان وخسارت ست ودرخواص
عوام میں نقصان اور خسارہ کا موجب ہے اور خواص میں

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرمار ہے ہیں کہ لوگوں کی عام طور پر تین قسمیں ہوتی ہیں۔

۱......عامۃ الناس ۲......خواص ۳......اخص خواص

۱...... عامۃ الناس کے قالب (بدن) دل اور روح بھی گناہوں کی نجاستوں اور بشری صفتوں سے ملوث ہوتے ہیں۔

۲...... خواص کے عالم امر کے لطائف کا تصفیہ ہوجاتا ہے اس لئے بشری ظلمات ان کے بدن اور نفس تک محدود رہتی ہیں۔

۳......اخص خواص وہ اولیائے کاملین ہوتے ہیں کہ جنکے عالم امر کے لطائف (لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفیٰ) کا ذکر وفکر اور شیخ کامل کی توجہات کی بدولت تصفیہ بھی ہوجاتا ہے اور انکے نفس کا بھی تدریجاً تزکیہ ہوجاتا ہے یعنی نفس امارہ سے لوامہ، لوامہ سے ملہمہ، ملہمہ سے مطمئنہ ہوجاتا ہے بالآخر وہ بھی نور ہوجاتا ہے۔ اس (نفس) میں بھی بشری کدورتیں نہیں رہتیں۔

موجب کمال و نضارت ہمین ظلمت خواص ست کہ

کمال اور تروتازگی کا موجب [9] یہی خواص کی ظلمت ہے جو

ظلمتہائے عوام را زائل میگرداند قلب ہائے ایشان را

عوام کی ظلمتوں کو زائل کرتی ہے ان کے دلوں کو

[9] اولیائے کاملین گناہوں کی نجاستوں و کثافتوں اور نفسانی خباثتوں وشرارتوں سے پاک ومنزہ ہوجاتے ہیں۔جسمانی ثقالتیں وکثافتیں بتدریج ختم ہوتی رہتی ہیں ان کی جگہ لطافت لے لیتی ہے البتہ بشری صفتیں ان میں موجود رہتی ہیں جوان کیلئے باعث زوال نہیں ہوتیں بلکہ موجب کمال اور باعث جمال ہوتی ہیں۔ان اولیائے کاملین کی بشری صفات وظلمات جب عامۃ الناس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان کے قلوب کا تصفیہ اور انکے نفوس کا تزکیہ کردیتی ہیں۔

تصفیہ می بخشد ونفسہا را تزکیہ می دہد اگراین

تصفیہ بخشتی ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتی ہے [1] اگر یہ

ظلمت نمی بود خواص را بعوام ہیچ مناسبت نمی

ظلمت نہ ہوتی خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور

کشود و راہ افادہ واستفادہ مسدود می نمود واین ظلمت

رستہ افادہ اور استفادہ کا مسدود ہو جاتا اور یہ ظلمت

[1] ان اولیائے کاملین میں اگر یہ ظلمات بشریہ نہ ہوتیں تو انہیں عوام الناس کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ درحقیقت یہی ظلمات بشریہ عامۃ الناس کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہیں کہ جن کی بدولت اولیائے کاملین عالم وجوب سے فیض لیتے ہیں اور ان بشری تقاضوں کی وجہ سے عوام کو فیض دیتے ہیں۔ اگران بشری صفات کی وجہ سے مناسبت نہ ہوتی تو اہل اللہ حق تعالیٰ سے فیض لے کر مخلوق کو نہ دے سکتے یوں فیض لینے اور فیض دینے کی راہ مسدود ہو جاتی۔

درخواص آن قدرنمی ایستد که مکدر سازد بلکه ندامت

خواص میں اس قدر نہیں رہتی کہ مکدر کر دے[1] بلکہ ندامت اور

واستغفار که در قفائے او دست می دہد چندین ظلمت

استغفار جو اس کے بعد ہاتھ آتی ہے اتنی ظلمت و

و کدورت دیگر را ہم زداید وترقیات می فرماید ہمین

کدورت اور کو بھی دور کر دیتی اور ترقیاں عطا فرماتی ہے یہی

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرما رہے ہیں کہ اولیائے کاملین میں بشری ظلمات اتنی زیادہ نہیں ہوتیں کہ ان کے بطون عالیہ اور روحانیت مقدسہ کو مکدر کر دیں اور ان پر بشریت کا غلبہ ہو جائے بلکہ ان کی بشریت لطیف اور نوری ہوتی ہے البتہ اگر بتقاضائے بشریت ان اولیائے کاملین سے کوئی لغزش یا خطا سرزد ہو جائے تو یہ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور اس پر نادم ہوتے اور معافی مانگتے ہیں۔ بس اسی ندامت واستغفار کی بنا پر ان سے اتنی ظلمت اور کدورت بھی دور ہو جاتی ہے اور مزید ترقیاں عطا ہوتی ہیں۔

ظلمت ست کہ در ملائک مفقود ست و بسبب آن

ظلمت ہے جو فرشتوں میں مفقود ہے [۱۲] اور اسی سبب سے

راہ ترقی مسدود و اسم ظلمت بروے از قبیل مدح

ترقی کی راہ مسدود ہے اور اس پر ظلمت کا نام مدح

[۱۲] یہی بشری ظلمت جو مزید ترقیوں کا باعث ہوتی ہے فرشتوں میں مفقود ہے کیونکہ وہ محض نور ہیں بنابریں ان پر ترقی کی راہیں مسدود ہیں جیسا کہ آیت کریمہ و ما منا الا لہ مقام معلوم سے عیاں ہے۔

بمایشبہ الذم ست عوام کا لانعام صفات بشریت

بما یشبه الذم کے قبیل سے ہے [۱۳] عوام کالانعام اہل اللہ

[۱۳] اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر بشریت کی ظلمت کا اطلاق اس قدر نا معلوم اور برائے نام ہوتا ہے کہ جس سے ان کی بشروں کیساتھ مناسبت رہ جائے باقی رہی یہ بات کہ ان پر جو لفظ ظلمت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کیلئے باعث مدح اور موجب کمال ہے البتہ بظاہر ذم معلوم ہوتا ہے۔

مدح بمایشبہ الذم کا مفہوم یہ ہے کہ اولیائے کاملین پر بظاہر بشریت کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے جو ظلمت کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ عین ذم نہیں بلکہ مشابہ ذم ہے اسلئے وہ مذموم نہیں بلکہ قابل مدحت اور لائق تعریف ہے۔

اہل اللہ را دررنگ صفات بشریت خود می دانند و

کی بشری صفات کو اپنی بشری صفات کی مانند سمجھتے ہیں [۱۴۱] اور

محروم ومخذول می مانند قیاس غائب برشاہد فاسد

محروم و خوار ہوتے ہیں غایب کا قیاس حاضر پر فاسد ہے

ست ہرمقام راخصوصیات علیحدہ است وہرمحل را

ہر مقام کی خصوصیات الگ ہیں اور ہر محل کے لوازمات

لوازم جدا والسلام علیٰ من اتبع الھدی والتزم متابعة

جدا اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور متابعت مصطفےٰ

المصطفےٰ علیه وعلی اله الصلوات والتسلیمات

کا التزام کرے آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات وتسلیمات ہوں۔

[۱۴۱] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ عامۃ الناس جو چوپائیوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں وہ اولیائے کاملین کی صفات بشریت کو اپنی صفات بشریت کی مانند سمجھتے ہیں حالانکہ اہل اللہ کی بشریت نہایت نورانی اور لطیف ہوتی ہے جبکہ عوام کالانعام کی بشریت غایت درجہ ثقیل اور کثیف ہوتی ہے۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس جہالت وحماقت کی وجہ سے عوام الناس ذلیل ومحروم ہوجاتے ہیں حالانکہ غائب کا حاضر پر قیاس کرلینا باطل اور فاسد ہے کیونکہ ہر مقام کی خصوصیات علیحدہ اور ہر محل کے لوازمات جدا ہوتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اولیائے کاملین اور اخص خواص میں صفات بشریہ کے باقی رکھنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

جب ''انسان کامل'' کو فنا و بقا کے بعد حق سبحانہ کی طرف سے مخلوق کو دین اسلام کی دعوت دینے کیلئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تو اس میں بشری صفات اور انسانی خصائص زائلہ جو مغلوب اور کمزور ہو گئی تھیں پھر اس کی طرف عود کر آتی ہیں تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان وہ مناسبت جو پہلے زائل ہو گئی تھی، از سر نو پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت کے ذریعے انسان کے اور عالم کے درمیان فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا دروازہ کھول دے۔

ان بشری صفات کو زوال کے بعد واپس کرنے اور اس انسان کامل کے ساتھ ملحق کرنے میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ مکلفین کا امتحان اور مدعوین کی آزمائش ہو جائے تاکہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے جدا کر دے اور جھٹلانے والے تصدیق کرنے والوں سے الگ ہو جائیں۔

نیز ان صفات کے رجوع کرنے سے ایمان بالغیب جو پہلے مشتبہ اور پوشیدہ تھا حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولو جعلناه ملكا لجعلناه رجلاً وللبسنا عليهم مايلبسون یعنی اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے پھر بھی یہ لوگ اسی (شبہ) میں رہتے جس میں اب ہیں۔ (الانعام ۹)

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۵۴)

مِنہا-۲۵

آدمی تا زمانے کہ گرفتار علم و دانش ست و بنقوش

آدمی جس وقت تک علم و دانش کا گرفتار ہے اور ماسوا کے

ماسوائے منقش خوار و بے اعتبار ست نسیان ماسوائے

نقوش سے منقش ذلیل و بے اعتبار ہے[1] ماسوا کا نسیان

شرط راہ است و فنائے ماعدا قدم پیشگاہ تا آئینہ باطنی

اس راہ کی شرط ہے اور ماسوا کی فنا اگلی منزل کا قدم جب تک

از زنگار امکان زدودہ نگردد ظہور حضرت وجوب محال

باطنی آئینہ، امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور

ست چہ جمع علوم امکانی با معارف وجوبی از قبیل

محال ہے کیونکہ علوم امکانی کا معارف وجوبی کے ساتھ جمع ہونا

[1] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی اشیائے کائنات کے علم و دانش اور دنیوی تعلقات کی طرف راغب ہے۔ دنیا کی محبت میں گرفتار ہے اور ماسوی اللہ کے نقوش اس کے قلب و نظر میں پیوست ہیں، وہ نا قابل اعتبار، بے لحاظ اور ذلیل ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یہاں ارشاد فرماتے ہیں کہ نسیان ماسوا راہ

طریقت کی شرط ہے۔نسیان ماسوا کا مطلب ہے حق سبحانہ کے ماسوا کو بھول جانا،اسی کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ماسوئی کی دو قسمیں ہیں

۱......آفاق ۲......انفس

آفاق کے نسیان سے مراد آفاق کی نسبت علم حصولی کا زوال ہے اور انفس کے نسیان سے مراد انفس کی نسبت علم حضوری کا زوال ہے کیونکہ علم حصولی کا تعلق آفاق سے ہے اور علم حضوری کا تعلق انفس سے ہے۔اگر چہ اشیاء کے علم حصولی کا مطلقاً زوال دشوار ہے کیونکہ وہ اولیاء کا حصہ ہے اور علم حضوری کا مطلقاً زوال تو بہت ہی زیادہ دشوار ہے کیونکہ یہ کاملین اولیاء میں سے اکمل اولیاء کو حاصل ہے۔بہت ممکن ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ تصور بھی اکثر عقلاء کے نزدیک محال ہو اور ''معلوم'' کا جاننے والے کیلئے عدم حضور، باطل سمجھیں کیونکہ ان کے نزدیک حضور شئی،نفس شئی کے لئے ضروری ہے لہٰذا علم حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگر چہ ایک لمحہ کیلئے ہی ہو، جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس علم کا مطلقاً اس طرح زوال ہو جائے کہ پھر کبھی عود نہ کر سکے، یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟۔

علم حصولی کا نسیان فنائے قلب پر موقوف ہے اور علم حضوری کا نسیان فنائے نفس کو مستلزم ہے جو اتم واکمل ہے اور حقیقت فنا اسی مقام میں ہے خصوصاً فنائے قلب اس فنا کیلئے ظاہری صورت کی مانند ہے جو اس کا ظل ہے کیونکہ علم حصولی درحقیت علم حضوری کا ظل ہے لہٰذا لازماً اس ظل کی فنا، اس کی فنا ہوگی اور اس فنا کے حصول کے ساتھ نفس،مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حق تعالیٰ سبحانہ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقاورجوع کے بعد تکمیل وارشاد کا معاملہ اس سے متعلق ہوتا ہے اور اسے عناصر اربعہ (خاک،باد،نار،آب) کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد وغزا میسر ہو جاتا ہے۔

قلب سے ماسوا کے نسیان کی علامت قلب میں ماسوا کے خطرات کا نہ آنا ہے

اس طرح کہ اگر بہ تکلف ان خطرات ماسوا کو یاد دلایا جائے تو بھی یاد نہ آئیں بلکہ قلب ان کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے متعلق علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بالکل منتفی ہو جائے تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو کیونکہ اس مقام میں علم اور معلوم، نفس عالم ہے اور جب تک نفسِ عالم زوال پذیر نہ ہو جائے علم و معلوم کی نفی نہیں ہوتی اور فنائے اول فنائے آفاق ہے اور فنائے ثانی فنائے انفس ہے جو فنا کی حقیقت ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۵۲)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ کے ماسوا کا نسیان قرب الی اللہ کی طرف پیش قدمی ہے لہٰذا جب تک سالک کا آئینہء باطن ماسوا کی تکوینات سے بالکل صاف نہیں ہو جاتا حق تعالیٰ کا جلوہ ناممکن ہے کیونکہ علوم امکانیہ اور معارف وجوبیہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع اضداد محال ہے۔

جمع اضداد ست ایں جا سوالے ست قوی و آں آنست

جمع اضداد کے قبیل سے ہے۔ یہاں ایک قوی سوال ہے [۲] اور وہ یہ ہے کہ

کہ چوں عارف را بہ بقا مشرف می سازند و برائے تکمیل

جب عارف کو بقا سے مشرف کر دیتے ہیں اور ناقصین کی

ناقصاں بازش می گردانند علومے کہ زائل شدہ بود عود

تکمیل کے لئے واپس لوٹا دیتے ہیں وہ علوم جو زائل ہو گئے تھے عود کر آتے ہیں۔

می نماید بریں تقدیر علوم امکانی بامعارف وجوبی جمع

اس صورت میں علوم امکانی معارف وجوبی کے ساتھ جمع ہو

میگردند و تو آں را جمع ضدین گفتہ جوابش آن ست

جاتے ہیں اور آپ نے ان کو جمع ضدین کہا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ

کہ عارف باقی باللہ دریں وقت حکم برزخیت پیدا کردہ

عارف باقی باللہ اس وقت برزخیت کا حکم پیدا کئے ہوئے ہے

است گویا برزخ ست **بین الوجوب والامکان** ومنصبغ

گویا وہ وجوب اور امکان کے درمیان برزخ ہے اور دونوں مقامات

[۲] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک سوال اور اشکال کا جواب بیان فرمارہے ہیں:

سوال یہ ہے کہ جب عارف فنا کے بعد مقام بقا سے مشرف ہوتا ہے اور اسے مسند دعوت وارشاد پر متمکن کر دیا جاتا ہے تو زائل شدہ علوم امکانیہ پھر عود کر آتے ہیں

برنگ ہردو مقام دریں صورت اگرعلوم ومعارف ہردو

کے رنگ سے رنگین ہے اس صورت میں اگر دونوں مقامات کے

مقام جمع شوند چہ اشکال زیرا کہ محل اجتماع ضدین

علوم و معارف جمع ہو جائیں کیا اشکال ہے کیونکہ ضدین کے اجتماع کا

واحد نماند بلکہ گویا متعدد گشتہ است **فلا جمع**

محل واحد نہیں رہا بلکہ گویا متعدد ہو گئے ہیں لہٰذا اجتماع نہ ہوا

دریں صورت علوم امکانیہ اور معارف وجوبیہ پھر ایک مقام پر جمع ہو جاتے ہیں حالانکہ ان علوم ومعارف کا جمع ہونا اجتماع ضدین کے قبیل سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب عارف بقاباللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کے درمیان برزخیت کا حکم پیدا کر لیتا ہے فلہٰذا ان علوم ومعارف کا صورۃً اجتماع ہوتا ہے حقیقۃً اجتماع نہیں ہوتا، لہٰذا اجتماع ضدین نہ رہا۔

منہا-۲۶

علوم اشیاء کہ درمرتبۂ فنا زائل شدہ بودند بعداز بقااگر

چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے[1] بقا کے بعد اگر

رجوع نمایند نقصے درکمال عارف لازم نیاید بلکہ کمال

لوٹ آئیں تو عارف کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آتا بلکہ اس کا کمال

اوست دریں رجوع بلکہ تکمیل اومربوط بہمیں رجوع

اس رجوع میں ہے بلکہ اس کی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ

سالک کے عروجی مراتب اور نزولی مدارج

[1] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سالک جب عروجی مرتبوں میں ہوتا ہے تو اس کے تعلقات دنیا اور محبت دنیا کے جذبات ماند پڑنا شروع ہوجاتے ہیں لامحالہ ماسوی اللہ کی معلومات کم ہونا شروع ہوجاتی ہیں یہ فقر کی علامت اور ولایت کا درجہ ہے جس میں ہر سالک کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے کسی کو فنا کم ہوتی ہے کسی کو زیادہ ہوتی ہے اور کسی کو بہت زیادہ فنا سے حصہ نصیب ہوتا ہے مگر جب سالک عروج کے بعد نزول کرتا ہے تو دنیوی تعلقات پھر بحال ہونا شروع ہوجاتے ہیں، نتیجتاً اشیائے کائنات کے زائل شدہ علوم دوبارہ عود کرآتے ہیں۔

یادرہے کہ عروجی مراتب، ولایت کے درجات میں سے ہیں جسے فنا سے تعبیر

کیا جاتا ہے اور نزولی مدارج کمالات نبوت میں سے ہیں جسے بقا کہتے ہیں جو بہت بڑا کمال ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ عروجی مدارج میں بعض اہل اللہ فاقہ کشی کرتے اور مخلوقِ خدا سے دور جنگلوں میں رہتے ہیں اور مرتبہء تکمیل کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، عامۃ الناس اسے کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقام ادھورا ہے۔ مگر جب سالک عروج کے بعد نزول اور فنا کے بعد بقاء کے مرتبے پر فائز المرام ہوتا ہے تو عام لوگ اسے دنیا دار سمجھتے ہیں جبکہ بقا کا مرتبہ، مرتبہء کمال ہے جو مسند مشیخیت سے وابستہ ہے اور لوگوں کی رشد و ہدایت سے متعلق ہے اور کمالات نبوت سے مربوط ہے۔

ســت چه عارف بعداز بقا متخلق باخلاق الله است علم

عارف بقا کے بعد اخلاق اللہ کے ساتھ متخلق ہو گیا ہے[۲] اشیاء کا علم

اشیاء در واجب تعالٰی عین کمال است وضدآں موجب

واجب تعالٰی میں عین کمال ہے اور اس کی ضد نقصان کا موجب ہے

نقصان **فکذا حال العارف المتخلق والسِرُّ فيه ان العلم في**

پس یہی حال عارف متخلق کا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ممکن میں علم حاصل

الممكن يحصل بحصول صورة المعلوم فيه فلا جرم يتاثر

ہوتا ہے معلوم فیہ کی صورت کے حصول سے پس لامحالہ عالم متاثر ہوتا ہے

[۲] جب عارف کو فنا، وصل کے بعد بقا، رجوع اور نزول کا مقام نصیب ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسے تکمیلی مرتبہ ومقام میسر ہو رہا ہے کیونکہ اسے بقا کے بعد تخلق باخلاق اللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا

مسلماں بندۂ مولا صفات است

دل او سرے از اسرار ذات است

اہل طریقت نے اس کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱..... متخلق باخلاق اللہ

۲..... متصف بصفات اللہ

۳..... متحقق بحقائق اللہ

متخلق باخلاق الله : کا مطلب یہ ہے کہ عارف، اللہ تعالٰی کے اخلاق سے متخلق ہو جائے جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات تخلقوا باخلاق الله سے

العالم بحصول صورة المعلوم فيه و كلما كان العلم ازيد كان

معلوم فیہ کی صورت کے حصول سے اور جب علم زیادہ ہو عالم میں

التأ ثر فی العالم اکثر فیکون التغیر و التلوّن فیه اوسع و ابسط

تاثر بھی زیادہ ہوتا ہے پس اس میں تغیر و تلون زیادہ وسیع و بسیط ہوتا ہے

فیکون نقصا فلا بد للطالب من نفی هذه العلوم کلها و نسیان

لہٰذا یہ نقص ہو جاتا ہے پس طالب کیلئے ضروری ہے ان تمام علوم کی نفی کرنا اور

عیاں ہے۔قطب ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

اذا مرّعلی حضرات الاسماء الالٰهیة صار متخلّقا بصفاتها فاذا مرعلی الرحیم کا ن رحیما او علی الغفور کا ن غفوراً او علی الکریم کا ن کریما اوعلی الحلیم کان حلیماً او علی الشکور کان شکوراً اوعلی الجواد کان جواداً ولهکذا فمایرجع من ذالك المعراج الا وهو فی غایة الکمال (الیواقیت والجواہر جلد دوم) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج اسماء الٰہیہ کی بارگاہوں سے گذرے تو ان اسماء کی صفات کے ساتھ متصف ہوتے گئے جب صفت الرحیم پر گذرے تو رحیم بن گئے اور صفت الغفور پر گذرے تو غفور بن گئے صفت الکریم پر گزرے تو کریم بن گئے صفت الحلیم پر گذرے تو حلیم بن گئے صفت الشکور پر گذرے تو شکور بن گئے، صفت الجواد پر گذرے تو جواد بن گئے۔اسی طرح جن جن اسماء سے گذرتے گئے ان ان صفات سے متصف ہوتے گئے یہاں تک کہ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو انتہائے کمال کی حالت پر تھے۔

الاشیاء جُلّھا و العلم فی الواجب تعالٰی لیس کذالک اذ ھو

سب اشیاء کا بھول جانا اور واجب تعالٰی کا علم ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ

سبحانہ منزہ من ان یحل فیہ صور الاشیاء المعلومۃ بل ینکشف

سبحانہ منزہ ہے اس بات سے کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں بلکہ

الاشیاء علیہ تعالٰی بمجرد تعلق العلم بھا فسبحان من لا یتغیر

اس تعالٰی پر اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں صرف ان کے ساتھ علم کا تعلق قائم ہوتے ہی

ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت و وراثت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اخلاق الٰہیہ سے متصف ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے ہاں خلق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں جس خوش نصیب میں توحید باری تعالٰی کے ساتھ ان میں سے ایک صورت بھی پائی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ھل فی منھا یارسول اللہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ان میں سے کوئی صورت مجھ میں بھی پائی جاتی ہے تو ارشاد فرمایا کلھا فیك یاابوبکر و احبھا الی اللّٰہ السخاء اے ابوبکر تم میں سب کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے اللہ تعالٰی کے نزدیک سخاوت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (روح البیان)

تخلق باخلاق کے مختلف معانی

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں ملاحظہ ہو!

عمدۃ الابدال حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ تخلقوا باخلاق اللّٰہ کے مقام

بـذا تـه ولا بـصفاته ولا فی افعاله بحدوث الاكوان و العارف

پس وہ پاک ہے کہ تغیر نہیں کرتا اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں حدوث

المتخلق يصير علمه بهذه الصفة فلا يحل فيه صور معلومات

اکوان سے اور عارف متخلق کا علم اسی طرح کا ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس میں بھی

الاشياء فلا تأ ثر فی حقه فلا تغير و لا تلون فلا يكوّن نقصا بل

اشیاء کی معلومات کی صورتیں حلول نہیں کرسکتیں پس اس کے حق میں نہ تاثر ہوتا ہے

کی تحقیقات کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہ) کی ایک صفت ملک ہے اور ملک کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں ۔ جب راہ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور اس نفس کو مغلوب کر کے رکھتا ہے تو اس کا تصرف لوگوں کے دلوں پر بھی جاری ہو جاتا ہے اس وقت وہ اس صفت ملک سے منسوب (مناسبت رکھنے والا) کہلاتا ہے...... اور ایک صفت سمیع ہے اور سمیع کے معنی سننے والے کے ہیں، جب راہ حق کا سالک ہر شخص کی حق باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار وحقائق کو روح کے کانوں سے سنتا ہے تو وہ اس صفت سمیع سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے...... اور ایک صفت بصیر ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں ۔ جب راہ حق کے سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہو جاتی ہے تو وہ اپنے تمام عیبوں کو نور فراست سے دیکھتا ہے اور دوسرے لوگوں کے حال کو کمال درجہ کا معلوم کر کے سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور یہ حق کا دیکھنا اس کو (حق تعالیٰ کا) منظور نظر بنا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس صفت بصیر سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے...... اور حق تعالیٰ کی ایک صفت محی ہے،

کمالا ھذا السر من غوامض الاسرار الالٰھیۃ خص اللّٰہ سبحانہ

اور نہ ہی تغیر وتلون لہٰذا یہ نقص نہیں ہوتا بلکہ کمال ہے یہ راز دقیق اسرار الٰہیہ میں سے

وتعالٰی بہ من یشاء من عبادہ ببرکۃ حبیبہ علیہ وعلی آلہ

ہے اللہ سبحانہ وتعالٰی نے اس کے لئے مخصوص فرمالیا جسے چاہا اپنے بندوں میں سے

الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا

اپنے حبیب کی برکت سے آپ پر اور آپ کی آل پر اتم واکمل صلوات وتسلیمات ہوں

محی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں جب سالک ترک شدہ سنت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسبت رکھنے والا کہا جائے گا ...... اور حق تعالٰی کی ایک صفت ممیت ہے یعنی مارنے والا، جب سالک ایسی بدعات جو لوگوں نے سنت کو ترک کر کے اختیار کر لی ہوں، کے خلاف آواز بلند کرتا اور منع کرتا ہے تو وہ اس صفت ممیت سے مناسبت رکھنے والا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس

عوام نے تخلق کے معنی غلط سمجھے ہیں اور خواہ مخواہ گمراہی کے جنگل میں جا پڑے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ولی کیلئے احیائے جسمی (مردے کا زندہ کرنا) ضروری ہے اور اس پر اشیائے غیبی کا انکشاف ہونا چاہئے وغیرہ ذالک حالانکہ یہ باتیں فاسد گمانوں کی مانند ہیں اور بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالٰی کا ارشاد ہے ان بعض الظن اثم (الحجرات ۱۲) بیشک بعض گمان گناہ ہیں۔ نیز خوارق صرف کسی کو مارنے اور زندہ کرنے میں ہی منحصر نہیں ہیں، علوم شرعیہ اور معارف الہامیہ سب سے بڑی نشانی اور اعلیٰ درجہ کے خوارق ہیں۔ اسی لئے معجزہ قرآنی کو باقی تمام معجزات پر اقوی اور باقی رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ تخلق با خلاق اللہ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عموم صفات میں مشارکت ہو سکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر و تبدل لازم آتا ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۰۷)

متصف بصفات اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف، اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جائے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات و اتصفوا بصفات اللّٰہ سے عیاں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں کہ صفات ثمانیہ کی تین اقسام ہیں:

۱...... **صفات اضافیہ**: ان صفات کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت و نسبت مخلوق کے ساتھ زیادہ تر ہے۔ چونکہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے (تکوین) کہ اس سے متعدد تعلقات کے اعتبار سے تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیاء (زندہ کرنا) اماتت (مارنا) کی جزئیات پیدا ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے ایک گروہ (اشاعرہ) نے اس کے وجود کا انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین صفات اضافیہ میں سے ہے اور حق یہی ہے کہ وہ حقیقی صفات میں سے ہے جس میں اضافت غالب ہے۔

۲...... **صفات حقیقیہ**: یہ صفات عالم کے ساتھ بھی اضافت رکھتی ہیں لیکن پہلی قسم سے کم تر درجہ جیسے کہ علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

۳...... **حقیقت محض**: یہ اضافت کی کوئی بو اور امتزاج نہیں رکھتی۔ اضافت سے ہماری مراد عالم (دنیا) کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسے حیات۔ یہ صفت تینوں قسموں میں

سب سے اعلیٰ اور جملہ اقسام کی جامع ترین ہے اور امہات صفات میں سے اور سب کی اصل اور سب سے اسبق ہے۔ (صفت علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع اور اس کے قریب ترین ہے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء تعین ہے)۔

(مبداء و معاد منہا ۵۹ ...... مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۹۴)

متحقق بحقائق اللہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف حقائق سبعہ سے متحقق ہو جاتا ہے۔

حقائق سبعہ سے مراد سات حقائق ہیں اور وہ یہ ہیں حقیقت محمدی، حقیقت احمدی، حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ۔ پہلے چار حقائق کو حقائق کونیہ کہا جاتا ہے اور آخری تینوں حقائق کو حقائق الٰہیہ کہا جاتا ہے حقیقت کعبہ، حقائق کونیہ سے افضل ہے کیونکہ حقیقت کعبہ "ظہور تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ" ہے اور یہ مرتبہء وجوب ہے اور حقائق کونیہ ظہورات مراتب وجوب ہیں نہ کہ خود مراتب وجوب۔ اسی طرح حقیقت قرآن باعتبار مبداء وسعت اور حقیقت صلوٰۃ باعتبار وسعت ذات ہونے کے حقیقت کعبہ سے بھی افضل ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

۳...... حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یہاں اس بات کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اشیائے کائنات کا علم ہونا نقص نہیں بلکہ باعث کمال ہے تو جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے اس میں زائل شدہ علوم کا واپس لوٹ آنا بھی نقص نہیں بلکہ موجب کمال ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ممکن کا علم صورت معلومہ کے حصول سے حاصل ہوتا ہے مثلاً عینک کے علم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ جب عینک کی ایک معلوم صورت کسی شخص کے ذہن میں نقش ہو جائے اور یہ حصول بے باہر سے عینک کی صورت

معلومہ کے ذہن میں آنے کا۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص عینک کا لفظ بولے گا تو پہلا شخص خواہ آنکھیں بند ہی رکھے فوراً اسے عینک کا علم ہو جائے گا۔ ماحصل یہ ہے کہ ممکن کو جب علم آتا ہے تو معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے تو لامحالہ صورت معلومہ کے حصول سے عالم کا علم متاثر ہوتا ہے یعنی وہ صورت معلومہ اس کے اندر اپنا تاثر پیدا کر دیتی ہے جیسے (کوئی خوشی، غمی یا خوف کی خبر سن کر) کسی شخص کے چہرے وغیرہا کی رنگت متغیر ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے متعلق حادثہ پیش آنے کی اطلاع دیتا ہے تو سننے والے شخص کے ذہن میں گاڑی، زخم اور تصادم اور تکلیف وغیرہا کے تصورات سے علوم مرتب ہوتے ہیں اور وہ اپنا تاثر پیدا کرتے ہیں جوں جوں علم بڑھتا جائے گا عالم کے تاثرات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

مِنہا-۲۷

این درویش را دوازدہم سال از ابتدائے زمان انابت بمقام

اس درویش کو انابت کے ابتدائی زمانہ سے بارھویں سال میں مقام

رضا مشرف ساختند اول نفس را باطمینان رسانید ند

رضا سے مشرف فرمایا گیا[1] پہلے نفس کو اطمینان تک پہنچایا

بعدازاں بتدریج بمحض فضل ایزدی بایں سعادت مستسعد

اس کے بعد بتدریج محض فضل ایزدی سے اس سعادت سے مند

ساختند و بایں دولت مشرف نشد تا زمانے کہ پرتوے از

ہوا اور اس دولت سے مشرف نہیں ہوا جب تک آنحضرت

رضائے آں حضرت جل سلطانہ برنتافت **فرضیت النفس**

جل سلطانہ کی رضا کا پرتو نہیں ڈالا گیا پس نفس مطمئنہ

حضرت امام ربانی کا مقام رضا سے بہرہ اندوز ہونا

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے حلقۂ ارادت میں شمولیت اور ان سے نسبت نقشبندیہ کے حصول کے بعد مجھے

المطمئنة عن مولاها ورضی مولاها عنها الحمد للّٰہ سبحانہ

اپنے مولا سے راضی ہو گیا اور اس کا مولا اس سے راضی ہو گیا اللہ سبحانہ

علٰی ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ وکما

کی اس پر حمد و ثنا ہے جو بے پایاں پاکیزہ جس میں برکت جس پر برکت جیسی

یحب ربنا ویرضٰی والصلوۃ والسلام علٰی رسولہ محمد والہ

ہمارا رب پسند فرماتا اور چاہتا ہے درود و سلام ہو اس کے رسول حضرت محمد

کما یحری . اگر گویند کہ چوں نفس راضی شداز

اور آپ کی آل پر جیسا کہ ان کے لائق ہے۔ اگر کہیں کہ جب نفس اپنے

مقامات عشرہ کی تکمیل میں بارہ سال کا طویل عرصہ لگ گیا۔ سب سے پہلے نفس مطمئنہ کی دولت قصوئی سے مالا مال ہوا بعد ازیں تدریجاً مقام رضا عطا فرمایا گیا۔ طیِّ سلوک کی یہ ترتیب قرآن کریم کے عین مطابق ہے جیسا کہ آیہ کریمہ یاایتھاالنفس المطمئنة ○ ارجعی الٰی ربك راضية مرضيه سے عیاں ہے۔ والحمدللّٰہ علٰی ذالك

مولائے خود پس معنی دعا وطلب دفع بلاچه باشد؟

مولیٰ سے راضی ہو گیا پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا معنی ہوا ؟[1]

گوئیم که رضا از فعل مولائے تعالیٰ مستلزم رضا از

ہم کہتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ کے فعل سے رضا اس کی مخلوق کی رضا کو مستلزم نہیں

مخلوق او نیست بلکه بسا ست که رضا از مخلوق

ہے بلکہ اکثر ہوتا ہے کہ مخلوق سے رضا کفر و معاصی کی

مستقبح باشد دررنگ کفر و معاصی پس رضا از خلق

صورت میں قبیح ہوتی ہے خالق قبیح سے رضا لازم ہوئی حالانکہ

قبیح لازم باشد و کراهت از نفس قبیح واجب هر گاه

نفس قبیح سے کراہت واجب ہے جب مولیٰ نفس قبیح

مولا تعالیٰ از نفس قبیح راضی نباشد بنده چگونه راضی

سے راضی نہ ہوا تو بندہ کیسے راضی ہوا بلکہ بندہ

[1] یہاں ایک سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ جب کسی عارف کو راضیۃ مرضیہ کا منصب عظیم عنایت ہو جاتا ہے تو مزید اس کا تحصیل خواہشات اور دفع بلیات کیلئے دعائیں کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صاحب راضیہ مرضیہ کے، فعل حق تعالیٰ سے راضی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی مخلوق (خیر وشر) سے بھی راضی ہو جائے۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ خیر وشر کا خالق حق تعالیٰ ہے وہ تعالیٰ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے خوش نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کفر ومعاصی

شود بلکه بنده دریں صورت مامور بشدت وغلظت

اس صورت میں شدت اور سختی پر مامور ہے پس مخلوق

ست پس کراہت از مخلوق منافی رضا از خلق آں

سے کراہت کرنا اس کی خلق سے رضا کے منافی نہ ہوا لہٰذا

نباشد پس طلب دفع بلا رامعنی مستحسن باشد و

دفع مصیبت کی طلب کے مستحسن معنی ہو گئے اور وہ

جمعے که فرق نه کرده اند درمیان رضا ازفعل و کراہت

جماعت جنہوں نے فعل سے رضا اور مفعول سے کراہت کے درمیان فرق نہیں کیا

اور طغیان وعصیان کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر وہ اس سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی ان افعال ناپسندیدہ کا حکم دیتا ہے جیسا کہ آیات کریمہ لا یرضٰی لعبادہ الکفراور قل ان اللّٰہ لا یامر بالفحشاء سے عیاں ہے بلکہ ان امور قبیحہ اور افعال ردّیہ کے مرتکبین کیلئے حدود وتعزیرات کے قوانین مقرر فرمائے گئے ہیں اور قوت نافذہ کوان احکام شرعیہ کے نفاذ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب افعال قبیحہ سے خود حق تعالیٰ راضی نہیں تو راضیہ مرضیہ کے مرتبہ پر فائز المرام بندۂ مؤمن کیونکر خوش ہوگا۔

یہاں دعا اور رضا کے متعلق قدرے معلومات ہدیۂ قارئین ہیں۔ و باللّٰہ التوفیق

حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیا دعا افضل ہے یا سکوت ورضا؟ بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ دعا چونکہ بذات خود عبادت ہے جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات الدعاء مُخ العبادۃ اور الدعاء ھو العبادۃ سے واضح ہے چونکہ دعا عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور عبادت کا خلاصہ و

از مفعول دروجود کراہت بعد از حصول رضا دراشکال

حصول رضا کے بعد کراہت کے پائے جانے میں اشکال میں پڑ گئے

مانده اند ودردفع آں تکلفات نموده اند و گفته اند که

اور اس (اشکال) کے دفع کرنے میں تکلفات میں پڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں

وجود کراہت منافی حال رضاست نه مقام رضا والحق

کہ کراہت کا وجود حال رضا کے منافی ہے نہ کہ مقام رضا کے۔حق وہی ہے جو میں نے

ماحققته بالهام الله سبحانه والسلام علٰى من اتبع الهدىٰ

اللہ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کردی ہے اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے

حقیقت خضوع وتذلل اور خواری ہے جو دعا میں باکمل الوجوہ حاصل ہوتی ہے۔اس لئے ادائے عبادت،ترک عبادت سے اولیٰ ہے۔دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ دعا سے سکوت افضل واولیٰ ہے تا کہ تقدیر الٰہی کے مطابق جریان حکم ہو جائے اور بندۂ مؤمن رضا بالقضاء پر عمل پیرا رہے۔(میدان کربلا میں سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے رضا بالقضاء کی لازوال مثال قائم فرمادی جیسا کہ آپ کے الفاظ مبارکہ رضاً بقضاء ك سے واضح ہے۔بقول شاعر

طاقت ہندیاں زور نئیں لایا بیٹھے مل رضائیں

دنیا اتوں پیاسے ٹر گئے دین دنی دے سائیں)

جبکہ تیسرے گروہ کا یہ مؤقف ہے کہ بندۂ مؤمن کو زبان سے صاحب دعا اور قلب سے صاحب رضا ہونا چاہئے تا کہ وہ دعا اور رضا دونوں احوال کا جامع ہو جائے۔

(الاملاء فی تحقیق الدعاء)

مدتے آرزوئے آن داشت کہ وجہے پیدا شود وجیہ در

مدت سے یہ آرزو رہی کہ معقول وجہ پیدا ہو جائے

مذہب حنفی تا درخلف امام قرأت فاتحہ نمودہ آید ہر گاہ

مذہب حنفی میں تاکہ امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت کی جا سکے[1] جبکہ

قرأت درنماز فرض باشد از قرأت حقیقی عدول نمودہ

نماز میں قرأت فرض ہے قرأت حقیقی سے عدول کر کے

بقرأت حکمی قرار دادن معقول نمی شد با آنکہ درحدیث

حکمی قرأت قرار دینا معقول نہیں تھا ساتھ ہی حدیث نبوی

نبوی آمدہ **علیہ الصلوٰۃ والسلام لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب**

علیہ الصلوٰۃ و السلام میں آیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب کے بغیر نماز نہیں ہوتی

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ کے فضائل اور فقہ حنفی کی فضیلت وفوقیت بیان فرما رہے ہیں۔

اس منہا کی ابتداء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے قرأت خلف الامام کے مسئلہ کو تمثیلاً نہایت احسن پیرائے میں بیان فرمایا ہے جسے باشعور شخص مطالعہ کر کے فقہ حنفی کی عظمت واہمیت کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اسا بواسطه رعایت مذہب بے اختیار ترک قرأت می کرد

لیکن رعایت مذہب کے واسطہ سے بے اختیار قرأت ترک کرتا تھا

وایں ترک را از قبیل ریاضت ومجاہدہ می شمرد آخر

اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ کے قبیل سے شمار کرتا تھا آخر کار

الامر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ببرکت رعایت مذہب

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے رعایت مذہب کی برکت

کہ نقل از مذہب الحاد ست حقیقت مذہب حنفی در

سے کہ مذہب سے خروج الحاد ہے[1] مذہب حنفی کی حقیقت، مقتدی کے

تقلید کا بیان

[1] حق تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید ورسالت کا اقرار کرنے والے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر وسعت علم عطا فرمائی ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے جملہ مسائل کا حل کتاب وسنت سے براہ راست استخراج کر سکتے ہیں،اہل علم کے نزدیک ایسی متبرک شخصیات کو مجتہد کہا جاتا ہے جبکہ دوسری قسم کے وہ مسلمان ہیں جو اپنی کم علمی کے باعث استخراج مسائل پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ پیش آمدہ مسائل کا حل،اہل علم کے اقوال سے حاصل کرتے ہیں جنہیں مقلد کہا جاتا ہے۔

تقلید کا معنی ومفہوم

تقلید کے لغوی معنی ''قلادہ در گردن بستن'' یعنی گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا

ترك قرأت ماموم ظاهر ساخت وقرأت حكمى از قرأت

ترک قرأت میں ظاہر فرما دی اور حکمی قرأت،

حقيقى در نظر بصيرت زيبا تر نمود كه امام و ماموم بمه

حقیقی قرأت سے بصیرت کی نظر میں زیبا تر دکھائی دی کہ امام اور مقتدی تمام

باتفاق درمقام مناجات مى ايستند **لان المصلى يناجى ربه**

مل کر اتفاق سے مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ نمازی اپنے رب سے

کے آتے ہیں۔

فقہائے کرام نے تقلید کی شرعی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

التقليد اتباع الرجل غيره فيما سمعه يقول اوفى فعله على زعم انه محق بلا نظر فى الدليل یعنی کسی شخص کا اپنے علاوہ کسی اور کو اہل تحقیق میں سے جانتے ہوئے بغیر کسی دلیل میں غور وفکر کیے اس کے قول وفعل کی اتباع کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ (نورالانوار)

اس تعریف سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام اور ائمہ دین وغیرہم سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں مقلد نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے جبکہ تقلید میں دلیل شرعی کا لحاظ نہیں ہوتا۔

تقلید کی اقسام

امور شرعیہ اور امور غیر شرعیہ کے اعتبار سے تقلید دو طرح کی ہے

تقلید غیر شرعی اور تقلید شرعی

واما م را دریں امر پیشوا می سازند پس امام ہرچہ می

مناجات کرتا ہے اور امام کو اس امر میں پیشوا بناتے ہیں پس امام جو کچھ پڑھتا

خواند گویا در زبان قوم می خواند دررنگ آنکہ جماعہ

ہے گویا قوم کی زبان میں پڑھتا ہے اس جماعت کی طرح

پیش پادشاہ عظیم الشان بحاجتے بروند ویکے را پیشوا

جو عظیم الشان بادشاہ کے حضور کسی ضرورت کیلئے پیش ہوتے ہیں اور کسی

سازند تا از زبان ہمہ اینہا عرض حاجت نماید، بریں

ایک کو پیشوا بنا لیں تاکہ ان تمام کی زبان سے عرض حاجت کرے

تقلید غیر شرعی

یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی امور میں کسی اہل فن کی پیروی کرنا بشرطیکہ وہ عندالشرع ممنوع اور حرام نہ ہوں۔ ممنوع اور حرام امور میں تقلید کرنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

واذاقیل لھم تعالوا الی ماانزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباء نا اولو کان آباء ھم لا یعلمون شیئاً ولا یھتدون

یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول اللہ کی طرف، کہتے ہیں ہم کو وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگر چہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ ہدایت پر ہوں۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم نے اس قسم کی تقلید کی یوں مذمت فرمائی ہے

تقدیر اگر دیگران نیز با وجود تکلم پیشوا در تکلم آیند

اس صورت میں اگر دوسرے بھی پیشوا کی گفتگو کے باوجود گفتگو کرنے

داخل سوء اد بست وموجب عدم رضائے پادشاہ پس

لگیں تو بے ادبی میں داخل ہے اور بادشاہ کی ناراضگی کا موجب ہے پس

مر مرا تقلید شاں برباد داد

در صد لعنت بر اں تقلید باد

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عبادت بتقلید گمراہی است

خنک رہروے را کہ آگاہی است

ایسے ہی یادِ حق سے غافل اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے اہل ہوا کی تقلید کرنے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه یعنی اس کی اطاعت نہ کرو جس کا قلب ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

خاصہء تقلید چنیں بے حاصلاں

کابرو را ریختند از بہر ناں

تقلید شرعی کی اقسام ثلاثہ

مسائل شرعیہ تین طرح کے ہیں

ا......عقائد

تکلم حکمی این جماعه که بزبان پیشوا ادا می یابد بہتر
اس جماعت کا حکمی تکلم جو پیشوا کی زبان سے ادا ہوتا ہے بہتر ہے
ست از تکلم حقیقی این ہا ہمچنین است حال قرأت
اس حقیقی تکلم سے یہی حال ہے قوم کی قرأت کا
قوم با وجود قرأت امام که داخل شغب است وازادب
باوجود امام کی قرأت کے جو شور و فساد میں داخل ہے ادب سے
مستبعد و موجب تفرق که منافی اجتماع ست واکثر
دور اور موجب انتشار جو اجتماع کے منافی ہے اکثر

۲......وہ احکام جو کتاب وسنت سے صراحۃً ثابت ہیں اور ان میں بظاہر کوئی تعارض نہیں انہیں مسائل منصوصہ غیر متعارضہ بھی کہا جاتا ہے۔اجتہاد کا ان میں کوئی عمل دخل نہیں۔

۳......وہ مسائل جو صراحۃً کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں یا ثابت تو ہیں مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی بنا پر قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے اس قسم کے مسائل کو مسائل غیر منصوصہ کہا جاتا ہے جنہیں مجتہد بذریعہ اجتہاد مستنبط کرتا ہے۔انہیں مسائل مستنبط میں غیر مجتہد کو کسی مجتہد کی تقلید کرنا پڑتی ہے۔

عقائد اسلامیہ اور اصول دینیہ میں کسی مجتہد کی تقلید نہیں ہوتی البتہ مسائل فرعیہ میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی جاتی ہے۔

مجتہدین کی اقسام

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ شامی میں طبقات فقہاء کی بحث

مسائل خلافی میان حنفی و شافعی ازیں قبیل ست کہ

حنفی اور شافعی (فقہ) کے درمیان اختلافی مسائل اسی قبیل سے ہیں جو

ظاہر وصورت مرجح بجانب شافعی است وباطن و

ظاہر اور صورت میں شافعی کی جانب ترجیح دینے والے ہیں اور باطن اور

حقیقت مؤید مذہب حنفی و بریں فقیر ظاہر ساختہ

حقیقت میں حنفی مذہب کے مؤید اس فقیر پر ظاہر کیا گیا

کرتے ہوئے مجتہدین کے چھ طبقے بیان فرمائے ہیں۔

۱...... مجتہد فی الشرع: وہ ائمہ عظام ہیں کہ جنہوں نے اجتہاد کے قواعد کو وضع کیا ہے جیسے ائمہ اربعہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

۲...... مجتہد فی المذہب: وہ ائمہ کرام ہیں کہ جو ائمہ اربعہ کے وضع کردہ قواعد اجتہادیہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ یہ ائمہ قواعد میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں مگر مسائل میں خود مجتہد ہیں۔

۳...... مجتہد فی المسائل: وہ شیوخ کرام ہیں جو قواعد اجتہادیہ اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں مگر جن مسائل کی بابت ائمہ کرام کی تصریحات نہیں ملتیں ان کو قرآن وحدیث وغیرھا دلائل سے اخذ کر سکتے ہیں جیسے امام طحاوی، شمس الائمہ امام سرخسی اور قاضی خان وغیرہم

۴...... اصحاب تخریج: وہ حضرات ہیں کہ جن میں اجتہاد کی صلاحیت وقابلیت تو نہیں ہوتی البتہ ائمہ کرام میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل بیان فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

اند که درخلافیات کلام حق بجانب حنفی ست تکوین
کہ علم کلام کے اختلافات میں حق حنفی کی جانب ہے تکوین
را از صفات حقیقیہ می داند ہرچند بظاہر رجوع بقدرت
کو صفات حقیقیہ سے جانتے ہیں اگرچہ بظاہر قدرت اور ارادہ
وارادت می نماید لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم
کی طرف رجوع دکھائی دیتا ہے لیکن دقت نظر اور نور فراست سے معلوم

۵......اصحاب ترجیح: وہ حضرات ہیں جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چند اقوال میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں ایسے ہی جہاں امام اعظم اور صاحبین کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتو یہ حضرات ھذا اصح یا ھذا اولی وغیرھا کے الفاظ سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

۶......اصحاب تمیز: وہ علمائے اعلام ہیں جو ظاہر مذہب، نادر روایات، ضعیف، قوی اور اقوی اقوال میں تمیز وتفریق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تا کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیا جائے اور معتبر اقوال اور صحیح روایات کو لے لیا جائے جیسے صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جس شخص میں ان چھ اوصاف میں سے کوئی وصف نہ پایا جائے وہ مقلد محض ہے ایسے ہی اگر کوئی محقق فی المذاہب کسی صحیح حدیث سے آگاہ ہو کر اس پر عمل پیرا ہو تو وہ اس سے غیر مقلد نہیں بن جائے گا بلکہ وہ حنفی ہی رہے گا کیونکہ اس نے اس حدیث صحیح پر عمل حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول اذا صح الحدیث فھو مذھبی کے مطابق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ

مي گردد که تکوین صفت علیحده است علیٰ هذا القیاس

ہوتا ہے کہ تکوین علیحدہ صفت ہے علیٰ ھذا القیاس اور

ودرخلافت فقهي در اکثر مسائل حق بجانب حنفي

اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی کی

متیقن است ودراقل متردد واین فقیر را در توسط احوال

جانب متیقن ہے اور بہت کم میں تردد ہے اس فقیر کو درمیانی احوال میں

واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی اے ایمان والواطاعت کرواللہ کی اوراطاعت کرورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوراولی الامر کی جوتم میں سے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اولی الامر سے علمائے مجتہدین مراد ہیں جو صاحبان علم و استنباط ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ولو ردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم سے عیاں ہے اس لئے اولی الامر کی اطاعت من حیث الاستنباط ہے نہ کہ من حیث الحکومت۔ اس لئے یہ اطاعت، شرعی اطاعت ہوگی اور اگر کوئی امر الٰہی کے خلاف حکم دے تو ہرگز اس کی اطاعت واجب نہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق سے واضح ہے مزید برآں اولی الامر کو بلا اعادۂ فعل اطیعوا "اطیعوا الرسول" پر اطاعت کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت احکام شرعیہ میں بغیر مطالبہء دلیل واجب ہے ایسے ہی علمائے مجتہدین کی اطاعت مسائل اجتہادیہ میں بلا طلب دلیل محض حسن ظن کی بناء پر غیر مجتہدین پر واجب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت رسول واجب قطعی ہے جبکہ ائمہ مجتہدین کی اطاعت تقویٰ واجتہاد اور ان کے ساتھ حسن ظن کی

وجہ سے واجب ظنی ہے اسی اطاعت کو تقلید کہا جاتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی تحسین وتصویب فرمائی ہے چنانچہ روایت میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ پوچھا کیف تقضی اذا اعرض لك قضاء کہ اگر کوئی قضیہ پیش آ جائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟...... انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔

ارشاد فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہوتو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے تو...... عرض کیا: اجتھد برائی ولا الو میں اجتہاد کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث مبارکہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ومنشاء کے مطابق حضرت معاذ بن جبل کا مسائل غیر منصوصہ میں بذریعہ اجتہاد احکام شرعیہ ظاہر کرنا ثابت ہوتا ہے نیز اہل یمن کا ان کی اتباع وتقلید کرنا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اسے قرآن سے نکالتے اگر قرآن میں نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نکالتے اگر سنت رسول سے نہ ملتا تو حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ارشادات سے اخذ کرتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم متفق ہوتے اسے اخذ کرتے فان لم یکن فیه امر برایه اگر وہاں بھی نہ ملتا تو اس معاملے میں اپنی رائے سے کام لیتے۔ (الداری ۳۳)

استخراج مسائل کے سلسلے میں خود امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضیة الصحابه مقدما ما اتفقوا علی مااختلفوا و حینئذٍ اقیس یعنی میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں ...... پھر اس کے بعد احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر...... اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ فیصلہ پر...... اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہیں پھر قیاس کرتا ہوں۔ (الخیرات الحسان)

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ میں مؤذن رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر خواب میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیرانہ سال شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ میرے قلبی اندیشہ پر مطلع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا'' ایں امام تست واہل دیار تو یعنی ابوحنیفه '' یہ تیرا امام ہے اور تیرے اہل وطن کا امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس خواب سے ظاہر ہوا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے تھے جو اوصاف طبع میں فانی اور احکام شرع میں باقی گذرے ہیں۔ یہ حقیقت اس امر سے عیاں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھائے ہوئے ہیں اگر وہ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔ باقی الصفت مخطی بھی ہوسکتا ہے اور مصیب بھی چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اٹھائے ہوئے تھے اس لئے وہ ذاتی صفات کے اعتبار سے فانی الصفت تھے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صاحب بقا تھے۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا نہیں ہوسکتی تو جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم ہو وہ بھی خطا

کے ارتکاب سے محفوظ ہوتا ہے این رمزے لطیف است ۔ (کشف المحجوب ۱۰۱)
شیخ الاتقیاء حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا میں نے عرض کیا این اطلبک قال عند علم ابی حنیفہ میں آپ کو کہاں طلب کروں فرمایا ابو حنیفہ کے علم میں (رحمۃ اللہ علیہ)۔ (کشف المحجوب)

یوں تو ائمہ اربعہ کے چاروں مسالک حق و درست ہیں لیکن فقہ حنفی کو ان میں سب پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز زیر نظر منھا میں رقمطراز ہیں:

اکثر مسائل خلافی میان حنفی وشافعی ازیں قبیل ست کہ ظاہر وصورت مرجح بجانب شافعی است وباطن وحقیقت مؤید مذہب حنفی یعنی حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قبیل سے ہیں کہ ان کا ظاہر اور صورت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب کو ترجیح دینے والی ہے لیکن ان کا باطن وحقیقت مذہب حنفی کی ہی مؤید ہے۔

ائمہ مجتہدین کا اپنے مقلدین کی اعانت کرنا

عالم ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ العزیز میزان میں ائمہ مجتہدین اور صوفیائے کاملین کے مقلدین ومعتقدین کو شفاعت واعانت کا مژدہ سناتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ان الصوفیۃ والفقہاء کلھم یشفعون فی مقلدیھم ویلاحظون احدھم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر ونکیر لہ وعند الحشر والنشر والحساب والصراط ولا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف

الی آخرہ و اذا کان مشائخ الصوفیہ یلاحظون اتباعھم و مریدیھم فی جمیع الاھوال والشدائد فی الدنیا والآخرۃ فکیف بائمۃ المجتہدین وھم ائمۃ المذاھب الذین ھم اوتاد الارض واوتاد الدین وامناء الشارع علی امت فطب نفسایا اخی و قرعینا بتقلید کل امام ماشئت منھم یعنی صوفیائے کرام اور فقہائے عظام اپنے مریدین ومقلدین کی شفاعت کریں گے اور وہ ان میں سے ہر کسی کی جاں کنی کے وقت، منکر نکیر کے سوالات و جوابات کے وقت، حشر ونشر، حساب اور پل صراط سے گذرتے وقت ملاحظہ کریں گے اور کسی مقام پر بھی ان سے غافل نہیں ہونگے۔ جب مشائخ صوفیہ دنیا وآخرت میں تمام مصائب وشدائد میں اپنے متبعین ومریدین کو ملاحظہ کرتے ہیں تو ائمہ مجتہدین اپنے مقلدین ومتبعین کو کیوں ملاحظہ نہیں کریں گے حالانکہ ائمہ مذاہب وہ پاکباز حضرات ہیں جو زمین ودین کے اوتاد ہیں اور امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر حضرت شارع کے امین ہیں فلہذا اے بھائی! خوش ہو جا اور ائمہ کرام میں سے کسی امام کی تقلید سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ (الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ ۸۰)

دوسری صدی کے آخر سے تیسری صدی کے آخر تک ائمہ اربعہ کی فقہ کی تدوین وشیوع ہو چکا تھا اور چوتھی صدی میں ان چاروں اماموں کی فقہوں پر ملت اسلامیہ کا اتفاق ہو گیا تھا فلہذا اب جو چیز ائمہ اربعہ کے مخالف ہو گی وہ اجماع امت کا خلاف ہوگا جیسا کہ امام ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذھب مخالف الاربعۃ لانضباط مذاھبھم وانتشارھا و کثرۃ اتباعھم یعنی ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانے کے ممنوع ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے کہ ان چاروں کے مذاہب ہی منضبط ومدون ہیں اور عام وخاص میں مشہور ہیں اور انکے متبعین کی ہی کثرت ہے۔

(الاشباہ والنظائر ۱۴۳)

مذاہب اربعہ سے خروج گمراہی ہے

حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ کہف واذکر ربك اذانسیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ولا یجوز تقلید ماعدا المذاھب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحدیث الصحیح والایة فالخارج عن المذاھب الاربعة ضال مضل وربما اداہ ذالك لکفر لان الاخذ بظواھر الکتاب والسنة من اصول الکفر یعنی مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ قول صحابہ، حدیث صحیح اور آیت کریمہ کے موافق ہی ہو جوان مذاہب اربعہ سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے کیونکہ کتاب وسنت کے فقط ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔ (تفسیر صاوی)

ادیان عالم میں دین اسلام جس طرح ایک معتدل اور متوسط دین ہے ایسے ہی فرق اسلامیہ میں اہل سنت وجماعت وہ معتدل گروہ ہے جو ہر قسم کی افراط وتفریط سے پاک ہے۔اہل سنت وجماعت کے مذاہب اربعہ میں مجتہدین کی تقلید وہ نقطہ اعتدال ہے جولوگوں کو خواہشات نفسانی، سہولت پسندی، بے احتیاطی، دینی آوارگی اور فکری افتراق وانتشار سے محفوظ رکھتا ہے اور غیر مجتہدین علماء اعلام اور عامۃ المسلمین کو ائمہ مجتہدین کا ممنون احسان اور نیاز مندرکھتا ہے اور غیر مقلدیت اور تلفیق کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی ہے۔اس کی مثال امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لغات سبعہ پر جب باہمی اختلاف ونزاع پیدا ہوا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اتفاق واجماع سے قرآن کریم کی سات لغتوں میں سے صرف لغت قریش اختیار کرنے اور بقیہ سب لغات والے مصاحف کے تلف کرنے کا واقعہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تلفیق کی قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ و باللہ التوفیق

تلفیق

تلفیق کا لفظ لفق سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی شکرے کا شکار پر چھوڑا جانا مگر شکار نہ کرنا، مقصد میں ناکام اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا ملانا وغیرھا کے آتے ہیں۔

اصطلاحاً ایک امام کی اتباع کو دوسرے امام کی اتباع سے جوڑنا ہے ایسے کہ کوئی مقلد شخص محض نفسانی خواہشات اور سہولت کی خاطر کچھ مسائل میں ایک امام کی تقلید کرے، کچھ مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرے اور کچھ مسائل میں تیسرے امام کو پیروکار جانے اور کچھ مسائل میں چوتھے امام کی تحقیقات کو مانے۔ یوں مسائل ملا کر ایک نئے مذہب کا معجون مرکب بنا دے اور وہ کسی بھی امام کے نزدیک پسندیدہ نہ رہے یا ایک عمل میں مختلف مذاہب کو جمع کر دیا جائے اور وہ مجموعی عمل کسی امام کے ہاں بھی درست نہ رہے اسے تلفیق کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں ھو تتبع الرخص عن ھوی یعنی تلفیق نفسانی تقاضوں سے شریعت کی رخصتوں کو تلاش کرنا ہے۔ (قواعد الفقہ ۲۳۴)

جبکہ علامہ عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ان تتبع رخص المذاھب غیر جائز بالاجماع یعنی مذاہب میں رخصتیں تلاش کرنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (مسلم الثبوت)

دراصل تلفیق مذاہب تلاعب فی الدین ہے جو ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے مثل المنافق کمثل الشاۃ العائرۃ بین

الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة یعنی منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ میں جاتی ہے کبھی دوسرے ریوڑ میں۔ (مشکوٰۃ)

دوسری روایت میں ہے:

ان شر الناس ذوالوجهين الذى يأتى هولاء بوجه وهولاء بوجه

یہ امر ذہن نشین رہے کہ مسائل کی دو قسمیں ہیں۔

مسائل متفقه اور مسائل مختلفه

متفق علیہا مسائل میں تو سب ائمہ کا اتباع ہوگا اور مختلف فیہا مسائل میں سب کا اتباع ممکن نہیں لہٰذا کسی ایک امام کی اتباع ہی ہوگی۔

اسی بنا پر فتاویٰ عالمگیری میں ہے حنفی ارتحل الى مذهب الشافعى يعزر یعنی جو حنفی، مذہب شافعی کی طرف منتقل ہوگا اسے تعزیراً سزا دی جائے گی۔

حضرت علامہ احمد حموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان المنتقل من مذهب الى مذهب بالاجتهاد والبرهان اثم فيستوجب التعزير فبلااجتهاد وبرهان اولىٰ یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں اجتہاد و برہان کے ذریعے منتقل ہونے والا گناہ گار ہے اور تعزیر کا مستوجب ہے اجتہاد و برہان کے بغیر کسی دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے والا زیادہ گناہ گار اور تعزیر کا حقدار کیوں نہ ہوگا۔ (شرح اشباہ)

شرح مسلم الثبوت میں ہے:

غير المجتهد المطلق ولو كان عالماً يلزمه التقليد لمجتهد یعنی غیر مجتہد مطلق اگرچہ عالم ہی ہو اس پر مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تلفیق کے متعلق رقمطراز ہیں:

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً یعنی بلاشبہ تلفیق بالاجماع باطل ہے اور ایک مذہب کے مطابق عمل کرنے کے بعد (محض اپنی سہولت کیلئے) اس سے نکلنا بالاتفاق باطل و ناجائز ہے۔ (ردالمحتار ۱/۷۵)

تلفیق کی مثال

کسی حنفی شخص کے وضوء کے بعد چوٹ لگنے سے خون بہہ نکلا اس نے نئے سرے سے وضوء نہیں کیا پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ مس ہو گیا اب اگر اس نے اسی وضوء سے نماز پڑھ لی تو یہ نماز کسی امام کے نزدیک بھی درست نہیں ہو گی۔ عندالاحناف اس لئے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضوء ٹوٹ گیا اور شوافع کے ہاں اس لئے نہیں کہ عورت کو مس کرنے سے اسکا وضوء جاتا رہا فلہٰذا دونوں مذاہب (حنفیہ و شافعیہ) کے نزدیک اس کیلئے اس وضوء سے نماز پڑھنا درست نہیں یہاں مسئلہ کا حکم تو ایک ہے مگر دونوں مذاہب کے اعتبار سے اس کی جہات مختلف ہیں۔

جب اسکا خون بہا اور اس کا وضوء ٹوٹ گیا، اس لئے اسے ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنا چاہئے تھی بلکہ از سرے نو وضوء کرنا چاہئے تھا لیکن وہ حنفی اندر ہی اندر شافعی المسلک ہو گیا تا کہ پہلے وضوء کے ساتھ ہی نماز پڑھ لے کیونکہ وضوء کے بعد خون بہنے سے عندالشوافع وضوء نہیں ٹوٹتا مگر جب اسکا ہاتھ کسی عورت سے چھو گیا تو عندالشوافع اسکا وضوء جاتا رہا کیونکہ شوافع کے ہاں عورت کو چھو لینے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ احناف کے ہاں ہاتھ کے مس کرنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اس لئے اس نے پھر حنفی مسلک اختیار کر لیا یوں اس کا ایک ہی عمل میں مختلف ائمہ کے مذاہب پر آنا جانا تلفیق ہے جو ایک نازیبا حرکت ہے جو محض سہولت پسندی اور نفسانی خواہش ہے جس کی مذمت ارشاد باری تعالیٰ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ سے عیاں ہے۔

یاد رہے کہ کسی مذہب سے اگر کوئی شخص بر بنائے تحقیق نکلتا ہے تو یہ امر ممنوع نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ امام ہمام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن جب کتب حنفیہ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا اور فقہ حنفی کی حقیقت عیاں ہوئی تو شافعی مذہب کو ترک کر کے حنفی مذہب کو اختیار کر لیا فقہائے کرام کے نزدیک یہ تلفیق نہیں تحقیق ہے جو جائز ہے۔

مقلد محقق کا تفرد

اگر کسی محقق کو کسی مسئلہ میں اپنے امام کے قول صریح کے برعکس کوئی حدیث شریف مل جائے یا اپنے امام کے اقوال مختلفہ میں سے کسی مرجوح قول کی مضبوط دلیل نظر آئے یا دوسرے امام کے قول کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہو اور وہ محقق عالم اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث مبارک پر عمل کرے یا قول مرجوح پر عمل کرے یا اپنے امام کے قول کو ترک کر کے جانب مخالف کو اختیار کرے تو اسے اصطلاح میں مقلد محقق کا تفرد کہا جاتا ہے اور اس محقق کو اس طرح تفرد اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ مگر یہ بات مستحضر رہے کہ یہ حق صرف محقق کے علاوہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں ہے اور اسے اس قسم کے تفرد اختیار کر لینے سے اپنے امام کے مذہب سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے گا جیسا کہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی مجددی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ولا یخفی ان ذالك لمن كان اھلاً للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها یعنی یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہ اجازت صرف اسی محقق کو حاصل ہے جو اس پائے کا عالم ہو کہ نصوص میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو اور ان کے محکم اور منسوخ کو پہچانتا ہو۔ (ردالمحتار للشامی ۱/ ٦٧)

حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات در

حضرت پیغمبر آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات و تسلیمات ہوں نے

واقعہ فرمودہ بودند کہ "تو از مجتہدان علم کلامی"

واقعہ میں فرمایا تھا کہ تم علم کلام کے مجتہدین سے ہو ۳

ازان وقت درہر مسئلہ از مسائل کلامیہ این فقیر را

اسی وقت سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی

رائے خاص ست و علم مخصوص در اکثر مسائل خلافیہ

خاص رائے ہے اور مخصوص علم۔ اکثر اختلافی مسائل میں

کہ ماتریدیہ واشاعرہ در آنجا متنازع اند درابتدائے ظہور

جو ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان متنازع ہیں اس مسئلہ کے ابتدائے ظہور

۳ علم کلام کامختصر تعارف

وہ علم ہے کہ جس میں ذات وصفات باری تعالیٰ اور اعتقادات اسلامیہ کے متعلق بحث ہوتی ہے اسے علم عقائد اور فقہ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس فن کی تدوین وترتیب کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس صنف خاص میں تمام معاصرین سے گوئے سبقت لے گئے بعد ازیں علمائے اعلام نے اس میں مزید تحقیقات اور ادیان ضالہ کے شکوک وشبہات کو رفع کر کے اس کی ترویج واشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور فرقہائے باطلہ اور ملل ضالہ کی دسیسہ کاریوں اور دھوکہ دہیوں سے

آن مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم میگردد و
میں حقیقت اشاعرہ کی جانب مفہوم ہوتی ہے اور جب
چوں بنور فراست حدت نظر نمودہ می آید واضح می
نور فراست کے ساتھ باریک بینی سے غور کیا جاتا ہے تو
گردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است درجمیع مسائل
واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے تمام اختلافی

قصر اہل سنت کو متزلزل ہونے سے مصئون و مامون کر دیا اور دین اسلام کے عالیشان محل کو منہدم ہونے سے بچالیا۔ یوں ارشاد باری تعالیٰ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون کے مصداق ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو بکھرنے سے محفوظ کر دیا۔ بقول شاعر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ نور بجھایا نہ جائے گا

جس طرح مسائل عملیہ فرعیہ میں اہل سنت و جماعت کے چار امام ہیں ایسے ہی علم کلام میں فتوح العقائد کے مطابق مسائل اعتقادیہ میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں اشاعرہ اور ماتریدیہ۔ متکلمین اشعریہ (اشاعرہ) کے رئیس امام اہل سنت حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جبکہ متکلمین ماتریدیہ کے امام شیخ الاسلام حضرت امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

گو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علم کلام میں امام المتکلمین حضرت امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر اختلافی مسائل میں علمائے اشاعرہ کی بجائے مشائخ ماتریدیہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں لیکن بارگاہ

خلافیہ کلامیہ رائے این فقیر موافق آرائے علمائے

مسائل کلامیہ میں اس فقیر کی رائے علمائے

ماتریدیہ است والحق کہ این بزرگواران را بواسطہ

ماتریدیہ کی آراء کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو

متابعت سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ

روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام و التحیہ کی پیروی کے واسطہ سے

رسالت مآب علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے آپ علم کلام کی مسند اجتہاد پر فائز المرام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں بربنائے الہام وفراست نہ کہ تقلید و تخمین کے لحاظ سے خاص رائے اور مخصوص علم رکھتے ہیں۔ چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے ایک مثال پیش خدمت ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا بت پرست باشندہ جسے دعوت حق نہیں دی گئی اس کے جنتی اور جہنمی ہونے کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت کا اختلاف ہے۔

علمائے اشاعرہ کا مؤقف

ان کے نزدیک شاھق الجبل صنم پرست دائمی جنتی ہے اگرچہ بت پرست ہے کیونکہ اس تک کوئی دعوت حق نہیں پہنچی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا سے واضح ہے۔

متکلمین ماتریدیہ کا مؤقف

ان کے نزدیک شاھق الجبل بت پرست دائمی جہنمی ہے کیونکہ اس نے شرک

شان عظیم است کہ مخالفان ایشان رابواسطہ خلط
شان عظیم حاصل ہے جو ان کے مخالفین کو فلسفیات میں
فلسفیات آن شان میسر نیست اگرچہ ہردو فریق ازاہل
مشغولیت کی وجہ سے وہ شان میسر نہیں ہے اگرچہ دونوں فریق اہل حق
حق اند از علو شان امام بزرگترین ایں بزرگواران امام
سے ہیں بلندی شان ان بزرگوں کے بزرگ ترین امام

کاارتکاب کیا ہے بنابریں اس پر جنت حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ انــــہ مـن یشرك باللّٰہ فقدحرم اللّٰہ علیه الجنة ومأواہ النار سے عیاں ہے۔

حضرت شیخ ابن العربی کا موقف

ان کے نزدیک روز قیامت کسی پیغمبر کو اس قسم کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جائے گا جس نے دعوت حق کو قبول کرلیا اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جس نے قبول حق سے انکار کیا اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

حضرت امام ربانی کا امتیازی موقف

آپ ارشاد فرماتے ہیں: نـزدایـں فـقـیـر مـسـتـحـسـن نیـسـت، چـہ آخـرت دار جزاست نہ دار تکلیف تابعثت پیغمبرے نمودہ آید

یعنی اس فقیر کے نزدیک یہ مطابقت مستحسن نہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار تکلیف کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا جائے۔ مزید رقمطراز ہیں:

مدت مدید کے بعد عنایت خداوندی جل سلطانہ نے راہنمائی فرمائی اور اس معما

کا حل منکشف فرمایا کہ یہ جماعت (پہاڑوں کے مشرک باشندے) نہ بہشت میں رہے گی نہ دوزخ میں بلکہ دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ان کا حساب و کتاب ہوگا اور ان کے گناہوں کے اندازے کے مطابق انہیں عتاب وعذاب ہوگا اور ادائیگی حقوق کے بعد غیر مکلف حیوانات کی مانند انہیں معدوم مطلق اور لاشئی کر دیا جائے گا فلہذا بہشت میں دائمی ٹھکانہ کس کا ہوگا اور کون دوزخ میں جلے گا۔

آخر میں رقمطراز ہیں کہ

ایں معرفت غریبہ را چوں در محضر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات عرضہ نمودہ شد ہمہ تصدیق آں فرمودند ومقبول داشتند والعلم عنداللہ سبحانہ یعنی اس نادر معرفت کو جب واقعہ یا خواب میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے حضور پیش کیا گیا تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی تصدیق بھی فرمائی اور شرف قبولیت سے بھی نوازا۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۵۹)۔

اجل پیشوائے اکمل ابوحنیفه رضی اللّٰه تعالٰی عنه چه

امام اجل ، پیشوائے اکمل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا لکھے ہے

نویسد که اعلم و اورع واتقائے مجتهدین است چه

جو مجتہدین کے سب سے زیادہ عالم، صاحب ورع اور صاحب تقویٰ ہیں

سراج الامہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

ﷺ آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) کنیت ابوحنیفہ (باعتبار وصفی معنی) اور لقب امام اعظم ہے۔آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں بزمانہ خلافت عبدالملک بن مروان متولد ہوئے۔آپ طویل القامت، گندمی رنگ، خوبرو، باہیبت، خوش لباس، شیریں آواز مگر کم گو شخصیت کے مالک تھے۔آپ فصاحت و بلاغت، دانشمندی، دقیقہ سنجی اور نکتہ شناسی میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ دعائے مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) اور تمنائے مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس یعنی اگر علم ثریا کے پاس بھی ہوا تو ابنائے فارس میں سے ایک جواں مرد اس کو پالے گا۔بقول شاعر

صاحبان جرأت و اقبال کی پیشانیاں
کھینچ لیتی ہیں فلک سے عشق کی تابانیاں

آپ کے متعلق منقول ہے لو وزن عقل ابی حنیفة بعقل نصف اهل الارض لرجح بهم یعنی اگر آدھی دنیا کی عقل کو حضرت امام ابوحنیفہ کی عقل سے وزن کیا جائے تو ان کی عقل کا پلڑا بھاری رہے گا۔

آپ متعدد صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے

چار ہزار اساتذہ تابعین وغیرہم سے علم حاصل کیا جن میں سب سے زیادہ معروف حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ کو امام الاولیاء حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بھی شرف تلمذ وارادت حاصل ہوئی جیسا کہ آپ کے ارشاد گرامی لو لا السنتان لهلك النعمان سے واضح ہے۔آپ چار ہزار احادیث مبارکہ کے راوی ہیں جن میں ۲۱۵ احادیث میں آپ منفرد ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عجباً للناس يقولون انی افتی بالرأی مافتی الا بالاثر یعنی ہمیں لوگوں پر تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتوی دیتا ہوں حالانکہ میں تو آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔(مکتوبات سعیدیہ مکتوب ۹۷)

قال ابو حنيفه اذاجاء الحديث عن النبی صلی الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين وان كان من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم لم نخرج من قولهم وان كان من التابعين زاحمنا هم یعنی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سر آنکھوں پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے ہم باہر نہیں نکلتے اور اگر تابعین (رضی اللہ عنہم) کا قول سامنے آ جائے تو ہم ان میں غور وفکر کرتے ہیں۔(مکتوبات سعیدیہ)

حضرت ابوعبداللہ مروزی حضرت امام کے متعلق فرماتے ہیں هو فی الفقهاء كقطب الرحی عليه يدور امر الفقه وهو فيه بارع الی يوم الدين یعنی امام اعظم رضی اللہ عنہ فقہاء کرام میں ایسے ہیں جیسے چکی کی میخ ،جن پر فقہ کا دارومدار ہے اور آپ روز قیامت تک اس میں یکتا ہیں۔(مکتوبات سعیدیہ)

جب حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آخری حج ادا کیا تو خدام کعبہ نے آپ کیلئے خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیا جہاں آپ تلاوت وعبادت میں مشغول رہے اچانک بحالت نوم ہاتف غیب سے آواز سنائی دی'' يا ابا حنيفة اخلصت خدمتی

واحسنت معرفتی فقد غفرت لك ولمن اتبعك ببركة اخلاصك واحسانك الی قیام الساعة یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابوحنیفہ! تو نے میری (دین اسلام) خدمت اخلاص کے ساتھ کی ہے اور میری معرفت خوب حاصل کی ہے، میں نے تجھے بخشا اور تیرے اخلاص واحسان کی برکت سے ہر اس شخص کو بخشا جو تیری اتباع (تقلید) کرے گا۔ (مکتوبات سعیدیہ)

آپ کو عہدۂ قضاۃ قبول نہ کرنے کی پاداش میں کھانے میں زہر دیا گیا اور سو کوڑے مارے گئے جس کی آپ تاب نہ لا سکے اور ۱۵۰ھ بحالت سجدہ خالق حقیقی سے جا ملے انا للّٰہ وانا الیه راجعون ۔ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ترفع زینة الدنیا سنة خمسین ومأة میں آپ کے وصال باکمال کی طرف ہی اشارہ ہے۔ (مکتوبات سعدیہ) آپ کی نماز جنازہ میں ۵۰ ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ چھ مرتبہ آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تقریباً بیس دن تک لوگ آپ کی قبر پر نماز پڑھتے رہے۔

آپ کی تدفین کے بعد تین، رات تک ندائے غیبی سنی گئی کہ کوئی شخص کہتا ہے

ذهب الفقه فلا فقه لكم فاتقوا اللّٰه وكونوا خلفاً
مات نعمان فمن هذا الذی یحیی اللیل اذا ما سجفاً

یعنی فقہ جاتا رہا اب تمہارے لئے فقہ نہیں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے خلف بنو حضرت امام نعمان انتقال کر گئے تو اب کون ایسا شخص ہے جو شب کو عبادت کرتا ہو جب وہ تاریک ہو جائے۔

منقول ہے کہ خلیفہ منصور حضرت امام پاک کی قبر انور پر گیا اور وہاں نماز پڑھی اور کچھ معذرت خواہ الفاظ بھی کہے بقول شاعر

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

ایک زمانہ کے بعد سلطان ابوسعد خوارزمی نے آپ کی قبر مبارک پر ایک بڑا شاندار قبہ بنوایا اور اس کے متصل ایک جانب مدرسہ جاری کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے علم دوست اور عادل بادشاہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ ھ میں آپ کے روضہ اقدس کی تعمیر کروائی۔ چنانچہ آپ کا مزار پرانوار آدمیہ بغداد میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے ورع وتقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد واستنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز وقاصر ہے اور وہ ان کے اجتہادات کو دقت معانی کے باعث کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں ان کو اور انکے اصحاب کو ''اصحاب رائے'' خیال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت ودرایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم وفراست پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ان (امام ابوحنیفہ) کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرماتے ہیں الفقھاء کلھم عیال ابی حنیفہ (یعنی تمام فقہاء حضرت ابوحنیفہ کی عیال ہیں) ان کم نظر معترضین کی جرأت پر افسوس ہے جو اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور
حاشا للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہء ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنت کی پیروی میں سب سے پیش پیش ہیں حتی کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور اسی طرح صحابہ کرام کے قول کو حضرت

خیرالبشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحابی کے قول کو خواہ وہ حضرت صدیق ہوں یا حضرت امیر (رضی اللہ عنہما) اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے کے موافق عمل کرنا صواب و بہتر جانتے ہیں خواہ وہ صحابی کے قول کے مخالف ہی ہو)۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۳۶) اس کے باوجود مخالفین ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ وہ سب ان کے کمال علم اور ورع وتقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا کرے کہ وہ پیشوائے دین اور اہل اسلام کے سردار کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے "سواد اعظم" کو ایذا نہ دیں۔ یریدون ان یطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم (التوبہ ۳۲) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ بلا تکلف وتعصب کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۵)

مملکت عراق کا مشہور شہر کوفہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خاص نگرانی میں تعمیر و آباد ہوا تھا جہاں جلیل القدر صحابہ کرام اور علمائے اعلام نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے مگر سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جانثار رفقاء واہل بیت کو کربلا (کوفہ) کے جھلستے ہوئے ریگزاروں میں جس سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ خاک وخون میں تڑپایا اور رہی سہی کسر حجاج بن یوسف کے ظلم واستبداد نے نکال دی۔ ان گھناؤنے افعال کے ارتکاب کی وجہ سے کوفہ کی روشن جبیں پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا اور

لوگ کوفہ کو شہر بے وفا کے نام سے پکارنے لگے جو بعد میں ایک نامور بزرگ شخصیت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ایک بار پھر شریعت محمدیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کا مینارۂ نور بن کر ابھرا اور کوفہ پھر علم وعرفان کا فانوس ثابت ہوا یوں خلافت راشدہ کے بعد پیدا ہونے والا خلا پُر ہو گیا۔

آنے والی ہر بڑی حکومت خواہ وہ سلطنت عباسیہ ہو یا سلطنت عثمانیہ یا ہندوستان میں مغل حکومت سب نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدونہ قوانین کو اپنی سلطنت میں رائج کیا۔(والحمدللّٰہ علیٰ ذالک)

شافعي ومالك وچه احمد حنبل امام شافعي مي فرمايد

کیا شافعی و مالک ؒ اور کیا احمد حنبلؒ امام شافعی فرماتے ہیں

امام دارالہجرتین امام مالک رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

ؒ حضرت امام مالک وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے۔ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ امام مالک شکم مادر میں عام معمول کے خلاف تین سال تک رہے ہیں۔

حضرت امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگانِ دین شامل تھے، آپ نے نوسو سے زیادہ مشائخ اور بزرگانِ دین سے علم دین حاصل کیا۔

حضرت امام مالک کا قد مبارک دراز، بدن فربہ اور رنگ سفید مائل بہ زردی تھا۔ آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں ناک بلند اور سر پر برائے نام بال تھے۔ حضرت امام مالک نے ستاسی سال کی عمر گزاری لیکن داڑھی میں خضاب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یمن، مصر اور خراسان کے بنے ہوئے بیش قیمت لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ عام طور پر سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور خوشبو کا خاص اہتمام فرماتے تھے سر پر عمامہ باندھتے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکایا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک کو تحصیل علم کی بے حد لگن تھی زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس کچھ زیادہ مال نہ تھا لیکن کتابوں کا اشتیاق اس قدر تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کیں اور کتابیں خرید لیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر دولت کا دروازہ کھول دیا۔

آپ مدینہ منورہ کے جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھی۔ مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھا کرتے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔آپ نے حرم مدینہ میں کبھی قضائے حاجت نہیں کی۔قضائے حاجت کے لیے تمام عمر حرم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی بھی سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جس شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ ہو اس شہر کی سرزمین کو سواری کے سموں سے روندتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔

امام العشاق حضرت امام مالک انتہائی سادہ اور بے نفس تھے۔ابن مھد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا میں اس کو اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔وہ شخص کہنے لگا میں بڑی دور سے آپ کا نام سن کر مسئلہ معلوم کرنے آیا تھا آپ نے فرمایا جب واپس تم اپنے گھر پہنچو تو بتا دینا کہ مالک نے کہا تھا کہ میں یہ مسئلہ اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔

درس حدیث میں آداب کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ ایک دفعہ دوران درس ایک بچھو کی نیش زنی کے باوجود آپ نے نہ پہلو بدلا نہ سلسلہ روایت ترک کیا اور نہ ہی آپ کے تسلسل کلام میں کچھ فرق واقع ہوا۔بعد میں آپ نے فرمایا میرا اس تکلیف پر اس قدر صبر کرنا کچھ اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے: یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینۃ (جامع ترمذی) یعنی عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔آپ کی حضوری کا یہ عالم تھا فرماتے تھے کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی ہو۔

آپ نے فرمایا:

کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سو حج کرنے سے افضل ہے، کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت امام مالک کا سن وصال مؤرخین کے اتفاق سے ۱۷۹ھ ہے۔

اس وقت امت کے ہاتھوں میں موطاء کے دو نسخے موجود ہیں ایک یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا اور دوسرا امام محمد بن حسن شیبانی کا۔ یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ موطاء امام مالک اور امام محمد کا نسخہ امام محمد کی روایت کے سبب موطاء امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔

امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام نامی احمد بن حنبل، کنیت ابو محمد اور ابو عبداللہ ہے آپ ماہ ربیع الاول میں ۱۶۴ھ بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی آپ پر نجابت و صلاحیت کے آثار اور تقویٰ و طہارت کے انوار نمایاں تھے جنہیں دیکھ کر آپ کے زمانے کے ایک صاحب نظر نے کہا تھا اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔

آپ کی مجلس درس میں سامعین و طالبین کی پانچ پانچ ہزار تعداد ہوا کرتی تھی۔ آپ نے حرمت قرآن کے سلسلہ میں جو تکالیف و مصائب برداشت کئے وہ صاحبان عزیمت کیلئے ابتلاء و امتحان کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ آپ کا جسم مبارک بڑھاپے کی طرف مائل اور نحیف و نزار تھا مگر اعصاب فولاد کی مانند مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے زیادہ مستحکم تھی۔ خلق قرآن کے انکار و اصرار پر آپ کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے...... ۲۸ ہفتے آپ کو قید کیا گیا...... اور ہزار کوڑے مارے گئے مگر آپ نے قرآن کو مخلوق نہ کہا...... بلکہ ہر کوڑے پر آپ فرماتے اعطونی شیئا من

کتاب الله وسنة رسوله حتی اقول به یعنی میرے سامنے قرآن وسنت سے دلیل پیش کرو تا کہ میں اسے مان لوں۔ اسی اثناء میں آپ کا ازار بند کھل گیا اتنے میں ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آپ کا ازار بند باندھ دیا۔ جب لوگوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا۔

اگر کوئی شخص معاملات کی بابت سوال کرتا تو آپ جواب ارشاد فرما دیتے اور اگر حقائق کے متعلق استفسار کیا جاتا تو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کا حکم فرما دیتے چنانچہ کسی نے آپ سے پوچھا ماالا خلاص قال الاخلاص هو الخلاص من افات الاعمال یعنی اخلاص کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا اخلاص اعمال کا ریاکاری، شہرت، فریب اور غرض پرستی سے پاک ہونا ہے۔ جب محبت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو جب تک وہ بقید حیات ہیں میں جواب نہیں دونگا۔

آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جان، جان آفریں کے سپرد کر دی آپ کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتوں نے شرکت کی۔

الفقهاء كلهم عيال ابی حنیفة منقول ست که امام شافعی

تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں منقول ہے کہ امام شافعی کے جب

چون بزیارت قبر امام اعظم می رفت ترك اجتهاد خود

امام اعظم کی قبر کی زیارت کو جاتے اپنے اجتہاد کو ترک

میکرد و برائے خود عمل نمی نمود و می گفت که شرم

کر دیتے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے

امام ہمام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

کے آپ کا اسم گرامی محمد بن ادریس ہے آپ رجب میں غزہ یا عسقلان کے مقام پر ۱۵۰ھ میں متولد ہوئے اسی روز سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ساتویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ تبع تابعین میں سے ہیں اس لئے آپ کا زمانہ علم وعرفان کے عروج کا دور ہے۔ جب آپ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرف تلمذ کیلئے حاضر ہوئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے قلب میں ایک نور ہے معاصی سے اسے ضائع نہ کرنا تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا ایک دن آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے آپ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں تین سال سے زائد عرصہ رہے۔ حضرت امام محمد نے اپنا سارا مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالے کر دیں جن کے مطالعہ سے متاثر ہو کر آپ نے کہا کہ جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان پر کشادہ کر دی ہیں۔

می آید که درحضور ایشان عمل برائے خود بکنم که
کہ میں ان کی بارگاہ میں اپنی رائے پر عمل کروں جو
مخالف رائے ایشان باشد ترک قرأت فاتحه خلف الامام
ان کی رائے کے مخالف ہو فاتحہ خلف الامام کی قرأت
می نمود وقنوت درفجر نمی خواند آرے بزرگی شان ابی
ترک کر دیتے اور فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے ہاں ابوحنیفہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اللھم اهد قریشا فان عالمها یملا طبق الارض یعنی اے اللہ! قریش کو ہدایت دے بلاشبہ قریش کا ایک عالم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں کہ کسی شیخ طریقت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حدیث ہے کہ روئے زمین پر مختلف درجات کے نیک لوگ ہیں اوتاد، اولیاء، ابرار۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راوی نے تجھے صحیح خبر دی ہے۔ شیخ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں ان میں سے کسی ایک کو دیکھنا چاہتا ہوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن ادریس یکے از ایشان ست یعنی محمد بن ادریس شافعی ان میں سے ایک ہیں۔

آپ اپنے اصحاب وتلامذہ کی ایک جماعت چھوڑ کر ماہ رجب کے اواخر میں جمعہ کی شب بعمر ۵۴ سال ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا مزار مبارک مصر کے شہر قرافۃ میں ہے۔

حنیفه را شافعی داند فردا که حضرت عیسیٰ علی نبینا و
کی شان کی بزرگی کو شافعی جانے کل جب حضرت عیسیٰ ؑ ہمارے نبی اور
علیه الصلوٰة والسلام نزول فرماید بمذہب ابی حنیفه
ان پر درود و سلام ہو نزول فرمائیں گے ابوحنیفہ کے مذہب پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف

؎ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے اور اولوالعزم رسول ہیں ان کی پیدائش ایک معجزہ اور خدا کی قدرت کا عظیم اظہار ہے۔ عالم شیر خوارگی میں ہی اپنی عبدیت اور نبوت کا اعلان فرمایا۔ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی آمد کی نوید جانفزا سنائی۔ بنی اسرائیل نے جب انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو حق تعالیٰ نے ان سے بشری علائق کو سلب فرما کر زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اب قرب قیامت دمشق کی جامع مسجد میں صبح کے وقت نزول فرمائیں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز فجر ادا فرمائیں گے...... دجال کی پیٹھ میں نیزہ مار کر اسے واصل جہنم کریں گے...... صلیب توڑیں گے...... خنزیر کو قتل کریں گے...... جتنے غیر مسلم ہوں گے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیں گے...... روئے زمین پر صرف دین اسلام ہی ہوگا جیسا کہ نزول عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ویهلك اللّٰه تعالٰی فی زمانه الملل كلها الا الاسلام (ابوداؤد ۲/ ۲۳۸) سے واضح ہے۔ امن و آشتی کا ایسا دور دورہ ہوگا کہ بچے

سانپ سے کھیلیں گے، شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے اور کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ آپ نکاح بھی فرمائیں گے، اولاد امجاد بھی ہوگی، چالیس برس دنیا میں جلوہ افروز رہنے کے بعد آپ کا وصال ہوگا۔ تجہیز و تکفین کے بعد مسلمان نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کریں گے اور گنبد خضریٰ کے نیچے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔

عمل خواہد کرد چنانکه خواجه محمد پارسا قدس سره‘
عمل کریں گے چنانچہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ 9
در فصول سته سی فرماید و ہمیں بزرگی ایشان را کافی
فصول ستہ میں فرماتے ہیں یہی بزرگی ان کی کافی ہے کہ
ست کہ پیغمبر اولوالعزم بمذہب او عمل نماید صد
اولوالعزم پیغمبر ان کے مذہب پر عمل کرے دوسری سو

9 فردالافراد خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود حافظ بخاری ہے۔ امام الطریقہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ پہلی مرتبہ جب آپ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور در دولت پر دستک دی، اتفاقاً اسی وقت ایک خادمہ باہر سے اندر آئی تو حضرت خواجہ نے اس سے دریافت کیا کہ باہر کون ہے؟ خادمہ نے عرض کیا ایک شخص متقی و پارسا صورت کھڑا ہے، آپ نے فرمایا وہ حقیقت میں ''پارسا'' ہے اس کے بعد آپ کا نام ہی ''پارسا'' مشہور ہو گیا۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ وہ حق اور امانت جو خواجگان سے اس فقیر کو پہنچی ہے اور جو کچھ میں نے اس راہ میں کسب سے حاصل کیا ہے وہ تمہارے سپرد کرتا ہوں اس کو قبول کر کے مخلوق خدا تک پہنچائیں۔ آپ نے تواضع وانکساری کے ساتھ قبول کر لیا۔ خواجہ بلاگردان حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ العزیز نے ایک موقعہ پر آپ کو صفت برخ عطا فرمائی۔ حضرت برخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہالسلام کے زمانہ مبارک کے ایک ولی تھے جیسے خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی

بزرگی دیگر را باین بزرگی عدیل نمی توان یافت

بزرگی کو اس بزرگی کے ساتھ برابری نہیں ہو سکتی ہمارے

حضرت خواجه ما می فرمودند قدس سره' که چند گاه

حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی کچھ

من ہم خلف امام قرأت فاتحه می نمودم آخر الامر شبے

عرصہ امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت کرتا رہا ہوں بالاخر میں نے

امام اعظم را در خواب دیدم که قصیده غرا در مدح خود

امام اعظم کو ایک شب خواب میں دیکھا کہ اپنی مدح میں شاندار قصیدہ

رضی اللہ عنہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ میں سے ہیں سابقہ امتوں میں برخ اس جماعت کیلئے مستقل تھا جو بلا زبانی تعلیم کے محض صحبت سے یا کبھی بغیر صحبت کے معارف حقیقی کو باہمی ہم نشینی سے حاصل کرتے تھے انہیں برخیاں کہا جاتا تھا جبکہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں اس قسم کے لوگوں کو اویسی کہا جاتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ ابو نصر پارسا رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے وصال باکمال کے وقت میں موجود نہ تھا جب میں حاضر ہوا اور دیدار کیلئے آپ کے چہرۂ انور کو کھولا آپ نے آنکھ کھولی اور مسکرائے جس سے میرا قلق واضطراب اور بڑھ گیا اور جب میں نے اپنے منہ کو آپ کے مبارک قدموں سے ملا تو آپ نے پاؤں مبارک اوپر کو کھینچ لئے۔

آپ نے علوم و معارف پر مشتمل اکیس کتابیں تصنیف فرمائیں فصل الخطاب لوصل الاحباب ،فصول ستہ اور رسالہ قدسیہ آپ کی مشہور زمانہ تصانیف ہیں۔

می خواند و این مضمون مستفاد می گردد که چندین
پڑھ رہے ہیں اس مضمون سے مستفاد ہو رہا تھا کہ بہت سے
اولیا در مذہب من بوده اند ازان وقت ترک قرأت فاتحه
اولیاء میرے مذہب میں ہوئے ہیں اس وقت سے میں نے فاتحہ
خلف امام نمودم
خلف امام کی قرأت کو ترک کر دیا۔

حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ العزیز آپ کے متعلق ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر محمد پارسا پیری شروع کر دے تو سارا عالم ان سے روشن ہو جائے، مگر آپ نسبت فردیت کے غلبہ کے باعث اس کی طرف مشغول نہ ہو سکے۔

آخر کار بروز بدھ ۲۳ ذی الحجہ ۸۲۲ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مِنها-۲۹

گاہ باشد کہ کاملے ناقصے را اجازت تعلیم طریقت می

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقت کی

کند ودر ضمن اجتماع مریدان آں ناقص کار آن ناقص

اجازت عطا فرما دیتا ہے[1] اور اس ناقص کے مریدوں کے اجتماع

با تمام می رسد حضرت خواجہ نقشبند مولانا یعقوب

کے ضمن میں اس ناقص کا کام تکمیل تک پہنچ جاتا ہے حضرت خواجہ نقشبند

چرخی علیہ الرحمہ را پیش از وصول بدرجۂ کمال

نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ کو درجہ کمال تک

اجازت تعلیم طریقت فرمودہ بودند و گفتہ بودند کہ اے

رسائی سے قبل ہی تعلیم طریقت کی اجازت فرما دی تھی اور

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ بعض اوقات شیخ کامل مکمل اپنے کسی صاحب استعداد، ذکر وفکر میں مصروف ومشغول مرید کو لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں تا کہ دوسروں کی تعلیم وتربیت کے دوران اس ناقص کی بھی تکمیل ہو جائے۔ اس قسم کے من وجہ ناقص اور من وجہ کامل مرید کو خلیفہ مقید کہا جاتا ہے جبکہ تکمیل سلوک کے بعد صوفیائے کاملین

یعقوب آنچه ازمن بتورسیده است بمردم برسان و کار

کہا تھا کہ اے یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے پہنچا ہے لوگوں تک پہنچا دو اور

مولانا بعدازان درخدمت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس

مولانا کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ

سرہ' سرانجام یافت لہذا خدمت مولانا عبدالرحمن

کی خدمت میں سر انجام پایا اس لئے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی

جامی در نفحات مولانا را اول از مریدان خواجہ علاء الدین

نفحات میں مولانا کو پہلے خواجہ علاؤ الدین عطار کے

اسے خلافت مطلقہ عطا فرما دیتے ہیں۔ یہاں خلیفہ مقید کیلئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی تحریر فرمودہ شرائط وقیود کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طالبان طریقت کو تنبیہہ وآگاہی حاصل ہو جائے، چنانچہ بہ قدرے تغیر یسیر ہدیہ قارئین ہے ملاحظہ ہو:

اگر کوئی طالب ومرید آپ کے پاس ارادت کے ساتھ آئے اور مشغول رہنے کا ارادہ ظاہر کرے تو اسے شیر ببر کی مانند سمجھنا چاہئے اور اسے طریقہ سکھانے میں بہت تامل کرنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے مبادا اس امر میں پیر کیلئے استدراج مطلوب اور خرابی منظور ہو۔ اگر بالفرض کسی مرید کا آنا خوشی وسرور کا باعث ہو تو اس کو کفر وشرک کی مانند برا سمجھنا چاہئے اور اس کا تدارک استغفار وندامت کے ذریعے اس حد تک کرنا چاہئے کہ فرحت وسرور کا اثر بالکل زائل ہو جائے بلکہ خوشی کی بجائے غم وخوف قلب پر مستولی ہو جائے اور اس بارے میں التجاء وتضرع کا طریق اختیار کر کے چند مرتبہ استخارہ کرنا چاہئے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہئے یا نہیں

عطار می شمرد ثانیاً بخواجه نقشبند نسبت می کند۔

مریدوں میں شمار کرتے ہیں ثانیاً خواجہ نقشبند کے ساتھ نسبت کرتے ہیں

وازیں قبیل است کاملے مرید را کہ استعداد یک درجہ

اور یہ اسی قبیل سے ہے کہ کوئی کامل ایسے مرید کو جو درجات

از درجات ولایت دارد بعد از حصول آں درجہ آں مرید را

ولایت میں سے ایک درجہ کی استعداد رکھتا ہے اس درجہ کے حصول کے

اجازت تعلیم طریقت می کند وآں مرید من وجہ کامل

بعد مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دے دیتا ہے اور وہ مرید من وجہ

ست ومن وجہ ناقص و ہمچنیں ست حال مریدیکہ

کامل ہے اور من وجہ ناقص اور یہی حال ہے اس مرید کا

اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی واستدراج مراد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا حق تعالیٰ کے اذن واجازت کے بغیر جائز نہیں۔ آیہ کریمہ لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم اسی معنی پر دال ہے تاکہ کل روز قیامت ہر قسم کی جوابدہی اور باز پرس سے محفوظ رہ سکیں۔ مرید کے مال میں طمع اور دنیوی منافع کی توقع ہر گز نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ ایسا کام مرید کی ہدایت میں رکاوٹ اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے ہاں خالص دین کا مطالبہ ہے الا للہ الدین الخالص اس کی بارگاہ قدس جل سلطانہ میں شرک کی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۷۱، ۲۲۲ وغیرہا)

استعداد دودرجه یا سه درجه از درجات ولایت دارد من

جو درجات ولایت میں سے دو درجے یا تین درجے استعداد رکھتا ہے

وجه کامل ست ومن وجه ناقص چه پیش ازرسیدن

وہ من وجہ کامل ہے اور من وجہ ناقص کیونکہ

بنهایت النهایت همه درجات ازیك وجه كمال دارد و

نہایت النہایت تک رسائی سے پہلے تمام درجات ایک قسم کا کمال رکھتے ہیں

صوفیائے طریقت تلقین وارشاد کی مسند کیلئے صاحب تزکیہ ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک خلیفہ کی دو قسمیں ہیں

خلیفہ مقید اور خلیفہ مطلق

خلیفہ مقید

وہ خلیفہ ہوتا ہے جس کے بعض لطائف فنا پذیر ہوں لیکن ابھی کامل طور پر تزکیہ نفس نہ ہوا ہو۔ایسے سالک کیلئے ضروری ہے کہ عمل ارشاد جاری رکھے لیکن وساوس کے پیش نظر کثرت استغفار سے کام لیتا رہے اور استخارہ کے ذریعے بھی رہنمائی حاصل کرتا رہے تا آنکہ معاملہ مقام رضا تک پہنچ جائے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱)

خلیفہ مطلق

وہ خلیفہ ہوتا ہے جو تزکیہ نفس اور لطائف کی فنا کے بعد نفسانی اور شیطانی تسلط سے محفوظ ہو جائے لازماً اس کے اعمال مرضی حق تعالیٰ میں گم ہو جاتے ہیں اور اس کا عمل وعظ وارشاد بھی رضا میں داخل ہوتا ہے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱)

واضح رہے کہ خلیفہ مطلق ہی اپنے شیخ مکرم کے سجادہ کا وارث، اس کے جملہ

ازیک وجہ دیگر نقص مع ذالک شیخ کامل او را بعد از

اور دوسری وجہ سے ناقص اس کے ساتھ ساتھ شیخ کامل (اسے) اس کی

حصول مرتبۂ استعدادی او اجازت تعلیم طریقت می

استعداد کے مرتبہ کے حصول کے بعد تعلیم طریقت کی

کند پس اجازت موقوف بر کمال مطلق نشد باید

اجازت دے دیتا ہے پس اجازت کمال مطلق پر موقوف نہیں ہے۔

تبرکات کا مستحق، اس کا قائم مقام اور جانشین ہوتا ہے اور مرید کو اپنے نام کا شجرہ دے سکتا ہے جبکہ خلیفہ مقید بطریق سفارت اور بر سبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہے اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے اور اپنے شیخ کے نام کا ہی شجرہ دیتا ہے، اسے اپنے نام کا شجرہ دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ (ماخوذ سر دلبراں ۱۵۹)

حضرت مولانا عبدالرحمان جامی قدس سرہٗ العزیز کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی نورالدین عبدالرحمان بن احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی نظام الدین احمد تھا۔ آپ ایران میں علاقہ خراسان کے قصبۂ جام محلہ خرجرد میں ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ کو پیدا ہوئے۔ طریقت میں آپ کے پہلے شیخ سعدالدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ تھے (جو حضرت مولانا نظام الدین خموش رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شیخ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت شاہ نقشبند بہاؤالدین اویسی بخاری قدس سرہٗ کے جانشین وخلیفہ تھے) حضرت شیخ سعدالدین کاشغری کے وصال کے بعد آپ سلسلہ نقشبندیہ کے غوث الاعظم

دانست کہ نقص ہر چند منافی اجازت ست اما چوں

جاننا چاہئے کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے لیکن جب

کامل مکمل ناقص را نائب خود می سازد و دست او

کامل مکمل ناقص کو اپنا نائب بنا لیتا ہے اس کے ہاتھ کو

حضرت خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرار قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ نے متعدد مشائخ سے فیض حاصل کیا لیکن تکمیل حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ نے مسند مشیخیت پر رونق افروز ہوکر مدرسوں اور خانقاہوں کا وسیع نظام قائم کیا تھا۔ آپ کے خلفاء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ ضیاء الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مودود لاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسین واعظ کاشفی وغیرہم کے اسماء نقل کیے گئے ہیں مگر افسوس کہ صفوی سلطنت کے پہلے متعصب شیعہ حکمران اسماعیل صفوی نے (آپ کے وصال سے سات سال بعد) علماء و مشائخ اہلسنت کا قتل عام شروع کردیا۔ اس کے ہاتھوں ہزاروں علماء و صوفیاء نے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کے اکثر خلفاء اور شاگرد علماء اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور کچھ ترک وطن کر کے روم، مصر، شام اور سمرقند وغیرھا کی طرف چلے گئے، جن کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ آپ کی قائم کردہ مسجدیں، دینی مدرسے اور خانقاہیں بھی منہدم کردی گئیں یہاں تک کہ آپ کے مزار کو بھی منہدم کردیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے کسی خلیفہ سے سلسلہ نقشبندیہ کی نشر و اشاعت کیلئے کام نہ ہوسکا۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اکیاسی سال عمر پائی اور اٹھارہ محرم بروز جمعۃ المبارک ۸۹۸ھ میں علم و فضل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا انا للّٰہ وانا الیہ رجعون ۔ آپ کی مرقد انور ہرات میں ہے۔ (شرح مکتوبات مکتوب ۱۱ جلد اول)

را دست خود می داند ضرر نقص تعدی نمی نماید۔

اپنا ہاتھ جانتا ہے تو نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوتا۔ [۲]

واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلہا

اور اللہ سبحانہ تمام امور کے حقائق کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔

[۲] یہاں ایک شبہ کا ازالہ فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ جب کوئی شیخ کامل مکمل کسی ناقص مرید کو خلافت مقیدہ عطا فرما کر اسے لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت واذن مرحمت فرما دیتا ہے تو مریدین کے ناقص شیخ کے ہاتھوں بیعت ہونے کی وجہ سے ان کی استعدادوں میں نقص سرایت کر جائے گا بنا بریں ان کے ذوق میں کمی اور طلب میں فتور آئے گا جس سے ان مریدین کی منزل کھوٹی ہو جائے گی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ جب شیخ کامل مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بنا کر اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہہ دیتا ہے تو اس نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوتا جیسا کہ امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہُ العزیز نے خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہُ العزیز کو خلافت مقیدہ سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ

''تمہارا ہاتھ میرا ہاتھ ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا''

واضح رہے کہ حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہُ العزیز نے حضور شاہ نقشبند بخاری قدس سرہُ العزیز کے وصال باکمال کے بعد ان کے جانشین مکرم قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہُ العزیز کی خدمت اقدس میں رہ کر سلوک کی تکمیل فرمائی تھی۔

خواجہء خواجگان خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ العزیز کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد یعقوب اور والد ماجد کا نام نامی عثمان تھا۔ آپ ۷۶۲ ھ موضع چرخ غزنی (افغانستان) کے مضافات میں متولد ہوئے، آپ کے والد بزرگوار ایک پاکباز، صوفی منش عالم دین تھے۔ ان کے تقویٰ و عزیمت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے چونکہ پانی یتیم کے پیالہ میں تھا اس لئے نہ پیا۔ جب آپ خواجہ جہاں بلاگرداں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں درخواست گزار ہوئے کہ آپ ازراہ کرم مجھے اپنے حلقہء ارادت میں شامل فرما کر اپنی غلامی میں قبول فرمائیں تو حضور شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا:

''ہم مامور ہیں ہم خود کسی کو قبول نہیں کرتے آج رات دیکھیں گے کہ کیا اشارہ ہوتا ہے اسی پر ہی عمل کیا جائے گا اور اگر انہوں نے تجھے قبول کیا تو ہم بھی قبول کر لیں گے''

یہ رات آپ پر بڑی بھاری تھی آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ شاید حضرت خواجہ مجھے قبول نہ فرمائیں۔ اگلے روز آپ نے نماز فجر حضرت خواجہ کے ساتھ ادا کی، بعد نماز حضرت خواجہ نے آپ کو مخاطب ہو کر فرمایا'' مبارک ہو کہ اشارہ قبول کرنے کا آیا ہے۔ ہم کسی کو قبول نہیں کرتے اور اگر قبول کریں تو دیر سے کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کوئی کس نیت سے آتا ہے اور کس وقت آتا ہے''۔

جب حضور شاہ نقشبند قدس سرہ العزیز کا وصال ہو گیا تو آپ کو خیال آیا کہ درویشوں کے کسی دوسرے گروہ سے جا ملیں اور ان کے طریقہ میں مشغول ہو جائیں پھر آپ نے روحانی عالم میں حضرت خواجہ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں

قال زید بن الحارثہ "الدین واحد" یعنی فرمایا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہ دین ایک ہی ہے اس سے آپ سمجھ گئے کہ اجازت نہیں ہے۔

قطب الابرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہُ العزیز جب آپ کی خدمت اقدس میں حلقہء ارادت میں شامل ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کی طرف بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بیعت کرو۔ چونکہ آپ کی پیشانی مبارک پر کچھ سفیدی مشابہ برص (داغ ودھبے) تھے جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی طبیعت آپ کے ہاتھ مبارک پکڑنے کی طرف مائل نہ ہوئی۔ آپ بفراست ایمانی ان کی کراہت کو جان گئے اور جلد ہی اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا اور بطریق خلع ولبس اپنی صورت تبدیل کر کے ایسی صورت میں ظاہر ہوئے جسے دیکھ کر وہ بے خود ہوگئے آپ نے دوسری مرتبہ اپنا ہاتھ مبارک آگے بڑھایا اور فرمایا کہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ تیرا ہاتھ...... میرا ہاتھ ہے، جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے ہمارا ہاتھ پکڑا فلہٰذا خواجہ نقشبند کا ہاتھ پکڑلو...... انہوں نے بلا توقف آپ کا ہاتھ مبارک پکڑلیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو رخصت کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا ترا بخدا سپر دیم ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا کیونکہ حدیث میں ہے:

ان اللّٰہ تعالٰی اذا استودع شئی حفظہ یعنی جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے کردی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں حضور شاہ نقشبند قدس سرہُ الصمد سے عرض کیا کہ روز قیامت کس عمل کی برکت سے آپ کا قرب حاصل کروں؟...... تو ارشاد فرمایا ''تشرع سے'' یعنی شریعت پر عمل کرنے سے۔

گو آپ حضور شاہ نقشبند رحمۃ اللہ سے صاحب مجاز تھے مگر آپ کی تکمیل سلوک جانشین شاہ نقشبند حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ نے ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ بمقام مضاف حصار علاقہ ماوراء النہر (تاجکستان) میں جان جان آفرین کے سپرد کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

یادداشت عبارت از دوام حضور حضرت ذات ست تعالیٰ

یادداشت حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے دوام حضور سے عبارت ہے[1]

و تقدس و این معنی گاہ است کہ مرارباب قلوب را نیز

اور یہ معنی کبھی ارباب قلوب کو بھی متخیل ہو جاتا ہے

متخیل شود بواسطہ جامعیت قلب زیرا کہ ہرچہ در

جامعیت قلب کی وساطت سے کیونکہ جو کچھ انسان کی

کلیت انسان ست درقلب تنہا نیز ثابت ست ہر چند

کلیت میں ہے تنہا اکیلے قلب میں بھی ثابت ہے اگرچہ

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اصطلاحات نقشبندیہ میں سے ایک معروف اصطلاح طریقت ''یادداشت'' کے مدارج ثلاثہ کا تذکرہ فرمار ہے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یادداشت کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے و باللّٰہ التوفیق

یادداشت

اس سے مراد سالک کا ذات بے چون و بے چگون حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف بغیر ملاحظہ الفاظ و خیال کے متوجہ رہنا ہے بقول شاعر

دارم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال
در دل ز تو آرزو و در دیدہ خیال

بعض مشائخ کے نزدیک یادداشت حفظ القلب علی شھود تجلّی الذات سے عبارت ہے اور بعض نے فرمایا: حضور القلب مع اللّٰہ تعالٰی علی الدوام فی کل حال سے کنایہ ہے۔ امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند اویسی بخاری قدس سرہُ العزیز کے نزدیک یادداشت سے مراد ذکر نہیں بلکہ دوامِ حضور و آ گاہی علیٰ سبیل الذوق ہے۔ غرضیکہ یادداشت عارف کے قلب پر استیلائے شہودِ حق بتوسطِ حب ذاتی ہو جائے اور وہ ہر حال میں بہ سبیل ذوق ذات کے ساتھ محو اور متوجہ رہے یہ مقام، مرتبہ حقیقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس میں حجابات شیونیہ اور حجابات اعتباریہ مرتفع ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ انتہائی مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر عارفین نقشبندیہ تجلی ذاتی دائمی سے شادکام ہوتے ہیں جبکہ دیگر مشائخ نے تجلی ذاتی برقی کو نہایت النہایت قرار دیا ہے اسی بنا پر حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو تمام نسبتوں سے بالاتر قرار دیا ہے ان نسبتنا فوق جمیع النسب یہ وہ دولت قصویٰ ہے جو فنائے اتم اور بقائے اکمل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اللھم ارزقنا ایاھا بقول شاعر

یاد داشت حاصل شود بعد از فنا
بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

حضرات خواجگان نقشبندیہ رحمۃ اللّٰہ علیہم اجمعین کے ہاں یادداشت کو نسبت حضور و آ گاہی، حضور ذاتی دائمی اور دوامِ حضور مع اللّٰہ بلا غیبوبۃ بھی کہا جاتا ہے اور یہ مقام عارفین کو ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے مرتبے میں حاصل ہوتا ہے فلہٰذا اگر کوئی صوفی و سالک اس مرتبہ کا خواہشمند ہے تو اس پر حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی کامل محبت و متابعت اختیار کرنا لازم ہے نیز وہ سنت و شریعت کی پابندی کا خوب اہتمام کرے

کیونکہ یہ مقام عزیز الوجود اور کمیاب و نادر ہے۔

واضح رہے کہ یادداشت اور عالم خواب (نیند جو سراسر غفلت ہے) کے درمیان اہل طریقت نے یوں تطبیق بیان فرمائی ہے کہ

عامۃ الناس سراپا غفلت ہوتے ہیں کیونکہ ان کا باطن، ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ اور الگ نہیں ہوتا اس لئے ان کی غفلت ظاہری، غفلت باطنی کا موجب ہوتی ہے جبکہ عرفائے کاملین کا باطن ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ اور گسستہ (جدا) ہوتا ہے بنابریں ان کی غفلت ظاہری ان کے باطن میں سرایت نہیں کرتی۔ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور خواب، حضور بیداری سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ محبوبوں و معشوقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب محبّ و عاشق کو اپنی طرف ملتفت و متوجہ دیکھتے ہیں تو کنارہ کشی کرتے ہیں اور جب عاشق کو اپنی طرف سے غافل پاتے ہیں تو خود کو آشکارا اور نمایاں کرتے ہیں۔ بقول شاعر

پری رو تاب مہجوری ندارد
چو در بندے ز کلکین سر بر آرد

کسی شاعر نے بزبان اردو اس مفہوم کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے

عشق کا ذوقِ تماشا مفت میں بدنام ہے
حسن خود بے تاب ہے جلوہ دکھانے کیلئے

یادداشت اور یاد کرد میں فرق

یاد کرد اور یادداشت میں فرق یہ ہے کہ یاد کرد میں کبھی غیبت اور کبھی حضور ہوتا ہے بلکہ غیبت زیادہ اور حضور کم ہوتا ہے اور یادداشت میں حضور ذات، دائمی ہوتا

ہے اور اسی کو تجلی ذاتی دائمی کہتے ہیں جبکہ یاد کرد تجلی ذاتی برقی سے عبارت ہے۔ در حقیقت تجلی برقی، تجلی ذاتی نہیں کیونکہ تجلی ذاتی جب ظہور کرتی ہے پھر کبھی غائب نہیں ہوتی اور تجلی برقی کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ اکابر مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کی خاص نسبت تجلی ذاتی دائمی ہے لیکن دوسرے مشائخ نے تجلی ذاتی برقی کو نہایت النہایت قرار دیا ہے اسی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو تمام نسبتوں سے بالاتر قرار دیا ہے۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۷ جلد اول)

فرق اجمال وتفصیل ست پس درمرتبہ قلب نیز حضور

اجمال اور تفصیل کا فرق ہے پس مرتبہء قلب میں بھی

ذات تعالٰی و تقدس برسبیل دوام میسر شود اما این معنی

ذات تعالٰی و تقدس کا حضور بر سبیل دوام میسر ہوتا ہے [1] لیکن یہ معنی

صورت یادداشت است نہ حقیقت یاد داشت واندراج

یادداشت کی صورت ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت اندراج

نہایت دربدایت تواند بود کہ بایں صورت یادداشت ست

نہایت در بدایت سے ہو سکتا ہے کہ یہی صورت یادداشت ہو

اشارت فرمودہ باشند و حصول حقیقت یادداشت بعداز

مشائخ نے جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حقیقت یادداشت کا حصول

تزکیہ نفس و تصفیہ قلب ست لیکن اگر مراد از حضرت

تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد ہے لیکن اگر حضرت

ذات مرتبہ وجوب داشتہ شود کہ ذات دراں مرتبہ جامع

ذات سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے کہ اس مرتبہ میں ذات،

یادداشت کے تین معانی

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز یادداشت کے معنی اول کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ بعض اوقات اہل قلوب کو بھی قلبی جمعیت کی وجہ سے دوام حضور محسوس و میسر ہوتا ہے جو یادداشت کی صورت واجمال ہے یادداشت کی حقیقت نہیں کیونکہ

صفات وجوبیه است پس حصول یادداشت بمجرد رسیدن

صفات وجوبیہ کی جامع ہے پس یادداشت کا حصول اس مرتبہ کے

بشہود این مرتبه بعد از طیّ جمیع مراتب امکانی صورت

شہود تک محض رسائی سے تمام امکانی مراتب کے طے کر لینے کے بعد

می بندد ودرتجلیات صفاتی نیز این معنی متحقق می

صورت باندھتا ہے اور صفاتی تجلیات میں بھی یہ معنی متحقق ہو جاتا ہے

شود که ملاحظه صفات درین تقدیر منافی حضور حضرت

کیونکہ صفات کا ملاحظہ اس صورت میں حضرت

ذات تعالٰی نیست واگر مراد از حضرت ذات تعالٰی

ذات تعالٰی کے حضور کے منافی نہیں ہے اور اگر حضرت ذات تعالٰی سے مراد

مرتبۂ احدیت مجرده داشته شود که معرّا است از اسماء

احدیت مجردہ کا مرتبہ لیا جائے جو معرا ہے اسماء و

حقیقت یادداشت تو تصفیہ باطن اور تزکیہ ٔ نفس کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ممکن ہے حضرت خواجہ ٔ بزرگ شاہ نقشبند اویسی بخاری قدس سرہ العزیز نے اسی صورتِ یادداشت کو اندراج النہایہ فی البدایہ فرمایا ہو۔

وصفات ونسب و اعتبارات پس حصول یادداشت بعد

صفات اور نسبتوں اور اعتبارات سے پس یادداشت کا

ازطےّ جمیع مراتب اسمائی وصفاتی ونسبی واعتباری

حصول بعد طے کرنے تمام اسمائی ، صفاتی، نسبی اور اعتباری

متصور شود واین فقیر ہرجا کہ بیان کردہ است یادداشت

مراتب کے متصور ہوتا ہے [1] اور اس فقیر نے جہاں کہیں بیان فرمایا ہے

را بمعنی آخر فرود آوردہ ہر چند اطلاق حضوردراں

یادداشت کا آخری معنی لیے ہیں اگرچہ حضور کا اطلاق

مرتبہ ملایم نیست **کمالا یخفیٰ علیٰ** اربابہ چہ او از حضور

اس مرتبہ میں مناسب نہیں ہے جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں

وغیبت بلنداست اطلاق حضور را ملاحظہ صفتے از

کیونکہ وہ حضور اور غیبت سے بلند ہے حضور کے اطلاق کو صفات میں سے

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز یادداشت کے معنی دوم کا ذکر فرمارہے ہیں جس میں ذاتِ حق سبحانہ اپنے اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات سمیت مراد ہے جس کا حصول سالکین طریقت کو مراتب امکانیہ طے کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے اوراس مرتبہ میں سالکین کو ذات کے علاوہ صفات واعتبارات وغیرہا کا بھی شہود وحضور ہوتا ہے فلہٰذا اس مرتبہ میں توحید عیانی میسر نہیں ہوتی۔

صفات در کارست آنچه مناسب لفظ حضور ست تفسیر

کسی صفت کا ملاحظہ درکار ہے وہ جو لفظ حضور کے مناسب ہے۔ یادداشت

یادداشت بمعنی ثانی است وبرین تقدیر یادداشت را

کی تفسیر معنی ثانی میں ہے اس لحاظ سے یادداشت کو

نہایت گفتن باعتبار شہود وحضور ست کہ فوق این

نہایت کہنا شہود اور حضور کے اعتبار سے ہے [1] کیونکہ

[1] یہاں یادداشت کا معنی سوم بیان فرمایا گیا ہے......جس میں عرفائے کاملین کو حجب شیونی اور حجب اعتباراتی پھاڑ کر احدیت مجردہ کے ساتھ وصل عریانی نصیب ہوجاتا ہے اور یہی حقیقت یادداشت ہے جس سے حضرات نقشبندیہ شادم کام و بامراد و ممتاز ہوتے ہیں۔ والحمدللہ علی ذالک

مرتبہ شہود وحضور را گنجایش نیست یا حیرت ست

اس مرتبہ سے فوق شہود و حضور کی گنجائش نہیں ہے یا حیرت ہے

یا جہل یا معرفت نہ آں معرفت کہ تو آں رامعرفت

یا جہل یا معرفت ۵ وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت

دانی کہ آں معرفت تو معرفت افعالی ست وصفاتی و

جانتے ہو کیونکہ تیری وہ معرفت افعالی اور صفاتی معرفت ہے اور

ایں مقام فوق معرفت اسماء و صفات ست بچندیں مراحل

یہ مقام اسماء و صفات کی معرفت سے فوق ہے کتنے ہی مرحلے

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید البشر وعلیٰ آلہ الاطہر .

اور درود و سلام ہو سید البشر پر اور آپ کی آل اطہر پر۔

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ حقیقت یادداشت کے حصول کے بعد عارف پر حیرت وجہل کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ۔حیرت وجہل سے مراد اشیائے کائنات سے لاتعلقی اور بے خبری ہے۔ جب کثرتِ ذکر اور فرطِ محبت کے غلبے سے عارف اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدے میں ڈوب جاتا ہے اور محبوب کے سوا سب کچھ اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور مرتبہء احدیت میں محو ہو کر تجلی اسم ھو کا مشاہدہ کرتے ہوئے انکشاف حقیقت پر ہکا بکا رہ جاتا ہے تو اسی حالت کو حیرت وجہل کہا جاتا ہے لیکن یہ حیرت وجہل محمود ہے نہ کہ مذموم ۔ اسی کو صوفیائے کرام فنائے مطلق ،مرتبہء جمع اور ادراکِ بسیط بھی کہتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۶ جلد اول)

اسی کو حقیقی معرفت کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشادگرامی ہے العجز عن درك الادراك ادراك فسبحان من لم يجعل للخلق اليه سبيلاً الا بالعجز عن معرفته (مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم) یعنی ادراک معرفت سے عاجز ہونا ہی اس کی معرفت کا ادراک ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عجز کے سوا اپنی مخلوق کیلئے کوئی رستہ نہیں بنایا۔

منہا-۳۱

تمامی ایں طریق و وصول بنہایت النہایت مربوط

اس راہ کی تتمیم اور نہایت النہایت تک وصول، مشہور

بطے مقامات عشرہ مشہورہ است کہ اولش توبہ است

مقامات عشرہ طے کرنے کے ساتھ مربوط ہے [1] کہ ان میں پہلا مقام توبہ ہے

وآخرش رضا ہیچ مقامے درمراتب کمال فوق مقام

اور ان کا آخری مقام رضا ہے۔ کوئی مقام مراتب کمال میں مقام

رضا متصور نیست حتی کہ رویت اخروی نیز و

رضا سے بالا متصور نہیں ہے حتی کہ رؤیت اخروی بھی

حقیقت مقام رضا کما ینبغی درآخرت ظہور خواہد

مقام رضا کی حقیقت جیسا کہ چاہئے آخرت میں ظاہر ہو گی

تکمیل سلوک کا انحصار مقامات عشرہ پر ہے

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ راہ سلوک کی تکمیل کا انحصار مقامات عشرہ پر ہے۔ ان مقامات میں سے پہلا مقام توبہ ہے اور سب سے آخری اور افضل مقام رضا ہے یہاں تک کہ جنت میں دیدار خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ دیگر مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا کیونکہ ان کا

یافت و حصول مقامات دیگر در آخرت متصور نیست

دیگر مقامات کا حصول آخرت میں متصور نہیں ہے

توبہ آنجا معنی ندارد و زہد گنجایش ندارد و توکل

توبہ وہاں کوئی معنی نہیں رکھتی اور زہد کی گنجائش نہیں، توکل

صورت نہ بندد و صبر احتمال ندارد آرے شکر ہرچند

کی کوئی صورت نہیں بنتی ، صبر کا احتمال نہیں ہاں شکر اگرچہ

درآنجا متحقق ست اما آں شکراز شعب رضاست نہ

وہاں متحقق ہے لیکن وہ شکر رضا کی شاخوں میں سے ہے

امر مباین از رضا اگر پرسند کہ درکامل مکمل گاہ

نہ کہ رضا سے جدا کوئی امر اگر دریافت کریں کہ کامل مکمل میں

ہست کہ رغبتے دردنیا مفہوم میگردد و منافی توکل

کبھی ہوتا ہے کہ اس سے دنیا کی طرف کوئی رغبت مفہوم ہوتی ہے اور توکل

چیز ہا دیدہ می شود و بے طاقتی کہ منافی صبر ست

کے منافی کئی چیزیں دیکھی جاتی ہیں اور بے طاقتی جو صبر کے منافی ہے

تعلق عالم شہادت کے ساتھ ہے عالم آخرت کے ساتھ نہیں البتہ مقام شکر جو کہ مقام رضا کا ایک شعبہ ہے وہ اہل جنت کو ضرور حاصل ہوگا تا کہ مزید انعامات واکرامات وعنایات سے مالا مال ہوسکیں جیسا کہ آیہ کریمہ لئن شکرتم لازیدنکم سے عیاں ہے۔ (مقامات عشرہ کی تفصیلات سعادت العباد جلد اول منہا ۱۰ میں ملاحظہ فرمائیں)

مشہود می گردد و کراہت کہ ضد رضاست یافتہ می
مشہود ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے
شود وجہِ آں چہ باشد؟درجواب گویم کہ حصول ایں
اس کی وجہ کیا ہے [2] جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان
مقامات مخصوص بقلب وروح ست ونسبت باخص
مقامات کا حصول، قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے اخص خواص
خواص ایں مقامات درنفس مطمئنہ نیز حصولے می
کی نسبت یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں

[2] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ایک سوال کا جواب مرحمت فرما رہے ہیں کہ بعض اوقات شیخ کامل مکمل (جس نے مقامات عشرہ کی تحصیل اور راہ سلوک کی تکمیل کرلی ہوتی ہے) سے بھی ان مقامات کے برخلاف عادات قبیحہ اور افعال ناپسندیدہ کا اظہار ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مقامات کا تعلق قالب اور جسم انسانی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ قلب وروح کے ساتھ ہے البتہ ان مقامات کے حصول سے جسم انسانی میں پائی جانے والی ردی عادات وافعال کی شدت وصولت ٹوٹ جاتی ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہُ العزیز کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی جعفر بن یونس اور کنیت ابوبکر ہے آپ کا وطن مصر تھا مگر آپ بغداد میں آکر مقیم ہوگئے تھے۔ آپ حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچ کر تائب ہوئے اور سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست

یابد اما قالب ازین معنی خالی و بے نصیب است ہر

لیکن قالب اس معنی سے خالی اور بے نصیب ہے

چند از صولت و شدت می ماند شخصے از شبلی

اگرچہ تیزی اور شدت ماند پڑ جاتی ہے کسی شخص نے شیخ شبلی

پرسید کہ تو دعوائے محبت می کنی واین فربہئ

سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ فربہی تو

تومنافی محبت است شبلی درجواب اواین شعر خواند

محبت کے منافی ہے شیخ شبلی نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

پر بیعت ہوئے، آپ زبردست عالم دین اور فقیہ تھے۔ آپ امام دار الھجرہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور موطا امام مالک آپ کو حفظ تھی۔ معاملات طریقت میں آپ کے اشارات نہایت لطیف وعمدہ ہیں۔ آپ آیۂ کریمہ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم (اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم) اہل ایمان کو فرما دیجئے! کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں کی تفسیر میں فرماتے ہیں ابصار الرؤس عن المحارم وابصار القلوب عن ماسوی اللہ یعنی سر کی آنکھوں کو حرام چیزوں سے محفوظ رکھو اور دل کی آنکھوں کو ماسوی اللہ کے خیال سے بچاؤ۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کسی شخص کے قلب سے شہوت کا ارادہ نہ نکال دے سر کی آنکھ اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی

آپ نے ایک دفعہ عہد کر لیا کہ سوائے حلال کے کچھ نہیں کھاؤں گا چنانچہ آپ جنگل میں انجیر کے درخت کے پاس سے گذرے اور انجیر توڑ کر کھانا چاہا تو ندا آئی کہ

احب قلبی وما دریٰ بدنی

میرے قلب نے محبت کی لیکن میرا بدن بے خبر رہا

ولو دریٰ ما اقام فی السمن

اگر اسے خبر ہوتی تو فربہ نہ ہوتا

پس منافیٔ آں مقامات اگر در قالب کاملے ظہور کند

پس ان مقامات کے منافی اگر کسی کامل کے قلب میں کچھ ظہور کرے

ضرر ندارد حصول آں مقامات نسبت بباطن آں بزرگ

تو ضرر نہیں دیتا ان مقامات کا حصول اس بزرگ کے باطن کی نسبت

شبلی مجھے مت کھاؤ اپنے عہد کا پاس کرو، میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔ جان لیوا مرض کے دوران اپنے خادم حضرت بکیر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مجھے وضو کراؤ۔ خادم دوران وضوء داڑھی مبارک کا خلال کرانا بھول گئے اس وقت آپ کی زبان بند ہو چکی تھی تو آپ نے خادم کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلیوں سے اپنی داڑھی کا خلال فرمایا۔ کسی شیخ طریقت کا یہ قول ہے کہ اس شخص کے مراتب کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس سے آخر وقت بھی شریعت کا کوئی ادب فوت نہیں ہوا۔

غالباً اسی بنا پر آپ کے مرشد و مربی مقنن قوانین طریقت حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز آپ کو قوم صوفیہ کا تاج کہتے تھے۔

آپ ہر نماز کے بعد لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم کے بعد صلی اللّٰہ علیک یا محمد تین بار پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ

ودرغیر کامل نقائص آں مقامات در کلیت ظہور می
اور غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص کلیت میں ظہور کرتے ہیں
کنند بباطن وظاہر راغب دنیا میگردد و منافیٔ توکل
باطن اور ظاہر دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور توکل کے منافی
صورت وحقیقت او را شامل می شود وبقلب وقالب بے
اس کی صورت اور حقیقت کو شامل ہو جاتی ہے اور قلب اور قالب میں
طاقتی واضطرار ظہورمی نماید، وبروح وبدن کراہت
بے طاقتی اور اضطرار ظاہر ہونے لگتا ہے اور روح اور بدن میں کراہت
ظاہر میگردد ہمیں چیز ہا ست کہ حضرت حق
ظاہر ہونے لگتی ہے یہی چیزیں ہیں کہ حضرت حق

کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

آپ پر اکثر سکر کا غلبہ رہتا تھا آخر عمر میں اس خیال سے کہ نہ معلوم کب پیغام اجل آجائے لاالہ الااللہ کی بجائے صرف اللہ کہنے لگے تھے۔

آپ نے ۲۷ ذی الحج ۳۳۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک بغداد میں ہے۔

سبحانہ وتعالٰی قباب اولیائے خودساختہ است واکثر

سبحانہ و تعالٰی نے اپنے اولیاء کے حجاب بنایا ہے [3] اور اکثر

مردم را از کمالات ایں بزرگواراں محروم داشتہ ودر

لوگوں کو ان بزرگواروں کے کمالات سے محروم رکھا ان

ابقائے آں چیز ہا در اولیاء حکمتے است غامض وآن

چیزوں کے اولیاء میں باقی رکھنے میں کوئی دقیق حکمت ہے اور وہ حق

عدم امتیاز حقست از باطل کہ ازلوازم ایں دارست

کا باطل سے عدم امتیاز ہے جو اس دار دنیا کے لوازم سے ہے

صوفیائے کاملین میں نقائص باقی رکھنے کی حکمتیں

[3] یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ عامۃ الناس اور ناقصین میں ان مقامات عشرہ کے برعکس نقائص وعیوب ان کی کلیت ومجموعی حیثیت اور ظاہر وباطن میں سرایت کئے ہوتے ہیں جبکہ صوفیائے کاملین کے بطون مقدسہ ان نقائص سے پاک ہو جاتے ہیں تاہم ان کے اجسام مبارکہ میں ان عیوب ونقائص کے باقی رکھنے میں دو حکمتیں کارفرما ہوتی ہے۔

حکمت اولٰی

یہ ہے کہ عامۃ الناس کو ان اولیائے کاملین کے کمالات سے محروم رکھنا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی اولیائی تحت قبائی لایعرفھم سوائی سے عیاں ہے تاکہ حق وباطل میں التباس رہے یوں لوگوں کیلئے ابتلاء وآزمائش کا سلسلہ جاری رہے

کہ محل ابتلا است وحکمت دیگر درابقائے ایں اشیاء

جو آزمائش کا محل ہے اور دوسری حکمت اولیاء میں ان چیزوں

دراولیاء اگرچہ بحسب صورت باشد ترقی ایشان

کے ابقاء کی اگرچہ صورت کے لحاظ سے ہو ان کی ترقی

ست اگرایں اشیا ازاولیاء بالکل مرفوع شود راہ ترقی

ہے۔ اگر یہ چیزیں اولیاء سے بالکل مرفوع ہو جائیں تو ترقی کا

مسدود میگردد ودر رنگ ملك محبوس می مانند۔

راستہ مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی مانند محبوس ہو جائیں

والسلام علٰی من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفٰے علیه

اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور التزام کرے متابعت مصطفٰے کا

تاہم اہل بصیرت جواسیس القلوب ہونے اور ولی را ولی می شناسد کے مصداق ان صوفیائے کاملین کے بطون میں بھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب ہمیں خاندان قادریہ کا کشف ہوتا ہے تو حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ العزیز کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری قدس سرہٗ العزیز جیسا بزرگ نظر نہیں آتا"۔

حکمت ثانیہ

ان عادات ردیہ کے باقی رکھنے کی یہ ہے کہ جب کبھی ان صوفیائے کاملین سے کسی فعل شنیع کا صدور اور خلق قبیح کا ظہور ہو جاتا ہے تو یہ حضرات اس پر سخت نادم و

وعلٰی الہٖ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا

آپ پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوات وتسلیمات ہوں

پشیمان ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کے حضور توبہ وانابت کرتے ہیں، آہ وگریہ اور الحاح و زاری کرتے ہیں تو بارگاہ قدس جل سلطانہ سے پردہ پوشی وعفو کا مژدہ پاتے ہیں، یوں ان اہل اللہ کے لئے نوید مغفرت اور بلندی درجات کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ اگر عادت قبیحہ کا ان سے بالکل ہی ارتفاع ہو جائے تو ملائکہ کرام کی مانند ان کی راہ ارتقاء مسدود ہو کر رہ جائے جیسا کہ آیہ کریمہ و ما منا الا له مقام معلوم سے عیاں ہے۔

منہا-۳۲

الٰہی چیست اینکہ اولیائے خود را کردی کہ باطن ایشاں

الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے اولیاء کی بابت کر دیا ہے کہ ان کا باطن خضر کا

زلال خضرست ہر کہ قطرہ ازاں چشید حیات ابدی

آب حیات ہے[1] جس نے اس سے قطرہ چکھ لیا اس نے ابدی حیات

یافت و ظاہر ایشاں سم قاتل ہر کہ بآن نگریست بموت

پا لی اور ان کا ظاہر زہر قاتل ہے جس نے اسے دیکھا موت ابدی

حصول فیض کیلئے اہل اللہ کی نیاز مندی لازم ہے

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اہل اللہ کے ظاہر و باطن کے درمیان امتیاز کا تذکرہ فرما رہے ہیں کیونکہ اہل اللہ محجوبین کے لئے دریائے نیل کی مانند باعث بلیات ہیں اور محبوبین کے لئے آبِ حیات کہ ان اہل اللہ کا ظاہر سم قاتل اور باعث زحمت ہے جبکہ ان کا باطن حیات بخش اور موجب رحمت ہے۔ ظاہر بین شخص کیلئے اہل اللہ کی دید باعث ہلاکت ہے اور دیدۂ بینا کے لئے ان کی زیارت باعث نجات ہے۔ اسی لئے عامۃ المسلمین کیلئے بالعموم اور سالکین طریقت کیلئے بالخصوص یہ تلقین و تاکید فرمائی گئی کہ اہل اللہ کا ہمیشہ نیاز مند ہی رہنا چاہئے اور خستہ دلی کے ساتھ ان کے حضور حاضر ہونا چاہئے کیونکہ شکستہ دلی ہی قابل توجہ اور لائق التفات ہوتی ہے

جیسا کہ آیہ کریمہ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء سے عیاں ہے۔ حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا

دست اشکستہ بر آور در دعا
سوئے اشکستہ پرد فضل خدا
شکر کن مر شاکراں را بندہ باش
پیش ایشاں مردہ شو پایندہ باش
خاک شو مردان حق را زیر پا
خاک بر سر کن حسد را ہم چو ما

ابدی گرفتار آمد ایشانند کہ باطن ایشاں رحمت ست

میں گرفتار ہو گیا۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ ان کا باطن رحمت ہے ؎

وظاہر شاں زحمت باطن بین ایشاں از ایشاں ست و

اور ان کا ظاہر زحمت۔ ان کا باطن دیکھنے والا انہیں سے ہے اور

ظاہر بین ایشاں از بد کیشاں بصورت جو نما اند و

ان کا ظاہر دیکھنے والا بدکیشوں سے ہے بصورت جَو دکھانے

بحقیقت گندم بخش بظاہر از عوام بشر اند و بباطن از

والے ہیں بحقیقت گندم عطا فرمانے والے۔ بظاہر عوام بشر ہیں اور باطن میں

خواص ملک بصورت بر زمین اند و بمعنی بر فلک جلیس

خاص فرشتوں سے، بظاہر زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔

ایشاں از شقاوت رستہ است وانیس ایشاں بسعادت

ان کا ہم مجلس شقاوت سے بچا ہوا اور ان کا مونس سعادت سے ہمکنار

پیوستہ **اولٓئک حزب اللّٰہ الا ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون**

ہے یہی لوگ حزب اللّٰہ ہیں خبردار یقیناً حزب اللّٰہ ہی فلاح پانے والا ہے

؎ ان سطور میں اہل اللّٰہ کی عظمت اور ان کی صحبت کے برکات وفوائد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ دراصل علمائے راسخین اور عرفائے کاملین بظاہر باہمہ اور بباطن بے ہمہ ہوتے ہیں۔ ان کی بے داغ سیرت اور دل آویز شخصیت کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ان کی طرف دور و نزدیک سے کھچے چلے آتے ہیں۔ ان کے فرمودات عالیہ اور انفاس قدسیہ

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و الہ وسلم

اور اللہ تعالیٰ ہمارے آقا محمد پر اور آپ کی آل پر درود وسلام نازل فرمائے۔

کی بدولت لوگوں کا تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس ہوتا ہے یوں ان کے صحبت یافتہ، سعادت کونین اور فلاح دارین سے مالا مال ہوتے ہیں اسی گروہ کو حزب اللہ کہا جاتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ اولئك حزب اللّٰه الاان حزب اللّٰه هم المفلحون سے عیاں ہے۔

مِنہا-۳۳

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اولیاء اللہ را بر نہجے مستور

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو اس انداز سے مستور

ساختہ است کہ ظاہر ایشاں از کمالات باطن ایشان

کر رکھا ہے[1] کہ ان کا ظاہر ان کے باطنی کمالات کی خبر

خبر ندارد فکیف ما عدائے ایشان باطن ایشان رانسبتے

نہیں رکھتا تو کیسے خبر ہو گی ان کے سوا کو ان کے باطن کو

[1] اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اولیاء اللہ کی پوشیدگی کا سبب بیان فرما رہے ہیں۔ دراصل حق تعالیٰ نے اہل اللہ کے صفائے باطن کی وجہ سے ان کے بطون کو ان کے لطائف عالم امر کی طہارت و لطافت اور بے چون و بے چگون کے ساتھ رنگین ہونے کی بنا پر صورت بشریت اور اپنی قبائے قدرت میں پوشیدہ رکھا ہے جیسا کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی سے عیاں ہے تاکہ ان کی صورت بشریت ان کے باطنی و حقیقی کمالات کی پردہ پوش ہو جائے اور یہ پردہ پوشی لباس کے جسم انسانی کو چھپانے کی مانند ہے نیز ہر کس و ناکس ان کے باطنی کمالات سے آگاہ نہ ہو اور یہ پردہ پوشی اس قدر زائد ہوتی ہے کہ ان اہل اللہ کے ظاہر کو بھی ان کے باطن کی اطلاع نہیں ہوتی۔ جب اولیائے کاملین کے باطن پر ان کے ظاہر کو بھی آگاہی نصیب نہیں ہوتی تو عامۃ الناس کیسے مطلع ہو سکتے ہیں؟۔

کہ بمرتبۂ بیچونی وبیچگونی حاصل گشتہ است نیز

بیچونی اور بے چگونی کے مرتبہ سے ایسی نسبت حاصل ہو گئی ہے [1]

بے چون ست و باطن ایشاں چوں از عالم امرست نیز

کہ وہ بھی بے چون ہے اور ان کا باطن جو عالم امر سے ہے

نصیبے از بیچونی دارد و ظاہر کہ سراسرچون ست حقیقت

وہ بھی بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے اس کی حقیقت

آں را چہ دریابد بلکہ نزدیک ست کہ از نفس حصول آں

کو کیا دریافت کر سکتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس نسبت کے نفس حصول کا

نسبت انکار نماید **بغایۃ الجھل وعدم المناسبۃ** وتواند

انکار کر دے بوجہ غایت جہالت اور عدم مناسبت کے اور

بود کہ نفس حصول نسبت را داند اما نداند کہ متعلق

ہو سکتا ہے کہ نفس حصول نسبت کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ صوفیائے کاملین کے بطون کو بے چونی اور بے چگونی کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے تو ظاہر اس کیساتھ عدم مناسبت کی بنا پر اس کا انکار بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہ نسبت جملہ نسبتوں سے بالاتر ہے جیسا کہ ان نسبتنا فوق جميع النسب سے واضح ہے بلکہ ظاہر تو رہا درکنار باطن بھی اس نسبت کے آگے مغلوب ہونے کی وجہ سے عجز وجہل وحیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مزید براں جب صاحب نسبت ہی مغلوب ہے تو دوسرے اس نسبت سے کیونکر آگاہ ہوں؟۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

آن کیست بلکه بسا است که نفی متعلق حقیقی او

کیا ہے بلکہ اکثر ایسا ہے کہ اس متعلق حقیقی کی نفی کر دے

نماید و کل ذالک لعلوّ تلک النسبة ودنو الظاهر وباطن خود

یہ سب کچھ اس نسبت کی بلندی اور ظاہر کی پستی کی وجہ سے ہے اور باطن

مغلوب آن نسبت ست و از دید ودانش رفته است

اس نسبت سے خود مغلوب ہے اور دید و دانش سے گذرا ہوا ہے

چه داند که چه دارد و بکه دارد پس ناچار غیر از عجز از

وہ کیا جانے کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے پس لامحالہ

معرفت بمعرفت راه نباشد لهٰذا صدیق اکبر رضی

معرفت سے عجز کے سوا معرفت کی طرف رستہ نہیں اسی لئے صدیق اکبر

الله تعالیٰ عنه فرمود " العجز عن درک الادراک ادراک

رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادراک کے درک سے عجز ہی ادراک ہے۔

نفس ادراك عبارت از نسبت خاصه است که عجز از

نفس ادراک نسبت خاصہ سے عبارت ہے کہ جس کے ادراک

ادراك آن لازم ست لان صاحب الادراک مغلوب لایعلم

سے عجز لازم ہے کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہے جو اپنے ادراک کو نہیں جانتا

ادراکه وغیره لایعلم حاله کما مرّ

تو دوسرے لوگ اس کے حال سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔

منہا-۳۴

شخصے بود درلباس صوفیان کہ ببدعت اعتقادی مبتلا

ایک شخص صوفیہ کے لباس میں بدعت اعتقادی میں مبتلا

بود این فقیر درحق او تردد داشت اتفاقاً می بینم کہ انبیاء

تھا یہ فقیر اس کے متعلق تردد رکھتا تھا اتفاقا دیکھتا ہوں کہ انبیاء

اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز بدعت اعتقادی کے مضرات و نقصانات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بدعت کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے اور بدعت کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کا موقف بھی واضح ہوجائے۔وباللہ التوفیق

بدعت

لغت میں بدعت اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے مذہب میں نئی رسم کو بھی بدعت کہتے ہیں (المنجد) فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی علائی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ھی الامر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابۃ والتابعون ولم یکن مما اقتضاہ الدلیل الشرعی یعنی بدعت اس نئی چیز کو کہا جاتا ہے جس پر نہ صحابہ کرام وتابعین عظام (رضی اللہ عنہم) کا تعامل ہو اور نہ ہی اس پر دلیل شرعی قائم

صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہم باجمعہم جمع اند
ان سب پر اللہ تعالٰی کے صلوات و تسلیمات ہوں جمع ہیں
وہمہ بزبان واحد می فرمایند درحق آن شخص کہ "لیس
اور تمام بیک زبان ہو کر اس شخص کے حق میں فرما رہے ہیں کہ وہ

ہو۔(کتاب التعریفات)

حضرت حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه یعنی بدعت سے مراد وہ نئی اشیاء ہیں جن کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دلالت کرے۔ (جامع العلوم والحکم ۲/۱۲۷)

مذکورہ مفہوم درج ذیل ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے ثابت ہے من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهورد یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۷)

اس حدیث پاک میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ "ماليس منه" کی قید لگا کر واضح کر دیا کہ جو چیز دین سے نہ ہو بلکہ خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

اسی ارشاد گرامی کے پیش نظر امام ہمام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول منقول ہے المحدثات ضربان مااحدث مخالفاً كتابا او سنة او اثرا او اجماعا فهذه بدعة ضلالة وما احدث من الخير لايخالف شيئاً من ذالك فهذه محدثة غير مذمومة یعنی وہ نئے امور (نئی باتیں) جو قرآن یا سنت یا اثر یا اجماع کے مخالف ہوں، بدعت ضلالت ہیں اور جو امور خیر کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بلکہ محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔ (فتح الباری ۱/۳۰۲)

منا" درین اثنا بخاطر رسید کہ از شخص دیگر کہ فقیر در
ہم میں سے نہیں ہے اسی اثناء میں دل میں ایک دوسرے شخص کا خیال آیا کہ فقیر اس
حق او متردد بود استفسار نماید درمادہ اوفرمودند " کان
کے متعلق بھی متردد تھا دریافت کرلوں اس کے بارے میں فرماتے ہیں وہ ہم میں سے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثات مذمومہ اور بدعات ضلالہ سے اجتناب کرنے اور سنت پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے

فانہ من یعیش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت اختلاف دیکھے گا لہٰذا تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے، اسی کو تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رکھو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نو پیدا امور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا شدہ باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ابوداؤد ۲/۲۷۹)

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

آپ "کل بدعۃ ضلالۃ" (ابوداؤد) کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔ آپ

منا" نعوذ بالله سبحانه من سوء الاعتقاد ومن طعن انبیائه الامجاد

ہے ہم اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں برے اعتقاد اور اس کے بزرگ انبیاء پر طعن سے۔

کے نزدیک "کل محدثة بدعة" (ابوداؤد) عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب وسنت) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

۞...... حضرت خواجہ مفتی عبدالرحمٰن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

"گفته اند که بدعت بردو نوع است حسنه وسیئه ......"

"این فقیر درہیچ بدعت ازین بدعتها حسن ونورا نیت مشاہده نمی کند وجز ظلمت وکدورت احساس نمی نماید...... سیدالبشر می فرماید علیه وعلی اٰله الصلوٰت والتسلیمات **من احدث فی امرنا هٰذا مالیس منه فهورد** "چیز یکه مردود باشد حسن از کجا پیدا کند" (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

ترجمہ: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن ونورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت وکدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو چیز مردود ہوگئی اس میں حسن کیسا؟۔

آپ علیہ الرحمہ ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نورسنت سنیّه راعلی صاحبها الصلوٰة والسلام والتحیة ظلماتِ بدعتها مستور ساخته اند و رونقِ ملت مصطفویه را علی مصدرها الصلوٰة والسلام والتحیة کدورات امور محدثه ضائع

گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آن محدثات را امورِ مستحسنہ میدانند وآن بدعتہا را حسنات می انگارند وتکمیل دین وتتمیم ملت ازان حسنات می جویند ودراتیان آن امور ترغیبات می نمایند **ھداھم اللہ سبحانہ سواء الصراط** مگر نمی دانند کہ دین پیش ازین محد ثات کامل شدہ بود ونعمت تمام گشتہ ورضاء حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بحصول پیوستہ **کماقال اللہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم** ......(الخ) پس کمال دین ازین محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے این کریمہ ۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کی تاریکیوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفویہ علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی رونق کوان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کردیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اوران کو نیکیاں سمجھتی ہے اوران کے ذریعے سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل ومکمل ہو چکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہو چکی ہیں اور اسکی رضا ان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا''۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ یوں فرماتے ہیں کہ

گذشتگان دربدعت حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد

آنرا مستحسن داشته اند امّا این فقیر درین مسئله بایشاں موافقت ندارد وہیچ فرد بدعت راحسنه نمیداند و جز ظلمت و کدورت دراں احساس نمی نماید **قال علیه وعلیٰ اٰله الصلوٰة والسلام" کل بدعة ضلالة"** ومی یابد که درین غربت وضعف اسلام سلامتی منوط باتیان سنت ست وخرابی مربوط بتحصیل بدعت ہربدعت که باشد بدعت را در رنگ کلند میداند که ہدم بنیاد اسلام می نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشان می یابد که درشب دیجور ضلالت ہدایت می فرماید علمائے وقت راحق سبحانه وتعالیٰ توفیق دہاد که بحسن ہیچ بدعت لب نکشایند وباتیان ہیچ بدعت فتوٰی ندہند اگرچه آن بدعت درنظر شان در رنگ فلق صبح روشن درآید چه تسویلات شیطان رادرماورائے سنت سلطان عظیم ست۔ (دفتر دوم مکتوب ۲۳)

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کوانہوں نے مستحسن قراردیا۔ یہ فقیران سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فرد بدعت کو" حسنہ "نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت وکدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی، سنت سے اور خرابی، بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، وہ بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے

کہ کسی بدعت کے حسنہ ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگر چہ وہ بدعت ان کی نظر میں ''فلق صبح'' کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی مکر کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز بدعت کی تقسیم کو قبول نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ جو ہے ہی بدعت، اس میں حسن کیسا......؟، لہٰذا آپ بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ اسے سنت ہی قرار دیتے ہیں اور بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو ''کل بدعة ضلا لة'' کے تحت رکھتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

آپ کے اس موقف پر جن لوگوں نے اعتراض وانکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کے مرتبہ وعلوشان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں

۱...... حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز' مستحب' واجب وغیرھا قرار دیا اور علمی موشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید وتعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲...... آپ مشاہدہ ویقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت وولایت سے اس تقسیم کی نفی فرمارہے

تھے۔ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول وفعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی حسن و جمال نظر نہ آتا۔ عشق و محبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳...... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ''کل بدعة ضلالة'' میں لفظ **بدعة** کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ''کل محدثة بدعة'' میں لفظ '**محدثة**' کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر '' **محدثة** '' کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴...... حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے مجدد اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنہ کی مطلق نفی فرمانا سد الباب کے قبیل سے ہے تا کہ عوام بدعت حسنہ کا سہارا لے کر **بدعت ضلالہ** میں نہ پھنس جائیں لہٰذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ سرے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵...... **بدعت حسنہ** اور **بدعت ضلالہ** میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم، تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا تا کہ اس کی آڑ میں اہل ہوس، دین میں فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ علماء سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا، جن کے بارے میں آپ نے یوں نشاندہی فرمائی۔

''اکثر علماء این وقت رواج دہند ہائے بدعت اندومحو کنندہائے سنت ....مردم رابدعت دلالت می نمایند''

(دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: یعنی اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں ...... یہ علمائے دین، آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور بدعت کو شرعاً جائز بلکہ مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں۔

۶...... آپ مجتہد ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسند اجتہاد کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "تو از مجتہدان علم کلامی" (دفتر اول مکتوب ۲۶۶) اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ کا انکار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہہ کرتے ہوئے حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حضور مجدد رضی اللہ عنہ کا ترک رفع سبابہ بناء براجتہاد ہے" (کلمات طیبات فارسی ۲۹)

۷...... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول "نعمت البدعة ھذہٖ" (مشکوٰۃ ۱۱۵) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ دور فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام ونشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفہ دوم کا عمل ازروئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہٰذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافھم)

۸...... حضرت امام ربانی نے میر محب اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ

بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ نہ اسمیں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟۔

(مکتوبات شریفہ ومبداء ومعاد)

بدعت حسنہ......رافع سنت ہے

۹...... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمٰن کابلی کی طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

''جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت' رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے' حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت' رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کرنی چاہیے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام وتابعین عظام سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

۱۰......آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے:

''من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً فله اجرھا''......(الخ)(مشکوٰۃ ۳۳)

لہٰذا حدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنہ کا اطلاق بدعت حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

❁......جیسا کہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمّٰی سنة''

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں؟

❁......اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقامات سعیدیہ ۱۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

''مـی فـرمودند کہ بدعت حسنہ نزد امام ربانی قدس سرہ داخـل سـنـت است اطلاق بدعت برآں نمی فرمایند بموجب کل بدعة ضلالة ونـزاع درمیـان ایشـان وعلماء کہ بوجود حسن دربدعت قائل اند لفظی است''

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کل بدعة ضلالة کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

❁......اسی طرح معرِّب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا باحوالہ اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرِّب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد مکی عفی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی

قدس سرہُ العزیز نے اپنے مکتوبات میں بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اسکے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے "حسنہ اور سیئہ" کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہو اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد کے منارے بنانا، مدارس اسلامیہ قائم کرنا، مسافر خانے تعمیر کرنا، کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ صدر اول میں اسکی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہٰذا ایسا شخص مُبتدِع اور مُحدث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں اسی کا مرتکب ہی مبتدع اور محدث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا "کل بدعة ضلالة" (ابوداؤد)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(حاشیہ مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب ۱۸۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری مطبوعہ رؤف اکیڈمی لاہور)

❁...... حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انجاح الحاجہ میں حدیث "من احدث فی امرنا هذا" (الخ) کے تحت یوں فرماتے ہیں

ولهذا قال الشيخ المجدد (رضی اللّٰه عنه) ان العلوم التی وسائل لامرالدین کالصرف والنحو داخلة فی السنة ولا یطلق علیھم اسم البدعة فان البدعة عنده (رضی اللّٰه عنه) لیس فیھا حسن ۔

ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف ونحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث وتحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا ہے کہ مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی وحقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم ومراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

(مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہوالبینات شرح مکتوبات مکتوب ۱۳۱ جلد ثالث)

عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بدعت کی اقسام

دراصل عقیدہ وعمل کے اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں ہیں

بدعت اعتقادی اور بدعت عملی

بدعت اعتقادی

عقائد اسلامیہ میں کسی برے اور کفریہ وشرکیہ عقیدے کا اضافہ کردینا بدعت اعتقادی کہلاتا ہے، اسے نفاق اعتقادی بھی کہتے ہیں۔

بدعت عملی

دین اسلام میں کسی نئے عمل کا اضافہ کردینا جو دین اسلام میں سے نہ ہو اور اس سے

سنت وشریعت کی مخالفت لازم آتی ہو، بدعت عملی کہلاتا ہے، اسے نفاق عملی بھی کہتے ہیں۔
جیسے کوئی شخص مسلمان تو ہو مگر اس کے اعمال یہود وہنود، نصاریٰ وکفار جیسے ہوں۔ حدیث مبارک من تشبہ بقوم فھو منھم میں اس قسم کی بدعت کے عاملین کو وعید سنائی گئی ہے۔ یاد رہے کہ بدعت عملی کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا البتہ گناہ گار ضرور ہوتا ہے۔

⊙ ...... یاد رہے کہ اہلسنت و جماعت (جو مسلمانوں کی سب سے بڑی وحدت اور واضح اکثریت ہے اور یہی ناجی گروہ و جماعت ہے) ہر قسم کی بدعت اعتقادی و بدعت عملی سے محفوظ و مامون ہے البتہ ان میں سے اگر کوئی شخص بدعت عملی کا مرتکب ہو تو یہ اس کی اپنی غلطی اور غیر ذمہ داری ہے جس کا عقائد و اعمال اہلسنت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے چاہئے کہ اس قسم کی بدعت کے ارتکاب سے اجتناب کرے اور مغفرت کا طلب گار رہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی اور غدار نہ بنے بلکہ وفادار بن کے رہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس کی بخشش ہو جائے گی جیسا کہ انا عندظن عبدی بی سے عیاں ہے۔

⊙ ...... یہ امر بھی متحضر رہے کہ اہلسنت و جماعت کے علاوہ جتنے بھی فرقے ہیں (دیابنہ وغیر مقلدین وغیرہا) وہ سب بدعت اعتقادی میں مبتلا ہیں اور سب سے بڑا بدعتی فرقہ رافضیہ ہے جسے حدیث میں اضل اور اخبث فرمایا گیا جیسا کہ روایت میں ہے:

عن علی قال تفرقت الیھود علی احدی و سبعین فرقۃ والنصاریٰ علی ثنتین و سبعین فرقۃ وانتم علی ثلاث و سبعین فرقۃ و ان من اضلھا و اخبثھا من یتشیع او الشیعۃ (کنز العمال ۱/۳۷۷)

واضح رہے کہ جو شخص (کسے باشد) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اہلبیت عظام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا

ارتکاب کرتا ہے اور واضح وصریح توہین کا مرتکب ہوتا ہے خواہ ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر خواہ وہ اس کی تاویل کرے یا نہ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

علمائے کرام نے فرقہ رافضیہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱...... تبرائی شیعہ ۲...... تفضیلی شیعہ

تفضیلی شیعہ

وہ لوگ ہیں جو مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتے ہیں اس قسم کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں البتہ گمراہ ضرور ہیں۔

تبرائی شیعہ

وہ لوگ ہیں جو ماسوائے چند صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو مسلمان نہیں سمجھتے بالخصوص خلفائے ثلاثہ (حضرات ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بارگاہ میں توہین کرتے ہیں اور امہات المومنین میں سے خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں:

یقین جانیے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد، کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے برا وہ فرقہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے لیغیظ بھم الکفار تا کہ کفار کو ان (اصحاب رسول رضی اللہ عنہم) کے سبب سے غصہ میں ڈالے۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۴ دفتر اول)

بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اسی لئے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی کے ادب واحترام کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ بدعتی کا احترام کرنے والا گویا دین اسلام کو برباد اور ویران کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔ (مشکوٰۃ ۳۱)

نیز ارشاد فرمایا:

ایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (صحیح مسلم ۱/۱۰) یعنی ان (بدعتی فرقوں) سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

نیز قرآن حکیم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے:

فلا تقعد بعدالذکریٰ مع القوم الظالمین (الانعام ۶۸) یعنی نہ بیٹھو یاد آنے پر ظالموں کے پاس۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے حکم میں ظالموں سے مراد کفار، بدعتی اور فاسق وغیرھم ہیں۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے، صحبت اختیار کرنے اور میل جول رکھنے کی اجازت نہیں بلکہ حدیث میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ

ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم و اذا مرضوا فلا تعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلّوا علیھم ولا تصلّوا معھم یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو اور ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے نکاح ورشتہ نہ کرو، وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور جب وہ مرجائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

ایک روایت میں یوں ہے:

لا تسبوا اصحابی فانه یجیی فی آخرالزمانِ قوم یسبّون اصحابی فان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم ولا تناکحوهم ولا توارثوهم ولاتسلموا علیهم ولا تصلوا علیهم

(کنزالعمال ۱۱/۵۴۲)

دوسری روایت میں ہے:

فلاِ تؤاکلوهم ولاتشاربوهم ولا تجالسوهم ولاتصلواعلیهم ولاتصلوامعهم (کنزالعمال ۱۱/۵۴۰)

صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ تمام بدعتی فرقوں میں سے سب سے برا فرقہ وہ ہے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے اور وہ فرقہ رافضیہ ہے۔

اہل سنت اور شیعہ کے اختلاف کا آغاز عہد صحابہ کرام سے ہوگیا تھا۔ اس فرقہ نے اہل سنت سے علیحدہ تشخص قائم کرلیا اور رفتہ رفتہ اپنے اعمال وعقائد خود وضع کرلیے جس کے نتیجے میں جمہور اہل اسلام سے الگ ہوگئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے دور تجدید میں یہ فرقہ ہندوستان میں کافی پھیل چکا تھا آپ نے اس کے خلاف بھرپور جہاد فرمایا اور ہندوستان میں اس فرقہ کا زور توڑ کے رکھ دیا۔ بقول شاعر

شب الحاد و بدعت چھٹ گئی یکسر زمانے سے
نکل کر مہر جب چمکا مجدد الف ثانی کا

یہ آپ کی تجدیدی کرامات کا فیض ہے کہ ہندوپاک میں آج تک اہل سنت کو بالادستی حاصل ہے۔ والحمد للہ علی ذالک (البینات شرح مکتوبات ۲/ ۲۹۹ تا ۳۰۱)

⊙ ...... جو بزرگان دین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری وحضوری کے شرف سے ممتاز ومشرف ہیں اگر وہ کسی مسئلہ یا کسی فرد کے متعلق متردد ہوں تو وہ براہ راست بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حل پوچھ لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن سینا کے متعلق پوچھ لیا تھا۔ (ملاحظہ ہو سعادت العباد منہا ۱۳)

یونہی حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے زیر نظر منہا میں دو اشخاص کے بارے جن کے متعلق آپ متردد تھے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سے پوچھ لیا تھا ایسے ہی شاھق الجبل کے بت پرست باسی کے متعلق تحقیق کر کے آپ نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سے پوچھ لیا تھا (تفصیلات سعادت العباد منہا ۲۸ میں ملاحظہ ہوں)۔

⊙ ...... یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ان خال خال اولیائے امت میں سے ہیں جن کے فیضان ولایت پر کمالات نبوت کا غلبہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ فیضان وکمالات نبوت کے کامل وارث ہیں، بنابریں آپ نے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سے ان بدعتی افراد کے متعلق پوچھا تھا، اولیائے کرام سے نہیں پوچھا۔ نیز اعتقادات واعمال حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سے ہی ماخوذ ہیں اس لئے انہی نفوس قدسیہ سے استفسار کیا گیا۔ انہی وجوہات کی بناء پر حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اولیائے کاملین اور علمائے راسخین میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور الف ثانی (ہزارہ دوم) کی مسند تجدید پر فائز المرام ہیں، شاید اسی وجہ سے لوگ آپ کے مرتبہ ومقام سے واقف نہیں۔ بقول شاعر

کمالات نبوت کا مزہ جس نے نہیں چکھا
وہ کیا جانے بھلا رتبہ مجدد الف ثانی کا

منہا - ۳۵

بریں فقیر ظاہر ساختند کہ لفظ قرب ومعیت و احاطۂ

اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قرب ، معیت اور احاطہ حق

حق سبحانہ کہ در قرآن مجید واقع شدہ است از جملہ

سبحانہ کے لفظ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں[1] سب

متشابہات قرآنی ست دررنگ ید و وجہ وہمچنیں

متشابہات قرآنی سے ہیں ید اور وجہ کی مانند اسی طرح حال ہے

[1] زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں مذکور متشابہات کی تاویلات کا تذکرہ فرمارہے ہیں متشابہات کی تاویل کے متعلق علمائے متکلمین اہلسنت کے دوگروہ ہیں۔

۱......مؤوّلین ۲...... مفوّضین

مؤوّلین

ان کے نزدیک چونکہ متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے سے تشبیہ وتمثیل کا اثبات ہوتا ہے جو الحاد وزندقہ ہے فلہٰذا ان کی تاویل کرنا لازم ہے مگر بعض متشابہات کی تاویل نہایت دشوار ہے اس لئے ان کی تاویل کی بابت ساکت وصامت رہنا بہتر ہے فقط ان پر ایمان واعتقاد رکھنا چاہئے کیونکہ ایسے موقعہ پر تاویل کرنا ممنوع ہے جیسا کہ آیت کریمہ لا تقف مالیس لك به علم سے عیاں ہے۔

ست لفظ اول و آخر وظاہر و باطن وامثال آنہا پس حق

لفظ اول ، آخر ، ظاہر ، باطن اور ان کے مثل الفاظ کا۔ پس ہم

سبحانہ وتعالیٰ را قریب گوئیم اما معنی قرب ندانیم که

حق سبحانہ و تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم قرب کا معنی نہیں

چیست وہمچنین اول گوئیم اما ندانیم که مراد از اول

جانتے کہ کیا ہے اسی طرح ہم اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے مراد

مفوّضین

ان کے نزدیک متشابہات اصابع اور ید وغیرھا کا معنی انگلیاں اور ہاتھ ہی کرنا چاہئے اور انکی تاویل سے اجتناب کرنا چاہئے لیکن ان انگلیوں وغیرھا کو مخلوق کی انگلیوں کی مانند نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یوں کہنا اور سمجھنا چاہئے کہ انگلیاں تو ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں مگر ہم ان کی حقیقت وکیفیت سے واقف نہیں ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ سے واضح ہے۔ اسلاف کے ہاں یہی مؤقف اسلم ہے۔

⦿ ...... یاد رہے کہ مسلمان کیلئے متشابہات پر ایمان لانا واجب ہے اور ذاتی رائے و قیاس سے ان کے متعلق کلام کرنا حرام اور ان کو آسان کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔ بس ان کے بارے میں یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ حق تعالیٰ کی بلا کیف صفات میں سے ہیں۔ چونکہ یہ مجہول الکیفیت ہیں فلہٰذا ان کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔

(البینات شرح مکتوبات جلد دوم مکتوب ۹۷)

چه باشد ومعنی قرب و اولیت که درحیطۂ علم وفهم

کیا ہے اور قرب و اولیت کا معنی جو ہمارے علم و فہم کے

ما درآید حق سبحانه وتعالیٰ ازاں منزه وبرترست وآنچه

احاطہ میں آتا ہے حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے اور جو کچھ

درکشف وشهود ما گنجد اوتعالیٰ ازان متعالی وپاك

ہمارے کشف و شہود میں سماتا ہے وہ تعالیٰ اس سے بلند اور پاک ہے

ست وقرب ومعیت اوتعالیٰ که بعضے ازمتصوفه بطریق

اور اس تعالیٰ کا قرب اور معیت جو بعض متصوفین نے بطریق

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کا موقف

آپ کے نزدیک متشابہات، تاویل پر محمول اور ظاہر سے مصروف ہیں جیسا کہ آیت کریمہ وما یعلم تاویله الا الله (یعنی متشابہات کی تاویل واصل مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) سے عیاں ہے اور اللہ تعالیٰ نے علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے حصہ عطا فرمایا ہے چنانچہ علم غیب جو اللہ تعالیٰ کیلئے ہی مخصوص ہے اپنے خاص رسولوں کو اس میں سے اطلاع بخشتا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ جس طرح ''ید'' کی تاویل قدرت اور ''وجہ'' کی تاویل ذات سے کرتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تاویل ان اسرار میں سے ہے جس کا علم اخص خواص کو عطا فرمایا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۳۱۰)

سراج الاولیاء حضرت شاہ احمد سعید فاروقی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

کشف دریافتہ اند وبآن معنی کشفی حق را سبحانہ

کشف دریافت کیا ہے اور اس کشفی معنی کے اعتبار سے حق سبحانہ

قریب و مَع می دانند مستحسن نیست قدمے درمذہب

کو قریب اور مع جانتے ہیں مستحسن نہیں ہے انہوں نے مذہب مجسمہ میں

مجسمہ دار وآنچہ بعضے ازعلماء درتاویل آن گفتہ اند

قدم رکھ دیا اور جو کچھ بعض علماء اس کی تاویل میں کہتے ہیں

آنکہ علماء معیت واقربیت علمی می گویند وصوفیہ صافیہ ذاتی می دانند وحضرات (مجددیہ) می فرمایند کہ معیت واقربیت بیچون وبے چگون لحاظ باید ساخت مانند ذات اوسبحانہ یعنی متشابہات کے متعلق ارباب علم وحال کی تین آراء ہیں۔

◉ ...... علمائے کرام معیت واقربیت کو علمی کہتے ہیں۔

◉ ...... صوفیائے کرام معیت واقربیت کو ذاتی جانتے ہیں۔

◉ ...... جبکہ حضرات مجددیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات کی مانند اس کی (صفات) معیت واقربیت بیچون اور بے چگون ہیں۔ (تحفہ زواریہ درانفاس سعیدیہ مکتوب ۲۶)

یاد رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے متشابہات کی تاویلات کے جواز اور عدم جواز کے متضاد اقوال کو اوقات واحوال کے مختلف ہونے پر محمول کرنا چاہئے اور دوسرے قول پر ہی اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ہر مقام کے علوم ومعارف جدا جدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے جیسا کہ ارباب کیف وحال سے پوشیدہ نہیں۔ (فافہم)

واز قرب قرب علمی مراد داشته اند در رنگ تاویل ید

اور قرب سے قرب علمی مراد لیتے ہیں کہ تاویل کے انداز

است بقدرت و وجه است بذات ومجوزست نزدیك

میں ید سے قدرت اور وجہ سے ذات (مراد) ہے اور یہ جائز ہے

کارکنانِ قضاوقدر کون ہیں

بندوں کی موت وحیات، کفر واسلام، ولایت وعدم ولایت، عطائے مقامات اور سلب مقامات وغیرھا کے متعلق احکامات وفیصلوں کے نفاذ واظہار واخفاء پر مامور ملائکہ وحضرات کو مدبرات امر یا کارکنان قضاوقدر کہا جاتا ہے۔ یہ تدبیری امور کبھی کبھار رجال غیب سے بھی انجام پذیر ہوتے ہیں۔ رجال غیب اپنی لطافت ونورانیت کے باعث فرشتوں کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے دن رات انہی کے ساتھ رہتے ہیں۔

بعض اہل اللہ پر واقعے یا مراقبے یا خواب یا بیداری کے عالم میں ویسے ہی بیٹھے بیٹھے بعض اسرار ورموز القاء والہام کیے جاتے ہیں کبھی تو وہ آواز ان کے قلب (باطن) سے آتی ہے اور کبھی باہر سے آواز آتی ہے کبھی آگے سے آواز آتی ہے اور کبھی اوپر سے آتی ہے اور وہ آواز ایک جیسی بھی ہو سکتی ہے اور مختلف آوازیں بھی ہو سکتی ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کی دو قسمیں ہیں: جیسا کہ آیت کریمہ هو الذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واُخر متشابهات (آل عمران ۷) سے عیاں ہے۔

مجوزان تاویل، وما تجویز تاویل نمی کنیم و تاویل آنرا

مجوزان تاویل کے نزدیک اور ہم تاویل کی تجویز نہیں کرتے اور اس کی تاویل

بعلم حق سبحانہ حوالہ می نمائیم ۔**العلم عنداللّٰہ سبحانہ**

حق سبحانہ کے علم کے حوالے کرتے ہیں علم اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے ۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

محکمات اور متشابہات کے متعلق امام ربانی کا مؤقف

محکمات، علم شرائع و احکام کا منشاء و مبدأ ہے اور متشابہات، حقائق و اسرار کے علم کا خزانہ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں حق تعالیٰ کیلئے جو الفاظ ید (ہاتھ) وجہ، قدم، ساق (پنڈلی) اصابع (انگلیاں) اور انامل (پورے) آئے ہیں سب متشابہات میں سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات جو قرآنی سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں وہ بھی متشابہات میں سے ہیں کہ جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے علاوہ کسی کو اطلاع نہیں دی گئی ...... حروف مقطعات میں سے ہر حرف عاشق و معشوق کے پوشیدہ رازوں کا بحر مواج ہے اور محب و محبوب کے دقیق اور مخفی رموز میں سے ایک رمز ہے اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات (اصل اصول) ہیں، لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو متشابہات ہیں اور کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں، امہات کی حیثیت نتائج حاصل کرنے کے لئے وسائل و ذرائع سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا کتاب کا لب یعنی مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس کا قشر یعنی پوست ہیں۔ یہ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل بیان کو ظاہر کرتے ہیں اور بخلاف محکمات کے جو مرتبہ کی حقیقت

اور معاملہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ متشابہات گویا حقائق ہیں اور محکمات متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے جو لب یعنی مغز کو قشر کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو ظاہری شکل وصورت میں لا سکے۔ علمائے قشریہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمات پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں اور صورت وحقیقت کو بھی جو محکم ومتشابہ ہیں جمع کر لیتے ہیں، لیکن وہ شخص جو محکمات کے علم کے بغیر اور ان کے موافق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل تلاش کرے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے وہ ایسا نادان ہے کہ جس کو اپنی نادانی کی بھی خبر نہیں ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اپنی گمراہی کا بھی شعور نہیں رکھتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا صورت اور حقیقت سے مرکب ہے جب تک یہ دنیا فانی ہے کوئی حقیقت اپنی صورت سے جدا نہیں ہوسکتی۔ (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۷۶)

این فقیر نماز وتر را گاہے دراول شب ادا می کرد و گاہے

یہ فقیر نماز وتر کو کبھی اول شب میں ادا کرتا تھا اور کبھی

بآخر شب می گذاشت درشبے از شبہا نمودند کہ در

آخر شب میں ادا کرتا۔ راتوں میں سے ایک رات دکھایا گیا کہ نماز وتر

صورت تاخیر ادائے نماز وتر چون مصلی بخواب رود

کی ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں جب نمازی سو جائے

اتباع سنت، حصول محبوبیت کا ذریعہ ہے

کتاب وسنت کی رو سے اتباع سنت وشریعت ایک بنیادی امر ہے۔آیت قرآنی فاتبعونی یحببکم اللہ اس کی اصل ہےاوراتباع رسالت کا صلہ،مقام محبوبیت ومرادیت کا حصول ہے۔کسی عارف نے خوب کہا

عجب این نیست کہ محبوب جہانی ز ہمہ
عجب آنست کہ محبان تو محبوباں اند

شریعت وطریقت کے تمام مراتب میں تزکیہء نفوس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اورتزکیۂ نفوس براہِ راست تعلیمات سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے مربوط ہے۔جو انسان سرچشمہ سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے جتنا سیراب ہوگا اتنا ہی تصفیہء قلب

ونیت دارد که درآخر شب وتر را ادا خواہد نمود کتبہ

اور نیت کرے کہ آخر شب میں وتر ادا کرے گا اس کے

اعمال حسنات وتمام شب حسنات را بنام او می نویسند

اعمال حسنہ لکھنے والے تمام رات اس کے نام نیکیاں لکھتے رہتے ہیں

تا زمانے کہ وتر را ادا نماید پس ہر چند وتر را بتا خیر تر

یہاں تک کہ وہ وتر ادا کرلے پس جتنا وتر کو زیادہ تاخیر کے ساتھ

اور تزکیہ ءنفس سے بہرہ اندوز ہوگا۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴۲ جلد دوم)

اتباع کی اقسام

اہل طریقت نے اتباع کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱......متابعت ظاہری ۲......متابعت باطنی

متابعت ظاہری مرتبہ ءنبوت سے متعلق ہے اور متابعت باطنی مرتبہ ءولایت سے، مرتبہ ءنبوت سے ان احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم وجوب سے بواسطہ جبریل علیہ السلام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ نے خلق خدا تک پہنچادیے۔مرتبہ ءولایت سے وہ اسرار توحید ومعرفت مراد ہیں جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام لی مع اللہ سے بلاواسطہ جبریل علیہ السلام (براہ راست) حق سبحانہ وتعالیٰ سے حاصل کرکے خاصان امت کو سکھادیے۔ (البینات شرح مکتوب ۲۱ جلد اول)

یادر ہے کہ تمام اکابرین طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف وطریقت قولاً وفعلاً وحالاً ہر حیثیت سے اتباع سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا نام ہے وبدونہ خرط القتاد۔ اتباع سنت پر مداومت سے جب اہل تصوف کے قلوب صافی اور

ادا نماید بہتر باشد **مع ذالک** این فقیررا در تعجیل وتاخیر
ادا کرے بہتر ہے۔ باایں ہمہ اس فقیر کو وتر کی تعجیل اور تاخیر
وتـرغیر از متابعت **سیـد البشـر علیه وعلی آله الصلوات**
میں سوائے سید البشر (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات و
والتسليمات ہیـچ چیز منظور نیست وہیچ فضیلت را
تسلیمات ہوں) کی متابعت کے کوئی چیز منظور نہیں ہے اور کسی فضیلت

نفوس مزکی ہوجاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں، عالم غیب کے اسرار کھل جاتے ہیں اور ہر عمل میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے تکلف مظاہرہ ہونے لگتا ہے تو وہ بارگاہ خداوندی سے انعامات ونوازشات سے مشرف ہوکر درجہ محبوبیت پر فائز المرام ہوجاتے ہیں۔ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں اتباع سنت کی تاکید وترغیب ارشاد فرمائی گئی ہے اور تعمیل کرنے والوں کو بلند مرتبوں کی بشارتیں سنائی گئی ہیں جیسا کہ فرمایا:

علیکم بسنتي ...... میری سنت کو لازم پکڑو۔ (ابن ماجہ ۵)

من احیا سنتي فقد احیاني ومن احیاني كان معي في الجنة

یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کردیا اور جس نے مجھے زندہ کردیا وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا۔ (جامع ترمذی ۲/۹۲)

نیز فرمایا: من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد (مشکوٰۃ ۳۰)

یعنی جس نے میری سنت کو زندہ کیا فساد امت کے زمانے میں، اس کے لئے سوشہیدوں کا ثواب ہوگا۔

دراصل ان بشارتوں کے اہل، حضرات صوفیائے صافیہ ہی ہیں اور یہی وہ لوگ

بمتابعت عدیل نمی اندازد وحضرت رسالت وتر را

کو متابعت کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت مآب وتر کو

گاہے اول شب ادا فرمودہ اند و گاہے آخر شب سعادت

کبھی اول شب میں ادا فرماتے تھے اور کبھی آخر شب میں

خود را دراں می داند کہ در امرے از امور تشبہ بآں سرور

اپنی سعادت کو اسی میں جانتا ہوں کہ امور میں سے کسی امر میں آنسرور کے

ہیں جنہوں نے اتباع شریعت اوراحیائے سنت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز بھی انہی پاک طینت، پاک سیرت نفوس قدسیہ میں سے ہیں۔آپ نے تعمیل شریعت وتکمیل سنت کو انتہائی درجے تک پہنچایا اور طریقت نقشبندیہ کی مانند سلوک مجددیہ کو بھی اتباع سنت پر ہی استوار فرمایا جس کی تفصیلات آپ کی سوانح حیات وتعلیمات سے عیاں ہیں، وعیاں راچہ بیاں

واضح رہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات حقیہ وخلقیہ کے مظہر ہیں اور بمطابق حکم فاتبعونی یحببکم اللہ کمالات انسانی کا انحصار بھی آپ کی اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ صحابہ کرام، اہل بیت عظام واولیائے فخام کو تمام کمالات ظاہری وباطنی آپ کی اتباع ہی کے ذریعے میسر آئے اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے فیض یاب ہوئے۔

ریاضت وسنت کا فرق

عیسائی پادریوں، ہندو برہمنوں، جوگیوں اور حکمائے یونان نے جو چلّے، وہ ہے

نماید علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والسلام اگرچہ آں تشبہ

ساتھ تشبہ ہو جائے آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو اگرچہ وہ تشبہ

بحسب صورت باشد مردم در بعضے سنن نیت احیائے لیل

بحسب صورت ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری

و مثل آں را دخل می دہند عجب می آید از کوتہ

اور اس جیسی باتوں کی نسبت کو دخل دیتے ہیں تعجب ہوتا ہے

اورمجاہدے انجام دیئے ہیں وہ قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے کیونکہ قرب ولایت کے لئے ایمان اور تقویٰ بنیادی شرط ہے ارشاد باری تعالیٰ الذین امنوا وکانوا یتقون (یونس ۶۳) اس پر شاہد ہے۔

اہل کفر وضلالت کی ریاضتیں تصفیہء نفس کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن تزکیہ وتطہیر نفس کا ذریعہ ثابت نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو کشف مکونات تو ہوسکتا ہے، کشف عالم وجوب نہیں ہوسکتا۔ کشف عالم وجوب کیلئے تزکیہء نفس لازم ہے اور تزکیہء نفس، اتباع سنت وشریعت کے بغیر متصور نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اہل کفر وشرک کو ریاضتوں کے ذریعے جو صفائی نفس حاصل ہوتی ہے وہ تانبے پر سونے کا پانی چڑھانے کے مترادف ہے اور اہل تصوف وطریقت کو اتباع سنت کے ذریعے جو تزکیہء نفس حاصل ہوتا ہے وہ عمل کیمیا کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کی مانند ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشغولی اور گرفتاری کا زنگ اتارنے والی چیز اتباع سنت ہی ہے اور ہر وہ عمل جو اتباع سنت کے قبیل سے ہے مثلاً ذکر کی کثرت، صحبت شیخ، معیت صادقین اور محبت صالحین وغیرہم کا بھی یہی ثمرہ ہے۔ فافہم وتدبر (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴۲ جلد دوم)

اندیشی ایشاں ہزار احیائے لیالی را بہ نیم جو متابعت

ان کی کوتاہ اندیشی پر ہم ہزار شب بیداریوں کو متابعت کے آدھے جو کے عوض

نخریم عشرہ اخیرہ ماہ رمضان را اعتکاف نشستیم

نہیں خریدتے۔ ہم ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے

یاران را جمع کردہ گفتیم کہ غیراز متابعت نیت دیگر

دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ سوائے متابعت کے کوئی دوسری نیت

یادرہے کہ اللہ تعالیٰ کا مطیع وہی شخص ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع و فرماں بردار ہو، کوئی لاکھ دعوے کرے اطاعت الٰہیہ اور اتباع قرآن کے، جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کاربند نہیں، مقبول اور محبوب نہیں، مسند محبوبیت پر وہی شخص فائز المرام ہوتا ہے جو محبوب کی ہر ہر ادا اور سنت کا عامل و عاشق ہوتا ہے۔

بقول شاعر

لو کان حبك صادقا لا طعته

ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی اے محبت کے دعویدار اگر تیری محبت صادق ہوتی تو تو اپنے محبوب کی اطاعت پر کاربند ہوتا کیونکہ محب ہمہ وقت اپنے محبوب کا اطاعت گذار ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النسآء ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اطاعت رسول کو عین اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ عزوجل کی وہ اطاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی شکل میں نہ ہو

نکنید کہ تبتل و انقطاع ما چہ خواہد بود صد گرفتاری

نہ کریں کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہو گا ہم سو گرفتاریوں

را بحصول یک متابعت قبول داریم امّا ہزار تبتل وانقطاع

کو ایک متابعت کے حصول کے بدلے قبول کرتے ہیں لیکن ہزار تبتل اور

را بے توسل متابعت قبول نہ داریم

انقطاع کو متابعت کے توسل کے بغیر قبول نہیں کرتے

وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس حقیقت کی تاکید و تحقیق کیلئے کلمہ "قد" تاکید یہ" لایا گیا ہے تا کہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔ چنانچہ دوسری جگہ حق سبحانہ وتعالیٰ ایک جماعت کے حال میں جو ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے، بطور شکایت فرماتا ہے:

یریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ و یقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً ۝ اولئك ھم الکفرون حقا (النسآء ۱۵۰، ۱۵۱) اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں وہ کہتے ہیں کہ بعض (آیات) پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (حق و باطل) کے بین بین راہ اختیار کر لیں اور یقیناً ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرارھم نے سکر اور غلبہ حال کی وجہ سے ایسی باتیں کی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر ترجیح دینے کی خبر دیتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے دوران "خرقان" کے نزدیک خیمہ زن ہوا تھا۔ وہاں سے

آنرا کہ درسرائے نگار یست فارغ است
وہ شخص جس کی سرائے میں محبوب ہے فارغ ہے
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار
وہ باغ و بہار اور لالہ زار کے نظاروں سے

اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی حضرت شیخ اس کی ملاقات کو آئیں اور اپنے وکیلوں سے کہہ دیا کہ اگر شیخ سے اس معاملہ میں توقف محسوس ہو تو یہ آیت اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (النسآء ۵۱) (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہوں) ان کے سامنے پڑھیں۔ (چنانچہ) جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف محسوس کیا تو آیت کریمہ ان کے سامنے پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اطیعوا اللّٰہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوا الرسول کی اطاعت سے شرمندہ ہوں اور اطاعت **اولی الامر** کے متعلق کیا بیان کروں۔ حضرت شیخ نے اطاعت حق سبحانہ وتعالیٰ کو اطاعت رسول کے علاوہ سمجھا یہ بات (سکر کی بنا پر ہے اور) استقامت سے بعید ہے، مستقیم الاحوال مشائخ نے اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا ہے اور شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہ ہو اسے عین ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔ (از مکتوبات شریفہ مکتوب ۱۵۲ جلد اول)

رزقنا اللّٰہ سبحانہ کمال متابعتہ علیہ وعلٰی آلہ الصلوات

اللہ سبحانہ ہمیں ان کی کمال متابعت عطا فرمائے آپ پر اور آپ کی آل پر

والتسلیمات اتمہا واکملہا

اتم اور اکمل صلوات وتسلیمات ہوں

سنت کی برکات

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرے میں تراویح ادا کرنے کے بعد میں نے اپنے اندر سستی محسوس کی چنانچہ میں بستر پر لیٹنے کے لئے گیا اور لیٹتے وقت سستی کے غلبہ کی وجہ سے بجائے اس کے کہ سنت کے مطابق دائیں پہلو پر لیٹتا، میں بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ دراز ہونے کے بعد خیال آیا کہ ترک سنت ہو گیا۔ کاہلی کی وجہ سے نفس نے باور کرایا کہ سہو ونسیان کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، لیکن ترک سنت کا خوف نہیں گیا۔ آخرکار پورے طور پر اٹھ کر دائیں کروٹ پر لیٹ گیا۔ اس عمل کے فوراً بعد کرم الٰہی سے بے انتہا انوار کی فیوضات ظاہر ہوئیں اور ندا آئی کہ تم نے جو اس قدر سنت کی رعایت کی تو میں آخرت میں تم کو کسی طرح کا عذاب نہ دوں گا۔ اور تمہارے اس رعایت کی وجہ سے تمہارے اس خادم کو بھی بخش دیا جو اس وقت تمہارا پاؤں دبا رہا تھا۔ (زبدۃ المقامات مترجم ۲۵۷)

منہا-۴۷

وقتے ازاوقات باجمعے ازدرویشاں نشستہ بودیم ایں فقیر
ایک مرتبہ ہم درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس فقیر
از محبت خود کہ نسبت بغلامان آں سرور داشتہ علیہ
نے اپنی محبت جو آنسرور کے غلاموں کی نسبت رکھتا ہے آپ پر اور
وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات چنیں گفت کہ محبت
آپ کی آل پر صلوات و تسلیمات ہوں یوں کہہ دیا کہ آنسرور کی محبت

زیرنظر منہامیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز محبت ذاتی اور محبت صفاتی کے درمیان امتیاز بیان فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہامیں سہولت رہے۔ وباللّٰہ التوفیق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں جس کا ملخصاً اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

محبت کی اقسام

محبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ محبت جو محبّ کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے اور دوسری وہ محبت جو اپنی ذات کے علاوہ غیر سے تعلق رکھتی ہے۔

قسم اول محبت ذاتی ہے جو اقسام محبت میں سب سے بلند ہے کیونکہ کوئی شخص

آں سرور برنہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ و

اس طرح غالب ہو گئی ہے کہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو

تعالیٰ را بواسطہ آں دوست می دارم کہ رب محمد

اس واسطہ سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد کا رب ہے۔

است حاضران ازیں سخن درتحیر ماندند امّا مجال

حاضرین اس بات سے حیران رہ گئے لیکن مخالفت

کسی چیز کو اتنا دوست نہیں رکھتا جتنا کہ خود اپنے آپ کو۔ محبت کی یہ قسم احکم اور اوثق ہے جو کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی نیز یہ محبت، محبوب صرف سے تعلق رکھتی ہے جو محبت کا شائبہ بھی نہیں رکھتی بخلاف قسم دوم کی محبت کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

محبت ذاتیہ

عارف کا وہ مرتبہ ہے جس میں عارف کی عبادات اور اس کے اعمال میں طمع و خوف، ثواب و عذاب اور نفع و نقصان کا جذبہ ور جحان غلبہ پذیر نہیں ہوتا ہے بلکہ محبت الہیہ میں فانی ہونے کی وجہ سے اس کے ہر عمل و عبادت سے رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے

غرض زعشق تو ام چاشنئی درد و غم است

ورنہ زیر فلک عیش و تنعم چہ کم است

اس مرتبے میں سالک کو جب اخلاص کی حقیقت میسر آ جاتی ہے تو اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نعمتیں اور زحمتیں اس کے لئے ایک جیسی ہو جاتی ہیں کیونکہ محب کو محبوب کے ہر فعل سے ایک خاص قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے اور عاشق

مخالفت نداشتند ایں سخن نقیض سخن رابعه است
کی مجال نہیں رکھتے تھے یہ بات رابعہ کے سخن کی نقیض ہے
که گفته آں سرور را در خواب گفتم که محبت حق
کہ انہوں نے آنسرور کو خواب میں کہا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی
سبحانه وتعالیٰ برنهجے استیلا یافته است که محبت
محبت نے اس قدر غلبہ پا لیا ہے کہ آپ کی محبت کی جگہ
شما را جا نمانده است ایں ہر دو سخن ہر چند از سکر
نہیں رہی ہے۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں

ہمیشہ معشوق کے افعال کا شہود چاہتا ہے خواہ وہ انعام کے رنگ میں ہو یا ایلام کی صورت میں، اس کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آتا ہے وہ سب جمیل ہوتا ہے۔

از دست دوست ہرچه رسد نیك گفته اند

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز فرماتے ہیں کہ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی لذت حاصل کرتا ہے بلکہ ایلام میں لذت کی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ اس میں حظ نفس کی آمیزش نہیں ہوتی۔

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۲۴)

واضح رہے کہ محبت صفاتی، کسبی ہے اور محبت ذاتی، وہبی ہے۔ (مجموعہ رسائل ۹۷)

محبت ذاتیہ کے اعتبارات ثلاثہ

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز رقمطراز ہیں کہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس محبت ذاتیہ میں خود کو تین اعتبارات سے دوست رکھتا ہے محبوبیت، محبیت اور محبت۔

خبرمی دہد اما سخن من اصالت دارد او درعین سکر
لیکن میرا سخن اصالت رکھتا ہے۔ اس نے عین سکر میں
گفتہ ومن درابتدائے صحو وسخن او در مرتبۂ صفات
کہا اور میں نے ابتدائے صحو میں اور اس کا سخن مرتبہء صفات میں ہے
ست وسخن من بعد از رجوع ازمرتبۂ ذات زیرا کہ در
اور میرا سخن مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کیونکہ مرتبہ

محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلم ہے۔ جانب محبوبیت میں دو کمال ہیں فعلی اور انفعالی۔ فعل اصل ہے اور انفعال اسکا تابع ہے (فعل تاثیر کو کہتے ہیں اور انفعال تأثر یعنی اثر قبول کرنے کو کہتے ہیں) لیکن انفعال علت غائی ہے ہر چند کہ فعل وجود میں متأخر ہے لیکن تصور میں متقدم ہے۔

محبیت کے کمالات کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا نصیب ہے جبکہ نفس محبت میں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اولاً مشہود ہوئے ......ثانیاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی جگہ مشہود ہوئے ......ثالثاً حضرت نوح علیہ السلام بھی اسی اعتبار میں نظر آئے۔

محبت ذاتیہ کے مقام سے فوق مقام حب ہے جو اعتبارات ثلاثہ کا جامع اور اجمال ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۷)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ عروجی منازل میں سالکین پر انوار وتجلیات کے ورود کے باعث سکر کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ یہ مرتبہ ولایت ہے اس لئے ان کے منہ سے کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں جن کا حالت صحو میں ازالہ کرنا لازم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے بھی مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد ابتدائے صحو میں یہ کہہ دیا تھا

مرتبه ذات تعالٰی ایں قسم محبت را گنجائش نیست
ذات تعالٰی میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے
جمیع نسب را ازاں مرتبۂ کوتہی است آنجا ہمہ حیرت
تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہیں وہاں سب حیرت
ست یا جہل بلکہ بذوق نفی محبت دراں مرتبہ می
ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں ذوق کے ساتھ محبت کی نفی کرتا ہے
کند بہیچ وجہے خود را شایان محبت او نمی داند
کسی وجہ سے اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں سمجھتا
محبت و معرفت در صفات است وبس محبت ذاتی
محبت اور معرفت تو بس صفات میں ہے اور جسے محبت ذاتی کہتے ہیں

کہ میں حق تعالٰی سبحانہ کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے مگر انتہائے صحو اور تکمیلی مدارج میں آپ نے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا اور یوں کہا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مانتا ہوں کہ وہ حق تعالٰی سبحانہ کے نبی ہیں۔

مقام تکمیل میں محبت رسول غالب ہوتی ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر مقام کمال اور مقام تکمیل کے درمیان امتیاز بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

مرتبہ کمال میں، جو کہ مرتبہ ولایت سے ہے حق سبحانہ وتعالٰی کی محبت غالب

کہ گفتہ اند مراد ازاں ذات احدیت نیست بلکہ ذات
مراد اس سے ذات احدیت نہیں ہے بلکہ ایسی ذات
با بعضے ازاعتبارات ذات است پس محبت رابعہ در
جس کے ساتھ ذات کے بعض اعتبارات ہیں۔ پس رابعہ کی محبت
مرتبہ صفات ست **واللّٰہ سبحانہ الملھم للصواب والصلوٰۃ**
مرتبہ صفات میں ہے اللہ سبحانہ درست الہام فرمانے والا ہے
والسلام علٰی سید البشر وآلہ الاطھر
سیدالبشر اور آپ کی آل اطہر پر درود وسلام ہو۔

ہوتی ہے اور مقام تکمیل میں، جو کہ مقام نبوت کا حصہ ہے محبت رسول (علیہ التحیہ والثناء) غالب ہو جاتی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۵۲)

اقبال مرحوم نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی غلبہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت کو یوں منظوم کیا ہے

معنی حرفم کنی تحقیق اگر   بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی   ازخدا محبوب تر گردد نبی

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا قول سکر یہ ہے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اسی قسم کی ایک حکایت یوں نقل فرمائی ہے کہ

شیخ مہنہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مجلس انعقاد پذیر تھی اور سادات خراسان کے ایک سید بزرگ بھی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک مجذوب الحال اس مجلس میں آیا تو حضرت شیخ نے سید بزرگ پر اس مجذوب کو فوقیت

دی۔ سید صاحب کو یہ بات ناگوار گزری تو حضرت شیخ نے سید صاحب کو جواباً فرمایا کہ آپ کی تعظیم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت کی بناء پر ہے۔ اس قسم کے اختلاف کو مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے اور غلبہ محبت رسول پر غلبہ محبت حق سبحانہ کو سکر حال پر محمول کرتے اور بے کار بات سمجھتے ہیں۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۵۲)

مِنها-۳۸

شرافت علم باندازۂ شرف و رتبۂ معلوم

علم کی شرافت معلوم کے شرف اور مرتبہ کے موافق ہے [1]

است معلوم ہرچند شریف تر علم آں عالی تر پس

معلوم جتنا شریف تر ہو اس کا علم اتنا ہی عالی تر

علم باطن کہ صوفیہ بآں ممتازند اشرف باشد از علم

ہو گا پس علم باطن جس سے صوفیہ ممتاز ہیں اشرف ہے علم ظاہر سے

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علم کی اقسام، صحبت شیخ کے آداب وشرائط وفوائد اور آداب کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کے نقصانات بیان فرمارہے ہیں۔

علم کا معنی دانستن یعنی جاننا ہے۔ کسی چیز کے متعلق جاننے والے کو عالم اور وہ چیز جس کے متعلق جانا گیا اسے معلوم کہتے ہیں۔ معلوم جس قدر عظیم وجلیل ہوگا اس کے متعلق علم بھی اتنا ہی شریف وعظیم ہوگا تو پتہ چلا کہ علم کی شرافت وفضیلت، معلوم کے مقام ومرتبت کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔

ظاہر کہ نصیب علمائے ظواہر ست برقیاس شرافت

جو علمائے ظواہر کا حصہ ہے[2] جس طرح علم ظاہر کو،

علم ظاہر برعلم حجامت وحیاکت پس رعایت آداب

علم حجامت اور علم پارچہ بافی پر فضیلت ہے۔ پس آداب پیر کی

پیر کہ علم باطن را ازو اخذ کنند باضعاف زیادہ باشد از

رعایت علم باطن کو جس سے اخذ کرتے ہیں کئی گنا زیادہ ہے

رعایت آداب استاد کہ علم ظاہر ازو استفادہ نمایند و

آداب استاد کی رعایت سے، علم ظاہر جس سے استفادہ کرتے ہیں۔

[2] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے علم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

علم ظاہر اور علم باطن

روایت میں ہے: العلم علمان فعلم فی القلب فذالك العلم النافع وعلم علی اللسان فذالك حجة اللّٰه عزوجل علی ابن ادم یعنی علم دو ہیں ایک علم قلب میں ہے، یہ علم نفع بخش ہے......دوسرا علم وہ ہے جو زبان پر ہوتا ہے یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ابن آدم پر حجت ہے۔ (مشکوۃ ۳۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: حفظت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وعائین فاما احدهما فبثثته فیکم واما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کئے ہیں ان میں سے علم کا ایک برتن میں نے تم میں بکھیر دیا ہے مگر دوسرا برتن اگر تمہارے سامنے بکھیروں (ظاہر کروں) تو میرے گلے کی گذرگاہ طعام کاٹ

ہمچنیں رعایت آداب استاد علم ظاہر باضعاف زیادہ
اسی طرح علم ظاہر کے استاد کے آداب کی رعایت کئی گنا
است از رعایت آداب استاد حجام وحائك وہمین تفاوت
زیادہ ہے حجام اور جولاہے کے استاد کے آداب کی رعایت سے
دراصناف علوم ظاہری جاری ست استاد علم کلام وفقه
یہی تفاوت علوم ظاہری کی اصناف میں جاری ہے۔ علم کلام و فقہ
اولٰی و اقدم است ازاستاد علم نحو وصرف واستاد نحو و
کا استاد اولٰی و اقدم ہے علم نحو و صرف کے استاد سے، نحو و صرف

دی جائے۔ (مشکوۃ ۳۷)

عارف باللہ حضرت شیخ احمد بن عطاء اللہ الاسکندری علم نافع کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: العلم النافع هو الذی يبسط فی الصدر شعاعه ويكشف عن القلب قناعه یعنی علم نافع وہ ہوتا ہے جس کی نورانی شعاعیں سینے میں پھیلتی ہیں اور وہ قلب سے جہالت وغفلت کے پردے ہٹا دیتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات کتاب العلم)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ علم نافع کی دو قسمیں ہیں

علم معاملہ اور علم مکاشفہ

علم معاملہ

وہ علم ہے جو اعمال صالحہ اختیار کرنے کا باعث ہوتا اور قلب کے ساتھ رہتا ہے اس علم کو علم دراست بھی کہا جاتا ہے۔

صرف اولیٰ است از استاد علوم فلسفی باآنکہ علوم فلسفی

کا استاد اولیٰ ہے علوم فلسفی کے استاد سے اس لئے کہ علوم فلسفی

داخل علوم معتبرہ نیست اکثر مسائل آن لاطائل ست

علوم معتبرہ میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کے اکثر مسائل بے ہودہ اور

وبے حاصل واقل مسائل آن کہ از کتب اسلامیہ اخذ

بے حاصل ہیں اور ان کے بہت کم مسائل جو اسلامی کتابوں سے

نمودہ اند وتصرفات دراں کردہ ازجہل مرکب خالی

اخذ کردہ ہیں اور ان میں تصرفات کئے ہوئے ہیں جہل مرکب سے خالی

نیستند کہ عقل را دراں موطن مجال نیست طورنبوت

نہیں ہیں کیونکہ عقل کو اس مقام میں کوئی مجال نہیں ہے۔ انداز نبوت

علم مکاشفہ

وہ علم ہے جو اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے اسے علم وراثت بھی کہتے ہیں......

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ معقول ومنقول کا زبانی علم، علم نافع نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات کتاب العلم)

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے غالبًا اسی لئے فرمایا ہے

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

حدیث پاک میں علم نافع کی ہی دعا سکھلائی گئی ہے

اللهم انی اسئلك علما نا فعاً

غرضیکہ علم ظاہر اسکولوں، یونیورسٹیوں اور مدارس و مکاتب میں پڑھایا جاتا ہے جبکہ علم باطن اہل اللہ کی خانقاہوں اور آستانوں میں بذریعہ طی سلوک سکھایا جاتا ہے جو مشائخ طریقت اپنے نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کو بذریعہ نگاہ ودعا وتوجہات پڑھاتے وسکھلاتے ہیں۔

علم ظاہر آفاق کا علم ہے جبکہ علم باطن ذات (حق) کا علم ہے۔ چونکہ ذات، آفاق سے افضل واعلیٰ اور بلند وبالا ہے اس لئے اس کا علم بھی اشرف وافضل واعلیٰ ہے بنا بریں معلّمین ذات (صوفیائے کرام) معلّمین آفاق (علمائے ظواہر) سے فوقیت وفضیلت رکھتے ہیں۔ وللّٰہ الحمد

یادر ہے کہ نفع ونقصان کے اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہیں

علم نافع اور علم غیر نافع

عمدۃ الابدال حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہُ العزیز رقم طراز ہیں کہ علم غیر نافع کی دو قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جو فی نفسہ نافع تو ہے مگر بغیر عمل کے نفع بخش نہیں یہ علم شریعت ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جو غیر نافع ہے اور فی ذاتہ بھی غیر نافع ہے اگر اس کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ مہلک ومغوی اور مضل ہے جیسے علم نجوم، علم کہانت اور علوم فلسفہ۔ (ماخوذ از فصل الخطاب ۲۵۸)

حدیث مبارک میں علماء کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں علمائے سو اور علمائے حق جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء یعنی خبردار، بروں میں سب سے برے بھی علماء ہیں اور اچھوں میں سب سے بہتر بھی علماء ہیں۔ (مشکوٰۃ ۳۷)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز علمائے دنیا کے متعلق رقمطراز ہیں:

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت ان کے جمال کے چہرے پر دھبہ ہے۔مخلوق کو اگرچہ ان سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن انکا علم ان کی اپنی ذات کے حق میں نافع نہیں ہوتا ہرگاہ کہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی پر مرتب ہوتی ہے لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید وتقویت فاسق وفاجر قسم کے لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجر آدمی کی تائید کے متعلق خبر دی اور ارشاد فرمایا: ان اللّٰه يؤيد هذ االدين بالرجل الفاجر

(مسلم ۱/۷۲)

قدوۃ الاقطاب حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف فصل الخطاب میں تحریر فرمایا ہے کہ علماء کے تین گروہ ہیں۔

طائفہ اول......علم ظاہر کو جاننے والے۔

طائفہ دوم......علم باطن کو جاننے والے۔

طائفہ سوم......علم ظاہر اور علم باطن دونوں کے جاننے والے۔

طائفہ ثالثہ کے علماء نادر الوجود اور کمیاب ہوتے ہیں اگر ہر عصر میں اس قسم کے عالم دین جملہ جہاں میں ایک بھی ہوں تو بسیار اور کافی ہیں۔اس کی برکات عالم شرق وغرب تک پہنچتی ہیں اور وہ اپنے وقت کے قطب ہوتے ہیں اور تمام جہانوں والے اس کی پناہ دولت اور سایہء ہمت میں ہوتے ہیں۔ (فصل الخطاب ۲۵۸)

وراء طور عقل نظر ست باید دانست کہ حقوق پیر فوق

عقل نظری کے انداز سے وراء ہے۔ جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق

حقوق سائر ارباب حقوق ست بلکہ نسبت ندارد حقوق

تمام اہل حقوق کے حقوق سے بالا ہیں [۳] بلکہ کوئی نسبت نہیں

پیر بحقوق دیگراں بعدازانعامات حضرت حق سبحانہ

رکھتے پیر کے حقوق دوسروں کے حقوق کے ساتھ بعد حضرت حق سبحانہ

واحسانات رسول او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات

کے انعامات اور اس کے رسول (آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات وتسلیمات

بلکہ پیر حقیقی ہمہ رسول اللہ است صلی اللہ

ہوں) کے احسانات کے بلکہ تمام کے پیر حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وسلم ولادت صوری ہر چند ازوالدین

ہیں۔ ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہے

[۳] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ شیخ کامل کے حقوق تمام ارباب حقوق کے حقوق سے بالا ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو شیخ کے حقوق کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔ حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ ہو

ان الشیخ مقدم من الاب والام لان الا باء والا مہات یحفظونہ من نار الدنیا وافا تہا والمشائخ یحفظونہ من نار الآخرۃ واشدا رھا

ست اماولادت معنوی مخصوص به پیراست ولادت

لیکن معنوی ولادت پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی

صوری راحیات چند روزه است و ولادت معنوی

حیات چند روزہ ہے اور معنوی ولادت کی حیات

راحیات ابدی است نجاسات معنویه مرید را پیر ست

ابدی ہے۔ مرید کی معنوی نجاستوں کو پیر اپنے

که بقلب وروح خود کنّاسی می نماید وتطهیر اشکنبه

قلب و روح سے صاف کرتا ہے اور اس کے باطنی

اومی فرماید درتوجهات که نسبت به بعضے مسترشداں

حصوں کی تطہیر فرماتا ہے۔ ان توجہات میں جو بعض مریدوں

واقع می شود محسوس میگردد که در تطهیر

کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی

یعنی شیخ مکرم ماں باپ سے مقدم ہے کیونکہ آباء وامہات اسے دنیا کی آگ اور اس کی آفات وبلیات سے بچاتے ہیں جبکہ مشائخ عظام اسے نار جہنم اور اس کی مہلکات ودرکات ومشکلات سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ۱/۲۶۱)

(صحبت شیخ کے آداب وشرائط اور فوائد وبرکات البینات شرح مکتوبات جلد سوم مکتوب ۸۴ اور سعادت العباد شرح مبداء ومعاد منہا ۱۰ میں ملاحظہ ہوں)

نجاسات باطنه ایشاں تلوثے بصاحب توجه نیز سی دود

نجاستوں کی تطہیر کے دوران آلودگی صاحب توجہ پر بھی پڑ جاتی ہے

وتا زمانے مکدرمی دارد پیراست که بتوسل اوبخدامی

اور ایک عرصہ تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے توسل سے خدا عزوجل

رسند عزوجلّ که فوق جمیع سعادات دنیویه واخرویه

تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے

است پیراست که بوسیلهٔ اونفس اماره که بالذات

فوق ہے پیر ہی ہے جس کے وسیلہ سے نفس امارہ جو بالذات

خبیث ست مزکی ومطهر میگردد و از امارگی باطمینان

خبیث ہے تزکیہ شدہ اور پاک ہو جاتا ہے اور امارگی سے اطمینان تک

می رسد و از کفر جبلّی باسلام حقیقی می آید

پہنچتا ہے اور جبلی کفر سے اسلام حقیقی تک آ جاتا ہے۔

ع گر بگویم شرح ایں بے حد شود

اگر میں اس کی شرح کروں تو بے حد ہو جائے

پس سعادت خود را در قبول پیر باید دانست وشقاوت

پس اپنی سعادت کو پیر کی قبولیت میں جاننا چاہئے اور

خود را در رد او **نعوذ بالله سبحانه من ذٰلک** رضائے حق

اپنی بدبختی کو اس کے رد کرنے میں ہم اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سبحانہ را در پس پردہ رضائے پیرماندہ اند تا مرید در

حق سبحانہ کی رضا کو رضائے پیر کے پس پردہ رکھا گیا ہے

مراضی پیرخود را گم نسازد بمرضیات حق سبحانہ نرسد

جب تک مرید خود کو پیر کی رضا مندیوں میں گم نہ کر دے حق سبحانہ کی

آفت مرید در آزار پیراست ہر زلتے کہ بعد آں باشد

مرضیات تک نہیں پہنچ سکتا مرید کی آفت پیر کی آزار میں ہے ہر لغزش

تدارک آں ممکن ست اما آزار پیر را ہیچ چیز تدارک

جو اس کے بعد ہو اس کا تدارک ممکن ہے لیکن پیر کے آزار کا کوئی چیز

نمی تواں نمود آزار پیر بیخ شقاوت ست مر مرید را

تدارک نہیں کر سکتی پیر کی ناراضگی مرید کے لئے شقاوت کی بنیاد ہے

عیاذاباللہ سبحانہ من ذالک خللے در معتقدات اسلامیہ

اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ اسلامی اعتقادات میں خلل اور احکام شرعیہ

وفتورے دراتیان احکام شرعیہ از نتائج وثمرات آنست

کی بجا آوری میں فتور اس (آزار پیر) کے نتائج و ثمرات میں سے ہے

از احوال و مواجید کہ بباطن تعلق دارد خود چہ گوید

احوال و مواجید جو باطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں کے متعلق کیا کہیں

واثرے از احوال اگر با وجود آزار پیر باقی ماند از استدراج

اور احوال کا کوئی اثر اگر آزار پیر کے باوجود باقی ہو اسے استدراج

بایدشمرد کہ آخر بخرابی خواہد کشید وغیر از ضرر

شمار کرنا چاہئے جو بالآخر خرابی کھینچ لائے گا اور ضرر کے سوا

نتیجہ نخواہد داد والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

کوئی نتیجہ نہیں دے گا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

مِنہا-۳۹

قلب از عالم امر است او را بعالم خلق تعلق و تعشق

قلب عالم امر سے ہے اس کو عالم خلق سے تعلق اور تعشق

داده بعالم خلق فرود آورده اند و بمضغه که درجانب چپ

دے کر عالم خلق کی طرف نیچے لائے[1] اور مضغہء گوشت جو

ست تعلق خاص بخشیده اند دررنگ آنکه پادشاه را

بائیں پہلو میں ہے کے ساتھ خاص تعلق بخشا گیا۔اس طرح کہ بادشاہ کو

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز عالم امر اور عالم خلق کے لطائف کا باہمی تعلق اور ان کے مقامات کی نشان دہی فرمارہے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالم امر اور عالم خلق اور ان کے لطائف کی تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔و باللہ التوفیق

عالم امر

فاضل اجل حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ عالم امر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ماوجد عن الحق بغیر سبب ویطلق بازاء الملکوت یعنی جہاں سب کچھ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے بغیر کسی سبب کے وجود میں آئے ،اس پر عالم

بکناس تعشق پیدا شود وبسبب آں در منزل کناس نزول نماید
خاکروب کے ساتھ عشق پیدا ہو اور اس وجہ سے وہ خاکروب
وروح کہ الطف از قلب است از اصحاب یمین ست
کے گھر نزول فرمائے اور روح جو قلب سے بہت زیادہ لطیف ہے اصحاب
ولطائف ثلثہ کہ فوق لطیفہ روح اند بشرف " خیر الامور
یمن میں سے ہے اور تین لطائف جو لطیفہء روح سے بالا ہیں خیر الامور اوسطہا

ملکوت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۱۹)

عالم امر کا ظہور کلمہ کن سے ہوا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون (یٰسین ۸۲) سے عیاں ہے یعنی مادہ ومقدار اور ترکیب عناصر سے خالی اور فقط امر کن سے پیدا ہونے والی مخلوق پر عالم امر کا اطلاق ہوتا ہے جیسے انسانی ارواح، ملائکہ اور لطائف مجردہ وغیرہا۔ عالم امر کو عالم غیب، عالم ارواح، عالم لاہوت اور عالم جبروت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سب کے مجموعے کو عالم مجردات کہا جاتا ہے۔

عالم خلق

فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ عالم خلق کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ماوجد عن السبب ویطلق بازاء عالم الشہادۃ یعنی وہ عالم جہاں سب کچھ سبب کے ذریعے وجود میں آئے اس پر عالم شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

(کتاب التعریفات:۱۱۹)

اوسطها " مشرف اند ہرچند لطیف تر بوسط مناسب تر

کے شرف سے مشرف ہیں جتنے لطیف تر اتنے ہی وسط کے ساتھ

الا ان السر والخفی علی طرفی الاخفیٰ احدھما علی الیمین

مناسب تر ہاں یقیناً سر اور خفی، اخفیٰ کی دونوں طرف ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک

والأخر علی الشمال ونفس مجاور حواس ست تعلق بدماغ

دائیں اور دوسرا بائیں واقع ہے اور نفس حواس کا مجاور ہے جو دماغ

مختصر یہ کہ مادہ ومقدار اور ترکیب عناصر سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق کہا جاتا ہے جیسے عناصر اربعہ اور ارضیات وغیرہا...... عالم خلق کو، عالم اسباب، عالم اجسام اور عالم ناسوت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سب کے مجموعے کا نام عالم مادیات ہے۔ غرضیکہ عالم خلق، کائنات مادی پر مشتمل ہے جس میں ترتیب وتدریج ہے اور جس کی تخلیق میں زمانہ صرف ہوا جیسا کہ آیہ کریمہ ھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام (الحدید ۴) سے واضح ہے۔

واضح رہے کہ آیہ کریمہ الا لہ الخلق والامر (الاعراف ۵۴) میں عالم خلق اور عالم امر کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

لطیفہ

حضرت علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لطیفہ کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں النفس الناطقه هی الجوهر المجرد عن المادة یعنی یہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے خالی ہوتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۷) اسے لطیفہ انسانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۸۳) انسانی جسم میں محلِ نور کو لطیفہ کہتے ہیں۔

دارد وترقی قلب منوط ست بوصول اودرمقام روح و

سے تعلق رکھتا ہے اور قلب کی ترقی منحصر ہے اس کے وصول پر مقام روح میں

بمقام ما فوق روح وہمچنیں ترقی روح وما فوق اوسربوط

اور روح سے بالا مقام تک اسی طرح روح اورا س کے مافوق کی ترقی

ست بوصول آنہا بمقامات فوقانی لیکن ایں وصول در

مربوط ہے ان کے مقامات فوقانی تک وصول پر لیکن یہ وصول ابتداء

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی تحقیق کے مطابق انسانی جسم اجزائے عشرہ سے مرکب ہے جن کو لطائف عشرہ بھی کہا جاتا ہے ان میں سے پانچ لطائف عالم خلق کے ہیں اور وہ عناصر اربعہ (خاک، باد، نار، آب) اور لطیفہء نفس ہیں جن کا تعلق عرش کے نیچے کی مخلوقات کے ساتھ ہے۔

جبکہ بقیہ پانچ لطائف عالم امر کے ہیں اور وہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں۔ ان لطائف کا تعلق عرش سے اوپر کی مخلوقات کے ساتھ ہے گو ان لطائف کا وطنِ اصلی فوق العرش (عالم ارواح) کے ساتھ ہے مگر ان کے تعینات وجود انسانی میں جدا جدا مقام رکھتے ہیں۔

لطیفہء قلب

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی میں بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے۔ اس کی فناء، قلب پر حق تعالیٰ کی تجلی فعل کا ظہور ہے جس کی علامت، ذکر کے وقت ماسوی اللہ کا نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت ہے (اگر چہ تھوڑی دیر کیلئے ہو) اس کی تاثیر رفع غفلت اور دفع شہوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس

ابتداء بطریق احوال است ودرانتہاء بطریق مقام وترقی

میں بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہاء میں بطریق مقام اور نفس

نفس برسیدن اوست درمقام قلب بطریق احوال درابتدا و

کی ترقی اس کی مقام قلب میں رسائی ہے ابتداء میں بطریق احوال اور

بطریق مقام در انتہا ودرآخر کار ایں لطائف ستہ بمقام اخفیٰ

انتہاء میں بطریق مقام اور آخر کار یہ چھ لطائف مقام اخفیٰ

لطیفہ کا نورزرد ہے آیہ کریمہ ان فی ذالك لذكرىٰ لمن كان له قلب (ق ۳۷) میں اس اصطلاح کا بیان ہے۔

لطیفہ روح

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی کے سینے میں دائیں پستان کے نیچے دوانگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے اس کی فنا روح پر حق تعالیٰ کی تجلی صفات کا ظہور ہے جس کی علامت ذکر کے وقت کیفیات ذکر (قلبی وروحی) میں اضافہ وغلبہ ہے۔ اس کی تاثیر غصہ وغضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں اصلاح وسکون کی کیفیت کا ظہور ہے اور اس کا نور سرخ ہے۔ آیہ کریمہ قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل ۸۵) میں روح کا تذکرہ ہے۔

لطیفہ سر

اس لطیفہ کا مقام انسان کے سینے میں بائیں پستان کے برابر دوانگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسطِ سینہ ہے۔ اس کی فنا لطیفہء سر پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے شیونات

می رسند وہمه باتفاق قصد طیران عالم قدس می نمایند

تک پہنچ جاتے ہیں اور تمام اکٹھے ہوکر عالم قدس کی طرف پرواز کا ارادہ

ولطیفه قالب را خالی وتہی میگزارند اما ایں طیران

کرتے ہیں اور لطیفہ قالب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ پرواز

نیز درابتدا بطریق احوال ست ودر انتہاء بطریق مقام

بھی ابتداء میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہاء میں بطریق مقام

واعتبارات کا ظہور ہے اور اس کی علامت ہر دو سابقہ لطیفوں کی مانند اس میں ذکر کا جاری ہونا اور کیفیات میں ترقی رونما ہونا ہے (یادر ہے کہ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے) اس کی تاثیر طمع اور حرص کے خاتمے نیز دینی امور کے معاملے میں بلا تکلف مال خرچ کرنے اور فکر آخرت کے جذبات کی بیداری سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور سفید ہے آیہ کریمہ فانه یعلم السرّ و اخفٰی (طٰہٰ ۷) میں لطیفہ سر و اخفی کا بیان ہے۔

لطیفہ خفی

اس لطیفہ کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسطِ سینہ ہے۔ اس کی فنا صفات سلبیہ تنزیہیہ کا ظہور ہے۔ اس کی علامت اس میں ذکر کا جاری ہونا اور عجیب وغریب احوال کا ظہور ہے۔ اس کی تاثیر حسد و بخل اور کینہ وغیبت جیسی اخلاقی امراض سے مکمل نجات حاصل ہو جانے سے ظاہر ہوتی ہے اس کا نور سیاہ ہے آیہ کریمہ ادعوا ربکم تضرعاً و خفیه (اعراف ۵۵) میں اس لطیفہ کا ذکر ہے۔

لطیفہ اخفیٰ

اس لطیفہ کا مقام جسم انسانی میں وسطِ سینہ ہے اس کی فنا مرتبہ تنزیہہ اور مرتبہء احدیت مجردہ کے درمیان ایک برزخی مرتبے کے ظہور و شہود سے وابستہ ہے اور یہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا مقام ہے۔

اس کی علامت اس لطیفہ میں بلا تکلف ذکر کا جاری ہونا اور قرب ذات کا احساس و شہود ہے۔ اس کی تاثیر تکبر، فخر وغرور اور خود پسندی جیسی مہلک روحانی امراض سے رہائی پانے اور مکمل حضور و اطمینان کے حصول سے ظہور پذیر ہوتی ہے، اس کا نور سبز ہے۔

لطیفہ نفس

یہ عالم خلق کا پہلا لطیفہ ہے، سلسلہ نقشبندیہ میں اس کا مقام وسطِ پیشانی یا ام الدماغ ہے، بعض صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا مقام زیر ناف ہے اگرچہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ارباب عرفان کے نزدیک ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے یوں تطبیق فرمائی ہے کہ اس کا سر ام الدماغ یا وسط پیشانی ہے اور اس کا قدم متصل زیر ناف ہے (اہل کشف کے نزدیک ہر دو مقام نفس کے لحاظ سے برابر ہیں) اس کا نور سبز اور نیلگوں ہے۔ اس کی تاثیر نفسانیت اور سرکشی کے مٹ جانے، عجز و انکساری کا مادہ پیدا ہونے اور ذکر میں ذوق وشوق بڑھ جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہء قالبیہ

یہ عالم خلق کا بظاہر دوسرا لطیفہ ہے لیکن درحقیقت چاروں لطائف (باد، آب،

نار، خاک) پر مشتمل ہے۔اس کا مقام سارا قالب (جسم) ہے (بعض کے نزدیک متصل ناف ہے) اس کی علامت ہر ہر جز و بدن اور بال بال سے ذکر کا جاری ہو جانا ہے۔اس کی تاثیر رذائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پا لینے سے ظاہر ہوتی ہے اس کا نور آتش نما ہے۔

واضح رہے کہ لطائف عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے اور لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔عالم امر کے پانچوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کو عالم خلق کے کسی نہ کسی لطیفہ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے مثلاً لطیفہء قلب کو لطیفہ نفس کے ساتھ، لطیفہ روح کو لطیفہ آب کے ساتھ، لطیفہ سر کو لطیفہ باد کے ساتھ، لطیفہ خفی کو لطیفہ نار کے ساتھ اور لطیفہ اخفیٰ کو لطیفہ خاک کے ساتھ۔

جسم انسانی میں لطائف کی تعیین

صوفیائے کرام نے لطائف کے جن مقامات کی تخصیص و تعیین فرمائی ہے اس کی تائید میں درج ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو!

ثم وضع يده على ناصية ابى محذورة ثم امرها على و جهه من بين ثدييه ثم على كبده ثم بلغت يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم سرة ابى محذورة ثم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم بارك اللّٰه لك و بارك عليك يعنی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کی پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھا پھر اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے پھر ان کے جگر پر لے گئے پھر آپ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔

(ابن ماجہ باب ترجیع فی الاذان ۵۲)

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے سر سے لیکر ناف تک ہاتھ پھیرا اور برکت کیلئے دعا فرمائی۔ ارادی طور پر جسم کے اتنے حصے پر ہاتھ مبارک پھیرنا کسی طرح بھی حکمت سے خالی نہ تھا جیسا کہ اہل بصیرت پر ظاہر ہے جب کہ جسم کا یہی حصہ لطائف کے مقامات کا حصہ ہے۔ بہر حال حدیث سے ان مقامات کا اہم اور متعین و مبارک ہونا ثابت ہو گیا۔

لطیفہ جاری ہونے کا مطلب

کسی بھی لطیفہ میں ذکر جاری ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مضغہ ء گوشت یا لطیفہ کا مقام جنبش و حرکت کرتا ہے بلکہ ''حرکت ذکر از دل بہ سمع خیال برسد ''یعنی دل سے ذکر کی حرکت خیال کے کانوں تک پہنچتی ہے اور خیال کے کان دل کا ذکر (لفظ اللہ کا تکرار) سنتے ہیں۔

بعض مشائخ مبتدی کیلئے مضغہ ء گوشت کی ظاہری طور پر حرکت و جنبش کو ضروری سمجھتے ہیں اور اسی طریق پر مریدین کو ذکر القاء کرتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہی ہے کہ ذکر قلبی وغیرہ میں مقام لطیفہ کی حرکت ضروری نہیں۔ حضور قلبی (یعنی غفلت کا نہ رہنا) اور اخلاص کے ساتھ اور حضور مع اللہ ہی لطیفہ جاری ہونے کی ضروری علامت ہے وھو المقصود۔ ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا ہے حقیقۃ الذکر رفع الغفلۃ یعنی ذکر کی حقیقت غفلت کا نہ رہنا ہے۔

(مزید تفصیلات کیلئے البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب 1 ملاحظہ ہو)

و یحصل الفناء وموتے کہ پیش ازموت گفتہ اند
اور اس وقت فنا حاصل ہو جاتی ہے اور وہ موت جسے پیش از موت کہتے ہیں [۲]
عبارت ازیں جدائی لطائف ستہ است از لطیفہ قالب و
چھ لطائف کی اس جدائی سے عبارت ہے لطیفہ قالب سے
سر بقائے حس و حرکت در قالب بعد از مفارقت اینہا
قالب میں اس مفارقت کے بعد حس و حرکت کی بقا کا راز دوسری جگہوں پر

[۲] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز صوفیائے کرام کے مقولہ موتوا قبل ان تموتوا کی وضاحت فرمارہے ہیں

اہل اللہ موتوا قبل ان تموتوا کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور فنا نسیان ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے جو آفاقی معبودان باطلہ اور خواہشات نفسانیہ سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس کے متعلق معارف لدنیہ میں یوں رقمطراز ہیں

معروف موت (طبعی موت) سے پہلے مرجانا لطائف ستہ قالبیہ سے جدا ہو جانا ہے اور وہ یوں ہے کہ سالک کا نفس ترقی کر کے مقام قلب تک پہنچتا ہے اور پھر یہ دونوں مل کر مقام روح تک اور پھر یہ تینوں مقام سر تک پھر چاروں مل کر مقام خفی تک پھر پانچوں مل کر مقام اخفیٰ تک پہنچتے ہیں پھر سارے ملکر عالم قدس (وطن اصلی) کی طرف پرواز کر جاتے ہیں اور لطیفہ قالبیہ کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن ابتداء میں یہ پرواز بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہاء میں بطریق مقام اور اس جدائی کے باوجود قالب میں حس وحرکت باقی رہتی ہے۔

اس حقیقت کو عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بزبان پنجابی

درجاہائے دیگر بیان کردہ شدہ است ازانجا باید طلبید
بیان کر دیا گیا ہے وہیں تلاش کرنا چاہئے
ایں ورق گنجایش تفصیل ندارد باشارہ و رموز سخن
یہ ورق تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اشارہ و رموز سے
می رود لازم نیست کہ جمیع لطائف درمقامے جمع
باتیں چل رہی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ تمام لطائف ایک مقام میں

یوں قلم بند فرمایا ہے

تن حویلی تے توں وچہ بیلی جان مکان تمہارا

میں مر چکی آں سچ کر منیں سیف ملوکا یارا

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ موت کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

(الموت) صفة وجودية خلقت ضدالحياة وباصلاح اهل الحق قمع هوى النفس فمن مات باصطلاح فقد حى بهداه یعنی موت ایسی صفت وجودیہ ہے جو حیات کی ضد پیدا کی گئی ہے اور اہل حق کی اصطلاح میں نفسانی خواہشات کے ختم ہو جانے کو موت کہا جاتا ہے جس شخص کی نفسانی خواہشات مرجائیں وہ ہدایت کے ساتھ حی ہو جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۴)

موتوا قبل ان تموتوا

موت تفرقہ ہیئت اجتماعیہ کا نام ہے اور موت کی دو قسمیں ہیں

موت اضطراری اور موت اختیاری

شـوندواز آنجا طیران نمایند۔ گاہ باشد کہ قلب وروح ہر

جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب و روح

دو باتفاق ایں کار کنند و گاہے ہرسہ و گاہے ہر چہار

دونوں ملکر یہ کام کرتے ہیں اور کبھی تینوں اور کبھی چاروں

وآنچہ اول مذکور شد اتم واکمل است ومخصوص ست

اور وہ جو پہلے مذکور ہوا اتم و اکمل ہے اور مخصوص ہے

بولایت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات

ولایت محمدی کے ساتھ ان پر اور ان کی آل پر صلوات و تسلیمات ہوں

مفارقت روح از بدن (روح کا بدن سے جدا ہونا) موت اضطراری ہے
خواہشات نفس کا مقاطعہ، لذات جسمانیہ سے اعراض اور گناہوں سے کامل توبہ
موت اختیاری ہے اور موتوا قبل ان تموتوا سے اسی موت کی طرف اشارہ ہے۔

موت اختیاری کی اقسام

اس موت کی چار قسمیں ہیں

۱......موت ابیض (سفید موت)
۲......موت اسود (سیاہ موت)
۳......موت احمر (سرخ موت)
۴......موت اخضر (سبز موت)

موتِ ابیض

یعنی بھوک، پیاس اور نیند پر قابو پالینا چونکہ اس موت سے اشراقیت بڑھتی ہے
لہٰذا اسے سفید موت کہہ دیتے ہیں۔

وماعدائے اوقسمے ازاقسام ولایت است وچوں آں لطائف
اور اس کے علاوہ ولایت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے
ستہ بعداز مفارقت از قالب ووصول بمقام قدس وتلون
اور جب وہ چھ لطائف قالب سے جدائی اور مقام قدس تک رسائی
بصبغ آں اگر بقالب بازرجوع نمایند وتعلق پیدا کنند
اور اس کے رنگ کے ساتھ متلون ہونے کے بعد اگر قالب کی طرف پھر رجوع

موت اسود

یعنی دونوں جہاں سے منہ پھیر لینا جیسا کہ فرمایا گیا الفقر سواد الوجہ فی الدارین (فقر دارین سے منہ کالا کرلینا (پھیر لینا) ہے۔ چونکہ دونوں جہاں سے آنکھ بند کرلی جاتی ہے لہٰذا اسے سیاہ موت کہتے ہیں۔

موت احمر

یعنی خواہشات ولذات دنیویہ کو قربان کر کے ان پر غلبہ پالینا اور ان کا خون بہا دینا۔ چونکہ یہ قربانی خواہشات کا خون کر کے سرخروئی کا باعث بنتی ہے لہٰذا اسے سرخ موت کہتے ہیں۔

موت اخضر

یعنی آئندہ کیلئے امیدوں اور امنگوں پر پانی پھیر دینا اور طول امل (لمبے منصوبے) کو خیر باد کہہ دینا۔ چونکہ اس سے سالک کی خوشحالی اور سرسبزی کا آغاز ہوتا ہے لہٰذا اسے سبز موت قرار دیا گیا۔ (سردلبراں، کتاب التعریفات)

سوائے تعلق حبی وحکم قالب گیرند وبعدامتزاج یك

کرتے ہیں اور تعلق پیدا کر لیتے ہیں سوائے حبی تعلق کے اور قالب کا حکم اختیار

قسم فنائے پیدا کنند وحکم میت بگیرند دریں وقت

کر لیتے ہیں اور اختلاط کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کرتے ہیں اور میت کا حکم

بتجلی خاص متجلی گردند وازسرحیات پیدا کنند و

پکڑتے ہیں اس وقت خاص تجلی سے متجلی (منور) ہو جاتے ہیں [3] از سر نو

بمقام بقا باللہ متحقق شوند ومتخلق باخلاق اللہ گردند

حیات پیدا کرتے ہیں اور بقا باللہ کے مقام کے ساتھ متحقق ہو جاتے ہیں اور خدائی

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب سالک کو فنا کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ تجلی خاص سے منور اور اخلاق الٰہیہ سے مزین ہو جاتا ہے اور مقام بقا باللہ میں رسوخ پیدا کر لیتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو اس مقام پر فائز المرام سالک سے عامۃ الناس کی رشد و ہدایت مقصود نہ ہو تو اسے عالم دنیا کی طرف واپس نہیں لوٹایا جاتا، اس قسم کے اولیاء کو اولیائے عزلت کہا جاتا ہے اور جن صوفیاء کو نبوت کی نیابت وخلافت پر متمکن فرما کر عامۃ المسلمین کی دعوت وتبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام لیا جاتا ہے انہیں اولیائے عشرت کہا جاتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

دریں وقت اگر آں خلعت را بخشیدہ بعالم باز گردانند

اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اسے خلعت بخش کر

معاملہ از دنو بتدلی خواہد انجامید ومقدمہ تکمیل پیدا

عالم کی طرف لوٹا دیں تو معاملہ دنو سے تدلی تک انجام پا جائے گا اور تکمیل

خواہد شد واگر بعالم باز نہ گردانند وتدلّی بعد دُنُو

کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا اور اگر عالم کی طرف نہ لوٹائیں اور دنو کے بعد

حاصل نشود از اولیائے عزلت خواہد بود وتربیت

تدلی حاصل نہ ہو تو اولیائے عزلت سے ہو جائے گا اور طالبوں کی

طالبان وتکمیل ناقصان از دست اونخواہد آمد این سمت

تربیت اور ناقصوں کی تکمیل اس کے ہاتھوں نہیں ہو گی یہ ہے کہانی

حدیث بدایت ونہایت بطریق رمز واشارہ اما فہمیدن

بدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اس کا سمجھنا

آں بغیر قطع ایں منازل محال است والسلام علیٰ من اتبع

ان منازل کے قطع کیے بغیر محال ہے اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے

الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

اور حضرت مصطفےٰ کی متابعت کو لازم جانے آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو۔

منہا-۴۰

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازازل تا ابد بیک کلام متکلم

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے

ست آن کلام متبعض ومتجزی نیست چہ سکوت

وہ کلام ٹکڑا اور جز نہیں ہے کیونکہ خاموشی

وخرس درحق او تعالیٰ محال ست چہ عجب ہر گاہ از

اور گونگا پن اس تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیا عجب ہے کہ

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے عروجات میں فرق بیان فرمارہے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں۔
وباللہ التوفیق

معراج نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات جسمانی ہے

لفظ معراج عروج سے مشتق ہے جس کا معنی بلندی اور معراج کا معنی سُلَّم (سیڑھی) ہے اور یہ لفظ "حدیث معراج" سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرج بی الی السماء یعنی مجھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳۴ بار معراج نصیب ہوئی جن میں سے ۳۳ بار

ازل تا ابد در آنجا آن واحد باشد اذ لایجری علیه سبحانه

ازل سے ابد تک وہاں آنِ واحد ہو کیونکہ اس سبحانہ پر

زمان در آن واحد غیر از کلام واحد بسیط چه بوقوع آید

زمانہ جاری نہیں ہوتا آنِ واحد میں سوائے کلام واحد بسیط کے کیا واقع

و آن کلام واحد منشاء چندین اقسام کلام گشته است

ہو سکتا ہے اس کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں

روحانی اور ایک مرتبہ جسمانی معراج سے مشرف ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے متعلق علمائے متکلمین اہلسنت رقمطراز ہیں:

والمعراج لرسول اللّٰه علیه السلام فی الیقظة بشخصه الی السمآء ثم الی ماشآء اللّٰه تعالٰی من العلٰی حق یعنی رسول اللہ علیہ السلام کو حالت بیداری میں جسم اقدس کے ساتھ آسمان کی طرف پھر وہاں سے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا معراج ہونا حق و ثابت ہے۔ (شرح عقائد)

اہل اللہ کا باطنی عروج

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو روحانی پرواز اور باطنی طیر نصیب ہوتی ہے کہ ان کا جسم زمین پر ہوتا ہے اور ان کی روح لامکاں میں محو پرواز ہوتی ہے۔ حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا

صورتش بر خاک و جاں در لا مکاں
لا مکانے فوق وہمِ سالکاں

باعتبار تعدّد تعلقات مثلاً اگر بمامور تعلق گرفته است

تعدد تعلقات کے اعتبار سے مثلاً اگر مامور کے ساتھ تعلق قائم ہے

امر ناشی شده واگر بمنہی نہی نام یافته واگر باخبار

تو امر پیدا ہوا اور اگر منہی کے متعلق ہو تو نہی نام پایا اور اگر اخبار سے

دونوں معراجوں میں فرق

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز معراج نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات اور عروج اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تمیز و تفریق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جسکا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

معراج سے مراد قرب حق ہے پس انبیائے عظام علیہم الصلوات کی معراج، جسم وبدن کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والغفر ان کی معراج ہمت، روح وارادہ کے ساتھ مخفی طور پر ہوا کرتی ہے۔ انبیائے عظام کے ظاہری اجسام مقدسہ صفاوطہارت وقربت میں اولیائے کرام کے قلوب وبطون کی مانند ہوتے ہیں اور یہ فضیلت ظاہر ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ ولی کو حال میں مغلوب ومست کر دیتے ہیں اوراس کے باطن کواس سے غائب اور قرب حق سے آراستہ کر دیتے ہیں اور جب وہ حالت صحو میں لوٹتا ہے تو جملہ دلائل اس کے قلب پر نقش ہوتے ہیں اوران کا علم اسے حاصل ہو جاتا ہے جبکہ نبی کریم علیہ السلام کے جسم اقدس کو قرب میں لے جایا جاتا ہے اور ولی کے فقط فکر کو...... فلہٰذا جسمانی معراج اور فکری معراج میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ماخوذ از کشف المحجوب فارسی ۲۶۰)

خبر پیدا گشته غایة مافی الباب اخبار از ماضی واستقبال

تعلق ہو تو خبر پیدا ہوئی۔ اس کے متعلق غایت یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی

جمعے را در اشکال می اندازد واز تقدّم وتاخّر دالّ بتقدّم

خبر دینا لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے دال کا تقدم و تاخر مدلول کے تقدم

وتاخّر مدلول می برد ولا اشکال زیرا کہ ماضی واستقبال

و تاخر کی طرف لے جاتا ہے اور یہ کوئی اشکال نہیں کیونکہ ماضی اور مستقبل

شیخ الاسلام شیخ ابوالحسن رفاعی قدس سرہ العزیز کی روحانی پرواز

حضرت شیخ اپنی روحانی طیر اور باطنی سیر کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں صعدت فی الفوقانیات الٰی سبع مائة الف عرش فقیل لی ارجع لا وصول لك الی العرش الذی عرج الیه محمد صلی اللّٰه علیه وسلم یعنی ایک مرتبہ میں نے فوقانیات میں سات لاکھ عرش کی طرف پرواز کی تو مجھے کہا گیا واپس لوٹ جاؤ تم اس عرش تک نہیں پہنچ سکتے کہ جہاں تک شب معراج حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تھے۔ (نبراس ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ)

سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز کی روحانی معراج

حضرت شیخ بسطامی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابتدائے احوال میں وحدانیت کی طرف سیر کی تو میں نے دیکھا کہ میرے باطن کو آسمان پر لے گئے اور اس نے رستہ میں کسی چیز کی طرف نگاہ نہ کی، بہشت و دوزخ اسے دکھائے گئے تو بھی اس نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی اور جب مجھے کائنات عالم

از صفات مخصوصۂ دوالّ ست کہ باعتبار انبساط آن آن
دلالت کرنے والوں کی مخصوص صفات ہیں جو اس آن کے انبساط کے اعتبار
پیدا شدہ است ودر مرتبہ مدلول چون آن آن بحال
سے پیدا ہوئی ہیں اور مدلول کے مرتبہ میں جب وہ آن اپنے حال
خود ست وہیچ انبساطے پیدا نہ کردہ است ماضی و
پر ہے اور کسی قسم کا انبساط پیدا نہیں کیا ہے تو ماضی اور

اور حجابات سے آگے لے گئے تو

فصرت طیرا جسمه من الاحدیة و جناحه من الدیمومیة فلم ازل الطیر فی هواء الهویة حتی الی هواء التنزیه ثم اشرفت علی میدان الازلیة ورأیت شجر الاحدیة فنظرت فعلمت ان هذا کله حد غیره یعنی میں ایک پرندہ ہوگیا جس کا جسم احدیت سے تھا اور اس کے پر دیمومیت (قدم) سے، میں تنزیہہ کی ہوا میں اڑتا رہا حتی کہ میں ازلیت کے میدان میں جا پہنچا اور میں نے احدیت کے شجر کو دیکھا جب میں نے اسے بنظر غائر دیکھا تو مجھے علم ہوا کہ وہ سب کچھ اس کا غیر ہے یعنی سب کچھ میں ہی تھا۔ گفتم بارخدایا با منی مرا بتو راہ نیست واز خودی خود ما را گذر نہ ما را چہ باید کردن فرمان آمد کہ یابا یزید خلاص تو از توئی تو اندر متابعت دوست ما بستہ است دیدہ را بخاک قدم وی اکتحال کن وبر متابعت وی مداومت کن یعنی میں نے عرض کیا بارخدایا! جب تک میری انا موجود ہے تیری طرف رستہ ملنا محال ہے میں اپنی انا (خودی) سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکا مجھے کیا کرنا چاہئے......؟ تو حکم ہوا کہ ''اے بایزید انا سے رستگاری

استقبال را گنجائش نیست ارباب معقول گفته اند که
مستقبل کی گنجائش نہیں ہے۔ ارباب معقول کہتے ہیں کہ
ماہیت واحدہ را باعتبار وجود خارجی لوازم علیحدہ
ماہیت واحدہ کے خارجی وجود کے اعتبار سے لوازمات الگ ہیں
است وباعتبار وجود ذہنی صفات جدا ہر گاہ درشئے
اور وجود ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا جب ایک شئی میں

ہمارے دوست (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے وابستہ ہے ان کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا اور ان کی اتباع میں استقامت گزیں ہو جا۔
(ماخوذ از کشف المحجوب ۲۶۰)

کلام...... حقیقی صفت ہے

صفت کلام، اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے جس کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

کلام بسیط ہے جو ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ ناطق ہے۔ اگر ''امر'' ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے...... اور اگر ''نہی'' ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے...... اور اگر خبر ہے تو بھی وہیں سے ماخوذ ہے...... اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے...... اگر تمنی یا ترجی ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے...... تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس ''کلام بسیط'' کا ایک ورق ہیں...... اگر ''توریت'' ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے...... اور ''انجیل'' ہے تو اس نے بھی وہیں سے صورت لفظی حاصل کی ہے...... اور اگر ''زبور'' ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے...... اور اگر ''فرقان'' ہے

واحد تباین صفات ولوازم باعتبار تغایر وجود وہویت

صفات و لوازمات کا تباین ، وجود و ہویت کے تغایر کے اعتبار سے

جائز باشد درداں ومدلول کہ فی الحقیقت ازیك دیگر

جائز ہوا تو دال اور مدلول جو در حقیقت ایک دوسرے سے

جدا اند بطریق اولٰی مجوزباشد وآنکہ گفتہ شد کہ از

جدا ہیں بطریق اولٰی جائز ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے

تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔

والله کلام حق کہ علی الحق یکے ست و بس

پس در نزول مختلف آثار آمدہ

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۶۶ دفتر اول)

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ العزیز اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

کلام الٰہی کے مسئلہ میں اہل سنت وجماعت شکر اللّٰہ تعالیٰ سعیھم کا مذہب یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی بسیط حقیقی کلام کے ساتھ متکلم ہے، تکثر اور تفصیل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اسی ایک بسیط کلمہ سے امرونہی پیدا ہوئے ہیں اور اسی ایک کلمہ بسیط سے استفهام ، تمنی ، ترجی ، اخبار ، وعید اور وعدہ صادر ہوا ہے اور یہ وہی کلمۂ بسیط ہے کہ جس نے فرقان اور توریت کا نام پایا ہے اور زبور وانجیل کے ساتھ تفصیل اختیار کی ہے۔

اس مقام میں ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ عنہ کا ایک منفرد

ازل تا ابد آن واحد ست ازتنگی عبارت است والّا آن
ابد تک آن واحد ہے عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی
نیز آنجا گنجایش ندارد آن ہم در رنگ زمان اینجا ثقیل
وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ وہ (آن واحد) بھی زمانے کی مانند یہاں
است باید دانست ممکن که درمقامات قرب الٰہی
گراں ہے۔ جاننا چاہئے جو ممکن ہو قرب الٰہی

قول اور تحقیق کے بعد ایک تدقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام الٰہی جل شانہ میں اجمال وعدم تجزی کے باوجود تفصیل بھی ثابت ہے اور وسعت وتمیز بھی موجود ہے۔ وہ بسیط ہونے کے باوجود امر، نہی سے ممتاز اور اخبار، انشاء سے جدا ہے جیسا کہ ہم مرتبۂ ذات تعالیٰ میں اجمال کے باوجود تفصیل و وسعت کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ وسعت وتفصیل بھی صفات کمال میں سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ وتقدس نے فرمایا ہے: واللّٰه واسع علیم۔

جاننا چاہئے کہ ہم اس مرتبۂ عالیہ میں جس اجمال وتفصیل کا اثبات کرتے ہیں، یہ وہ اجمال وتفصیل نہیں ہے جو ہماری سمجھ میں آ جائے اور ہم اس کا ادراک کرلیں کیونکہ اس سے ٹکڑے اور اجزاء ہونا لازم آتا ہے تعالی اللّٰه عن ذالك علوا كبيرا بلکہ یہ اجمال وتفصیل بھی ذات وصفات کی طرح بیچون وبچگون ہے ہے عرفت ربی بجمع الاضداد اور یہ معرفت اگرچہ طریقہ عقل کے ماوراء ہے لیکن صحیح کشف اور صریح الہام سے اس کی تائید ہوچکی ہے اور جس تمیز کی علمائے کرام نے نفی کی ہے، یہ وہ تمیز ہے جو کہ چون وچند کی قسم سے ہے کہ یہ بسیط ہونے کے منافی ہے۔

چونکہ اس بارگاہ میں لفظ اجمال و وحدت کو لفظ تفصیل وکثرت کے مقابلہ میں

جلّ سلطانه پا از دائرهٔ امکان بیرون می نهد ازل وابد را

جل سلطانہ کے مقامات میں امکان سے باہر قدم رکھتا ہے ازل اور ابد کو

متّحد می یابد حضرت رسالت خاتمیت علیه وعلیٰ اله

متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت خاتمیت آپ پر اور آپ کی آل پر

الصلوٰة والسلام والتحية درشب معراج درمقامات عروج

درود و سلام و تحیت ہوں نے شب معراج عروجی مقامات میں

زیادہ مناسبت ہے اس لئے کہ تفصیل وکثرت کا لفظ ٹکڑے اور اجزاء ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے اسی لئے (بزرگوں نے) اس بلند بارگاہ پر اطلاق کیلئے لفظ اجمال ووحدت کو اختیار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس اجمال وتفصیل سے جو کہ ہماری سمجھ میں آتی ہے منزہ ومبراہے اور اگر ہم بے چون وحدت ووسعت کے الفاظ اختیار کریں تو دونوں ثابت ہیں فافھم ولا تکن من القاصرین (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۶۷ دفتر اول)

کلام کی دو قسمیں

متکلمین کے نزدیک کلام حق کی دو قسمیں ہیں:

۱......کلام لفظی ۲......کلام نفسی

ان کے نزدیک کلام لفظی حادث ہے اور دال ہے کلام نفسی پر جو کہ قدیم اور اس کا مدلول ہے۔ نیز کلام لفظی سے مراد وہ کلام ہے جو حروف واصواتِ مرتبہ سے مرکب ہے۔ اس کلام کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ اس نسبت کی مانند نہیں جو کلام کو متکلم کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس نسبت کی طرح ہے جو مخلوق کو خالق کے ساتھ ہوتی ہے۔ لہٰذا کلام کی دونوں

یونس را دربطن ماہی یافت وطوفان حضرت نوح موجود

حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور طوفان نوح موجود تھا

بود علیہم الصلوٰۃ والسلام واہل بہشت را در بہشت

ان پر درود و سلام ہوں۔ جنتیوں کو بہشت میں دیکھا

دید ودوزخیاں را در دوزخ وبعداز پا نصد سال کہ نصف

اور دوزخیوں کو دوزخ میں اور پانچ سو سال بعد جو آدھا دن ہے

قسمیں حقیقت میں کلام حق جل وعلا ہیں۔ (البینات شرح مکتوبات جلداول مکتوب ۴)

کلام حق مشترک ہے کلام نفسی اور کلام لفظی کے درمیان، جس کو بلا واسطہ کسی امر کے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایجاد فرماتا ہے۔ لہٰذا کلام لفظی بھی حقیقت میں کلام حق جل وعلا ہوا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ فافهم فان هذا التحقيق ينفعك في كثير من المواضع والله سبحانه الموفق (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲)

کلام نفسی سے مراد کلام بسیط اور صفت قدیم ہے جو حروف واصوات سے پاک ہے امر ونہی اور اخبار وغیرہ کی طرف تقسیم نہیں ہوتا اور اس کا تعلق ماضی، حال اور استقبال کے ساتھ تعلقات اور اضافات کی بناء پر ہوتا ہے جیسے کہ علم، قدرت اور تمام صفات۔ (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

جیسا کہ علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

القرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق وهي صفة قديمة منافية للسكوت والأفة ليست من جنس الحروف والاصوات لاتختلف الى الامر والنهي والاخبار ولاتتعلق بالماضي والحال والاستقبال الّا بحسب التعلقات والاضافات كالعلم والقدرة (التوضیح والتلویح ۷۲)

یوم ست از زمان دخول بہشت عبدالرحمن بن عوف
دخول بہشت کے زمانہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو
کہ از اغنیائے صحابہ است علیھم الرضوان در بہشت
دولت مند صحابہ علیہم الرضوان میں سے ہیں بہشت میں
درآمد وحضرت پیغمبر از دیر آمدن او پرسیدند اواز
آئے تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دیر سے آنے کی وجہ دریافت

نیز حضرت مولانا امجد علی اعظمی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

اس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے اور مصاحف میں لکھتے ہیں اسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا، لکھنا اور یہ آواز حادث یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم...... اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم ہمارا سننا حادث ہے......اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم...... یعنی متجلی قدیم ہے اور تجلی حادث۔ (بہار شریعت حصہ اول)

کلام اللہ کے چار مراتب

بعض ارباب کشف نے کلام اللہ کے چار مرتبے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا مرتبہ: کلام لفظی، انہوں نے اس مرتبے کو بھی کلام اللہ ہی کہا ہے۔

دوسرا مرتبہ: صفۃ الکلام، یہ بھی کلام اللہ ہے۔

تیسرا مرتبہ: شان الکلام، یہ بھی کلام اللہ ہی ہے۔

چوتھا مرتبہ: شان الکلام سے بھی بلند مرتبہ ہے اور اس کو مرتبہ ذات میں اللّٰہ کلام

عقبات خود خبرداد این ہمہ در رنگ آن مشہود

فرمائی انہوں نے اپنے دشوار گذار رستوں کی خبر دی اور یہ سب کچھ آن

گشت ماضی و استقبال را گنجائش نبود و این حقیر را نیز

واحد کے انداز میں مشہود ہوا ماضی اور مستقبل کی گنجائش نہ تھی۔اس حقیر پر بھی

در بعضے از اوقات بصدقۂ حبیب اللّٰہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

بعض اوقات حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے صدقے میں

سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کلام اللہ کے سات بطون

بعض اہل باطن نے کلام اللہ کے سات مرتبے بیان فرمائے ہیں اور اپنے اس کشف کی بنیاد ایک حدیث مبارکہ پر رکھی ہے اور وہ یہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انزل القرآن علی سبعة احرف (مسند احمد ۲/۳۳۲) یعنی قرآن سات حرُوف پر نازل کیا گیا ہے۔

❁ ...... قراء کے نزدیک سات حروف سے مراد سات قرأتیں ہیں۔

❁ ...... اہل ظاہر کے نزدیک سات حروف سے مراد سات معانی ہیں۔

❁ ...... اہل باطن کے نزدیک سات حروف سے مراد سات بطون (مرتبے) ہیں۔

جیسا کہ حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کی تحقیق کے مطابق صراحت فرمائی ہے۔

چنانچہ اسی مکتوب کے تحت ''فائدہ'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

بدانکه کلام حضرت قرآن راہفت مرتبہ است ، سہ

این حالت پیدا شده بود ملائک را در عین سجود یافت
یہ حالت ظاہر ہوئی تھی کہ فرشتوں کو عین سجدہ میں پایا کہ وہ
کہ بحضرت آدم می کردند و ہنوز سر از سجدہ نہ برداشتہ
حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے ابھی تک انہوں نے سجدہ سے سر نہیں
بودند وملائک علّیین را ازین ساجدان جدا دید کہ
اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے جدا دیکھا کہ

مراتب وجوبی وچہار مراتب امکانی سہ مراتب این ست وجود کلام ، نور کلام وظہور کلام برمتکلم چہار مراتب امکانی اول نفس مدعا کہ حرف وصوت را اگرچہ نورانی باشند گنجائش نیست دوم حرف وصوت نورانی کہ بہرہ ازان بہ جبرائیل علیہ السلام شدہ چنانچہ مقرر است ان جبرائیل سمع صوتاً (الی اخرہ) این دومرتبہ اگرچہ مخلوق اند اما تصرف ہیچ مخلوقی را درین گنجائش نیست سیوم مرتبہ حرف وصوت جرمانی چنانچہ بیان حضرت جبرائیل علیہ السلام بہ کلام ملکی کہ غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع نداشت چہارم حرف وصوت جسمانی چنانچہ بیان حضرت علیہ السلام برصحابہ کرام باضافہ عام (مجموعۃ الاسرار مکتوب ۷۰)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کے کلام کے سات مرتبے ہیں ، تین مرتبے وجوبی اور چار مرتبے امکانی ۔ پہلے تین مراتب یہ ہیں ۔

اول ......وجود کلام

بسجده مامور نگشته اند ودر مشهود خود مستهلك و
جنہیں سجدہ کا حکم نہیں ہوا تھا اور وہ اپنے مشہود میں گم اور
مستغرق اند واحوالے که در آخرت موعود اند درہمان
مستغرق تھے اور جن احوال کا آخر میں وعدہ کیا گیا ہے
آن مشهود گشتند وچون مدتے برین واقعه گذشته بود
اسی آن میں مشہود ہوئے چونکہ اس واقعہ کو گذرے ایک عرصہ ہو گیا ہے

دوم......نورکلام

سوم......ظہورکلام متکلم پر

چار امکانی مرتبے یہ ہیں:

اول: نفس مدعا کہ جہاں حرف وآ واز اگر چہ نورانی ہوں گنجائش نہیں رکھتے۔

دوم: حرف وآ واز نورانی جس سے حضرت جبرائیل کو حصہ ملا چنانچہ کہا گیا کہ جبرائیل نے ایک آ واز سنی......الخ۔

سوم: حرف وآ واز جرمانی جیسا کہ حضرت جبرائیل کا فرشتوں کی زبان میں بات کرنا جس کی سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو کوئی اطلاع نہ تھی۔

چہارم: حرف وآ واز جسمانی جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیان کرنا۔

کلام کی تقسیم وبیان مراتب کی توجیہہ

کلام کی تقسیم لفظی اور نفسی کی طرف سلف سے ثابت نہیں یہ متاخرین کی ایجاد ہے اور اس کا مقصد معتزلہ کو لا جواب اور خاموش کرنا تھا۔ مذہب حق یہی ہے کہ اللہ

تفصیل احوال آخرت نه کرد که برحافظه خود اعتماد

آخرت کے احوال کی تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ اپنے حافظہ پر میں اعتماد

نداشت لیکن باید فهمید که این حالت مرجسد پیغمبر

نہیں رکھتا لیکن سمجھنا چاہئے کہ یہ حال حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے

و روح ایشان را شده بود و مشهود بصر و بصیرت و

جسم اور ان کی روح پر طاری ہوا تھا اور بصارت اور بصیرت کا

تعالیٰ کے کلام ازلی میں تعدد وتکثر وتغیر نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا'' یك کلام بسیط است که از ازل تاابدبهمان یك کلام گوئیااست''
(دفتر اول مکتوب ۲۶۶) لہٰذا کلام کی تقسیم اور مراتب کا بیان تعلقات واضافات کی جہت سے ہے۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال (البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

تعریف قرآن

علمائے محققین نے قرآن کی تعریف میں فرمایا:

ھو العلم اللدنی الاجمالی الجامع للحقائق کلھا یعنی قرآن علم لدنی اجمالی ہے جو تمام حقائق کا جامع ہے۔ (کتاب التعریفات ۷۵)

قرآن تمام ذاتی وشیونی کمالات کا جامع ہے

قرآن کلام اللہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔ چونکہ ذات کی ہر شان اور ہر صفت تمام شیونات وصفات کو متضمن ہے اگر ایسا نہ ہوتو نقص لازم آئے گا۔ وتعالی اللہ عن ذالك علواً کبیراً۔ اسی بناء پر صفت الکلام

دیگران را که طفیلی اند اگر این حالت بطریق تبعیت

مشہود تھا۔ دوسرے جو طفیلی ہیں اگر یہ حالت بطریق تبعیت انہیں

دست دہد متصور بر روح است ومخصوص بہ بصیرت

دے دیں تو روح تک محدود اور بصیرت سے مخصوص رہتی ہے

صفات ثمانیہ کی جامع ہے اور شان الکلام شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اِسی مفہوم کو ثابت فرمانے کے لئے قرآن کو شان الکلام اور صفۃ الکلام کے تمام ذاتی وشیونی کمالات کا جامع قرار دیا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک حقیقت قرآن "مبداء وسعت بے چون حضرت ذات" (دفتر سوم مکتوب ۷۷) کا نام ہے بفحوائے آیت قرآنی ان اللّٰہ واسع علیم۔ (البقرہ ۱۱۵)

بعض صوفیاء کے نزدیک قرآن "ذات محض بہ حیثیت احدیت" کا نام ہے جس میں جملہ صفات بلا امتیاز مخفی ہیں اور قرآن کے دفعتاً واحدۃً آسمان دنیا کی طرف نازل ہونے میں اسماء وصفات کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ واللّٰہ اعلم

بر مصحف روئے او نظرِ کن
خسرو غزل و کتاب تا کے

(البینات شرح مکتوبات مکتوب ۴)

مرتبۂ حقیقت قرآن مرتبۂ نور سے بھی بالاتر ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

این مرتبۂ مقدسہ کہ آن را حقیقت قرآن مجید گفتہ ایم

در قافلۂ کہ اوست دانم نرسم

جس قافلہ میں وہ ہے میں جانتا ہوں نہ پہنچ سکوں گا

ایں بسکہ رسد زدور بانگ جرسم

یہی کافی ہے کہ مجھے دور سے جرس کی آواز آتی ہے

علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوات وتسلیمات ہوں۔

اطلاق نور نیز دریں مرتبہ گنجائش ندارد ودر رنگ سائر کمالات ذاتیہ نور نیز در راہ ماندہ آنجا غیراز وسعت بے چون واستیاز بے چگون ہیچ چیز را گنجائش نمی یابد وکریمہ **قد جآء کم من اللہ نور** اگر مراد از نورقرآن بود تواند بود کہ باعتبار انزال وتنزّل باشد چنانچہ کلمہ **قد جآء کم** ایمائے بآن دارد (دفتر سوم مکتوب ۷۷)

اس مرتبۂ مقدسہ میں جس کو ہم ”حقیقت قرآن مجید“ کہتے ہیں، نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے تمام کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ وہاں وسعت بے چون اور امتیاز بے چگون کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہیں آیت کریمہ قد جآء کم من اللہ نور (المائدۃ ۱۵) (بیشک اللہ کیطرف سے تمہارے پاس نور آیا) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ممکن ہے کہ انزال وتنزل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ کلمۂ قد جآء کم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آیت مذکورہ میں اکثر مفسرین کے نزدیک نور سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ بعض نے نور سے مراد قرآن مجید بھی لیا ہے لیکن یہ دوسری مراد بطریق تاویل ومجاز درست ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اشارہ

فرمادیا ہے کہ اگر یہاں نور سے مراد قرآن بھی لیا جائے تو انزال اور تنزل کے اعتبار سے ہی ممکن ہے، باعتبار نفس ذات کے قرآن مجید پر نور کا اطلاق درست نہیں کیونکہ نور کا ایک مرتبہ مخلوق میں ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال

(البینات ج ا مکتوب ۴)

حقیقت محمدیہ حقیقت قرآن کا ظل ہے

قرآن دائرہ اصل سے ہے اور یہ ذات کا ایک مرتبہ ہے اور بعض صوفیاء کے نزدیک مرتبۂ ذات میں اللّٰہ کلام بھی صادق آتا ہے جبکہ حقیقت محمدیہ شیون کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ مرتبۂ ذات اصل ہے اور مرتبۂ شان ظل ہے لہٰذا حقیقت قرآنیہ اصل ہے اور حقیقت محمدیہ اس کا ظل ہے۔ (البینات ج ا مکتوب ۴)

قرآن غیر مخلوق ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: القرآن كلام الله غير مخلوق فمن قال غير هذا فقد كفر (السنن الکبریٰ ۱۰/ ۲۰۵)

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے جس نے اس کو مخلوق کہا اس نے کفر کیا۔

علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی، غیر مخلوق اور صفت قدیمہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف رضی اللہ عنہما نے خلق قرآن کے مسئلے میں چھ ماہ تک آپس میں بحث و مذاکرہ کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ فرمایا کہ قرآن کو مخلوق و حادث کہنے والا کافر ہو جاتا ہے (دفتر سوم مکتوب ۸۹) اور اسی پر امت کا اجماع ثابت ہے۔ (البینات ج ا مکتوب ۴)

⊙ ...... یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ

جب کوئی سالک روحانی طیر اور باطنی سیر کے دوران عروجی منازل طے کرتا ہوا دائرہ امکان سے خارج و باہر ہوتا ہے تو وہاں ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے جہاں ماضی کے واقعات، موجودہ حالات اور مستقبل کے حادثات کو ملاحظہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بعض اوقات قبل از وقت ہی پیش آمدہ حالات و واقعات کی اطلاع دے دیا کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دائرہ امکان، ازل اور ابد کی تعریفات بیان کردی جائیں تاکہ فہم معارف میں سہولت رہے۔ و باللّٰہ التوفیق

دائرہ امکان

یہ وہ دائرہ ہے جو جمیع کائنات اور جملہ ممکنات کو محیط ہے اسے دائرہ ظلیت بھی کہا جاتا ہے۔ تحت الثریٰ سے لے کر عرش کے زیریں حصہ کو عالم خلق اور ممکنات کہا جاتا ہے جبکہ عرش کے بالائی حصہ سے عالم بالا کو دائرہ اصل کہا جاتا ہے جہاں ازل و ابد متحد ہوتے ہیں۔ سات آسمانوں کے اوپر جنت کے چھت کو عرش کہتے ہیں اور عرش عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے دائرہ ظلیت سے اوپر دائرہ وجوب ہے۔

ازل کی تعریف

ازل، ابد کے مقابل میں ہے کہ جس کی اول اور ابتداء نہ ہو۔ فاضل اجل علامہ شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ازل کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

الازل هو استمرار الوجود فی ازمنة مقدرة غیر متناهیة فی جانب الماضی یعنی ماضی کی طرف پوشیدہ غیر متناہی زمانوں میں استمرار وجود کو ازل کہا جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۷)

ابد کی تعریفات ثلاثہ

فاضل اجل علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تین تعریفات تحریر فرمائی ہیں

(الابد)ھو الشئی الذی لانھایۃ لہ یعنی ابدوہ شئی ہے جس کی انتہاء نہ ہو۔

(الابد) مدۃ لایتوھم انتھاؤ ھا بالفکر و التامل البتہ یعنی ابداس مدت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی انتہاء فکروتامل سے ہرگز وہم میں نہ آسکے

(الابد)ھو استمرار الوجود فی ازمنۃ مقدرۃ غیر متناھیۃ فی جانب المستقبل یعنی مستقبل کی جانب مخفی غیر متناہی زمانوں میں استمرار وجود کو ابد کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات ۲)

ازلیت اور ابدیت کے مجموعہ کو سرمدیت کہا جاتا ہے۔

⊙ ...... یہاں سجدہ کی تعریف واقسام اور غیرے خدا کیلئے سجدہ کی ممانعت کی قدرے تفصیلات ہدیہء قارئین ہیں۔

سجدہ کا لغوی معنیٰ غـایۃ التـذلـل (انتہائی ذلت وعاجزی) ہے۔اس کا شرعی مفہوم ہے وضع الجبھۃ علی الارض (پیشانی کا زمین پر رکھنا)

علمائے کرام نے سجدہ کی دو قسمیں فرمائی ہیں:

۱......سجدۂ عبادت ۲......سجدۂ تحیت

سجدۂ عبادت: یہ حضرت حق جل جلالہ کے لئے خاص ہے۔غیر خدا کیلئے سجدۂ عبادت یقیناً اجماعاً شرک مہین اور کفر مبین ہے۔ یہ سجدہ تمام سابقہ مذاہب وملل میں بھی غیر خدا کیلئے کبھی جائز نہ ہوا......اسے سجدہ تعبدی بھی کہتے ہیں۔ (کمافی کتب العقائد)

سجدۂ تحیت: (جو صرف تعظیم واحترام کے لئے ہے) یہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں سخت حرام وگناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس کی ممانعت پر احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں......اسے سجدہ تعظیمی بھی کہا جاتا ہے۔ (کمافی التفسیر العزیزی)

اسی طرح علماء ومشائخ ومزارات اولیاء کیلئے سجدہ کرنا قطعاً حرام ونا جائز ہے اگر چہ اس میں تعظیم وتحیت ہی مقصود ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام سے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ! یہ کیا ہے؟۔

عرض کیا میں نے ملک شام میں نصاریٰ کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلا تفعلوا فانی لو کنت امراً احدا ان یسجد لغیر اللّٰہ تعالیٰ لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا

یعنی مجھے سجدہ نہ کرو اگر میں غیر خدا کیلئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ (ابن ماجہ ۱۳۴)

سجدۂ تحیت کو شرک قرار دینا ادعائے باطل ہے۔ فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا (البقرہ ۳۴) اس امر کے ثبوت کیلئے دلیل کافی ہے کہ سجدۂ تعظیمی شرک نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کسی مخلوق کو اپنا شریک بنانے کا حکم دینا محال قطعی ہے اور ملائکہ کرام وانبیائے عظام علیہم السلام کی شان کے بھی منافی ہے کہ وہ ایک آن کیلئے بھی غیر اللہ کو اس کا شریک بنائیں یا جائز ٹھہرائیں۔

(مزید تفصیلات کیلئے البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۲۹ ملاحظہ فرمائیں)

منہا - ۴۱

تکوین یکے از صفات حقیقیه واجب الوجود است

تکوین واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقی صفات میں سے

تعالیٰ و تقدس اشاعره تکوین را از صفات اضافیه میدانند

ایک ہے[۱] اشاعرہ تکوین کو صفات اضافیہ میں سے جانتے ہیں

[۱] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صفت تکوین اور اس کی تفصیلات بیان فرمارہے ہیں

علمائے متکلمین ماتریدیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ کمالیہ ثمانیہ میں سے صفت تکوین ایک ازلی اور قدیم صفت ہے جو آیہ کریمہ کن فیکون سے ماخوذ ہے۔ تکوین باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا ماضی اور مضارع کوّن یکوِّن (بتشدید واؤ) آتا ہے۔ صفت تکوین کو علمائے متکلمین اہلسنت نے فعل (بفتح فاء) بھی کہا ہے۔

❁......حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تکوین کے متعلق رقمطراز ہیں:

یفسر باخراج المعدوم من العدم الی الوجود یعنی تکوین کا معنی کسی معدوم شئی کو عدم سے وجود میں لانا ہے۔ (شرح عقائد نسفی) اگر صفت تکوین (ایجاد کرنا) کا تعلق رزق سے ہوتو اسے ترزیق کہا جاتا ہے...... اگر تکوین کا تعلق صورت سے ہوتو اسے تصویر کہا جاتا ہے...... اگر تکوین کا تعلق حیات کے ساتھ ہوتو اسے اِحیاء کہا جاتا ہے

اور اگر تکوین کا تعلق موت سے ہو تو اسے اماتت کہتے ہیں۔

❁......حضرت امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ صفت تکوین کے متعلق اہلسنت کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: لہ معنی الربوبیۃ ولا مربوبَ ومعنی الخالق ولا مخلوق یعنی حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت اس وقت بھی تھی جب کوئی پرورده نہ تھا اور وہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق تھا جب کوئی مخلوق نہ تھی۔ (عقیدۃ الطحاوی)

❁......حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی صوفی رحمۃ اللہ علیہ اس مؤقف کے متعلق یوں ارقام پذیر ہیں:

وقد کان اللّٰہ تعالٰی خالقا فی الازل ولم یخلق الخلق یعنی مخلوق نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ ازل میں بھی خالق تھا۔ (فقہ اکبر ۲۹)

❁......حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ صفت تکوین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

والفاعل ہو اللّٰہ تعالٰی والفعل صفۃ فی الازل والمفعول مخلوق وفعل اللّٰہ تعالٰی غیر مخلوق یعنی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فعل اس تعالیٰ کی صفت ازلی ہے مفعول مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا فعل غیر مخلوق ہے۔ (فقہ اکبر ۴۴)

❁......حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فعل اور مفعول کے درمیان مغائرت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لان الفعل یغائر المفعول بالضرورۃ کالضرب مع المضروب والعقل مع المعقول یعنی فعل اور مفعول میں مغایرت ہوتی ہے جیسے ضرب، مضروب کے اور عقل، معقول کے مغایر ہیں۔ (شرح عقائد نسفی)

❁......قدوۃ المتکلمین حضرت علامہ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق تصریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قال اھل السنۃ والجماعۃ التکوین فعل المکوِّن (بکسر واوٗ)

والمکوّن (بفتح واوَ) تاثیر التکوین والتکوین غیر المکوّن یعنی علمائے اہلسنت وجماعت (ماتریدیہ) فرماتے ہیں کہ صفت تکوین، مکون کا فعل ہے اور مکون، صفت تکوین کی تاثیر ہے اور صفت تکوین، مکون کا غیر ہے۔ (التمہید ۵۴ مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور)

❁...... حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر صفت تکوین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

تکوین، قدرت کے علاوہ ایک صفت ہے کیونکہ صفت قدرت میں صحت فعل اور ترک فعل دونوں جائز ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے نیز قدرت، صفت ارادہ پر تقدم رکھتی ہے اور تکوین، ارادہ کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندہ کی استطاعت کے مشابہ ہے جسے علماء اہل حق (اہل سنت) فعل بندہ کے ساتھ مقرون و متصل قرار دیتے ہیں اور اسے صفت قدرت اور صفت ارادہ سے وراء جانتے ہیں کیونکہ قدرت، فعل اور ترک فعل دونوں کی تصحیح کرنے والی ہے اور صفت ارادہ ایک طرف کو ترجیح دیتی ہے اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر صفت قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین (فعل اور ترک فعل) کی تصحیح کرنے والی ہے تو حق تعالیٰ پر ایجاب (واجب ہونا) لازم آتا ہے اور اگر صفت تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد غیر مستند (بے سہارا) ہو جاتی ہے کیونکہ قدرت مصحح ایجاد ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے۔ لہٰذا اثباتِ تکوین کے بغیر چارہ نہیں جس کی طرف علمائے ماتریدیہ کو ہدایت حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت و تعلق کو بیش تر اشیاء سے پایا تو اسے صفات اضافیہ سے شمار کر لیا واللّٰہ یحق الحقّ وھو یھدی السبیل تخلیق، ترزیق، اِحیاء، اِماتت اور ان کی مثل صفات کو تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۲۶)

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۳)

وقدرت و ارادت را درایجاد عالم کافی می انگارند اما

اور قدرت و ارادہ کو ایجاد عالم کے لئے کافی خیال کرتے ہیں [1] لیکن

حق آنست که تکوین صفت حقیقیه علیحده است ماورائے

حق یہ ہے کہ تکوین علاوہ قدرت اور ارادہ کے ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے

قدرت وارادت بیانش آنکه قدرت بمعنی صحت فعل

بیان اس کا یہ ہے کہ قدرت بمعنی فعل اور ترک

و ترک ست وارادت تخصیص یکے ازیں دوطرف

کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کی دونوں طرفوں فعل اور

قدرت ست که فعل وترک باشد پس رتبۂ قدرت

ترک میں سے ایک کی تخصیص کرنا ہے پس قدرت کا مرتبہ

[1] صفت قدرت

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ کمالیہ ثمانیہ میں سے ایک حقیقی صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر سے عیاں ہے اور کوئی شئی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ وہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے کہ جس معدوم ممکن کو چاہے موجود کر دے اور جس موجود حادث کو چاہے معدوم فرمادے جیسا کہ آیہ کریمہ قل ھو قادر (انعام ۹۵) سے واضح ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی نے آیہ کریمہ ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر کی تفسیر کرتے ہوئے قدرت کا معنی یوں بیان فرمایا ہے:

التمکن من ایجاد الشئی یعنی کسی شئی کے ایجاد پر کنٹرول (قابو) اور قوت

مقدم شد بر رتبۂ ارادت و تکوینے کہ ما او را

ارادہ کے مرتبہ سے مقدم ہے اور تکوین جسے ہم صفات

از صفات حقیقیہ میدانیم رتبۂ اُوبعد از رتبۂ قدرت

حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں اس کا مرتبہ قدرت اور

وارادت ست کارِ آن صفت ایجادِ آن طرفِ

ارادہ کے بعد ہے۔ اس صفت کا کام اس مخصوص کردہ

رکھنا قدرت کہلاتا ہے۔

علمائے اہلسنت نے قدرت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

قدرت تخلیقی اور قدرت کسبی

قدرت تخلیقی حق تعالیٰ سے خاص ہے اور آیہ کریمہ ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر میں قدرت تخلیقی مراد ہے۔

❁...... حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز صفت قدرت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ قادر مختار ہے، ایجاب کے شائبے اور اضطرار کے گمان سے منزہ ومبرا ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں سمجھ کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے اثبات ایجاب کیا ہے...... حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہُ العزیز کی (بعض) عبارات بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلاسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں کہ صحت ترک قادر (حق تعالیٰ) سے تجویز نہیں کرتے اور جانب فعل کو لازم جانتے ہیں۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

❁...... نیز ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر صفات زائد سے ہیں۔ قدرت، حق

تعالیٰ کیلئے ایجاد عالم کی صحت (درست ہونا) اور ایجاد عالم کے ترک کی صحت سے عبارت ہے۔ پس ایجاد اور ترک ایجاد میں سے کوئی چیز بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم نہیں ہے تمام اہل مذاہب اسی پر متفق ہیں۔ (معارف لدنیہ معرفت ۱۹)

❁......حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے اس ارشاد گرامی ''میں حق تعالیٰ سبحانہ کو صاحب ارادہ ومختار جانتا ہوں'' میں حکماء وفلاسفہ کی تردید ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کو مجبور اور بے اختیار جانتے ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کو جلانے اور غرق کرنے میں بے اختیار جانتے ہیں۔

آپ کے اس ارشاد میں کہ

''یقینی طور پر قدرت کے معنی صحت فعل وترک فعل تصور کرتا ہوں'' یہ اہل کلام اور فلاسفہ کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی قدرت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک ایجاد اور دوسرے عدم ایجاد اور یہ دونوں باتیں ممکن اور جائز ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے قدرت کو صحت فعل اور ترک فعل سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تقدیر پر اشیاء کی ایجاد اور ان کی عدم ایجاد میں سے کوئی چیز حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہے اہل ملل وشرائع نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے معنی میں ان شاء فعل وان لم یشاء لم یفعل مع استحالہ شرطیہ ثانیہ کے یعنی اگر وہ چاہے گا تو کرے گا اور اگر نہ چاہے گا تو نہیں کرے گا لیکن نہ چاہنا ممتنع ومحال ہے پس اس سے نہ کرنے کا ممتنع ہونا بھی لازم آئے گا پس ایجاد عالم کو چاہنا اور موجود کرنا دونوں واجب ہوئے اور اختیار نہ رہا......فلاسفہ اسی کے قائل ہیں۔ (الیبنات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۸)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ بندوں کی ذوات واعمال (خیر وشر) کا خالق حق تعالیٰ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ واللّٰہ خلقکم وما تعملون (صافات ۹۶) سے عیاں ہے اور ان کی ذوات واعمال حق تعالیٰ کی مقدورات اور اس کے زیر قدرت ہیں۔ بندوں کے

افعال قبیحہ کے تحتِ قدرت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان افعال ناپسندیدہ کا ارتکاب بھی کرسکتا ہے اور عیوب ونقائص (ظلم، کذب، جہل، عجز، شریک باری تعالیٰ) سے بھی متصف ہوسکتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کمالِ قدرت کے باوجود سبوحیت و قدوسیت کے ساتھ بھی متصف ہے جیسا کہ آیات کریمہ سبحان ربك رب العزت الخ اور الملك القدّوس (حشر ۲۳) سے عیاں ہے۔

علاوہ ازیں ذات تعالیٰ کے ساتھ حوادث کا قیام ممتنع ومحال ہے کیونکہ جمیع مستحیلات عقلیہ کے ساتھ قدرت متعلق نہیں ہوتی وہ تو ممکنات کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ کہ واجب اور ممتنع (محال) کے ساتھ کیونکہ ممتنع اور واجب خارج از قدرت ہیں جیسا کہ حضرت علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شرح العقائد میں تحریر فرمایا ہے

فالممتنع والواجب خارجان عن القدرة (ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں یوں رقمطراز ہیں:

قوله تعالٰى فلن يخلف الله عهده يدل على انه سبحانه منزه عن الكذب في وعده ووعيده قال اصحابنالان الكذب صفة نقص والنقص على الله تعالى محال یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی فلن یخلف اللہ وعدہ دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ اللہ سبحانہ اپنے ہر وعدہ ووعید میں کذب (جھوٹ) سے منزہ ہے۔ ہمارے اصحاب (اہلسنت وجماعت) نے فرمایا ہے کہ کذب نقص کی صفت ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

جناب قدس خداوندی جل سلطانہ ازجمیع صفاتِ نقص و سمات قصور منزہ ومبرا باید دانست یعنی جناب باری تعالیٰ جل سلطانہ کو

تمام صفاتِ نقص اور قصور کی علامات سے منزہ و مبرا جاننا چاہیے۔

(مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۶۴)

آپ ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

وایضاً خلف در وعید در رنگ خلف در وعدہ مستلزم کذب است ناشایان آنحضرت جل سلطانہ یعنی خلف وعید بھی خلف وعدہ کی مانند مستلزم کذب واجب تعالیٰ ہے جو اس تعالیٰ جل سلطانہ کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔

(مکتوبات شریف)

مذکورہ بالا تصریحات سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ عیوب ونقائص اپنی خست ودناءت کی بنا پر یہ صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ وہ حق تعالیٰ کی مشیت وقدرت وارادہ کے متعلق ہوسکیں۔

قدرت کسبی

یہ قدرت بندوں کے ساتھ خاص ہے قدرت تخلیقی کی بناء پر حق تعالیٰ سبحانہ خالق اور قدرت کسبی کی بناء پر بندہ، کاسب کہلاتا ہے۔

واضح رہے کہ بندوں کی قدرت وارادہ دونوں حق تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور بندہ کی قدرت کسبی کی نسبت خیر وشر دونوں کی طرف برابر ہے۔ یہ معاملہ ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ نے قدرت شر ہی کو اس میں تخلیق فرمایا ہو اور قدرت خیر کو تخلیق نہ فرمایا ہو کہ وہ فعل شر پر مجبور ہوگیا ہو یہی حال ارادہ مخلوقہ کا ہے کہ خیر وشر کے معلوم ہو جانے کے بعد وہ خیر وشر دونوں سے کسی جہت کو ترجیح دے سکتا ہے۔ پس بندہ شرعاً شر کو شر جانتے ہوئے بھی شر کو ہی اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی نسبت قدرت خیر وشر دونوں کی طرف مساوی تھی یوں ہی بندہ کے لئے صحیح تھا کہ وہ حسب ارادہ مقدورین میں سے دوسرے کی بجائے

کسی ایک کی تخصیص کر لیتا۔ قدرت کسبی اور ارادہ مخلوقہ کے لحاظ سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے بندوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون سے واضح ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۳۴ وغیرہا)

صفت ارادہ

یہ بھی حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ کمالیہ ثمانیہ حقیقیہ میں سے ایک صفت ہے۔ ارادہ اور مشیت دونوں ایک ہی صفت کے نام ہیں۔ آیات کریمہ فعال لما يريد اور وما تشاء ون الا ان يشاء الله صفت ارادہ اور صفت مشیت پر دال ہیں۔

حضرت علامہ ابوالشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ ارادہ و مشیت کے متعلق علمائے اہلسنت و جماعت کا عقیدہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

علمائے اہل سنت و جماعت ارشاد فرماتے ہیں کہ خیر و شر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر، مشیت و ارادہ اور علم و حکم سے ہوتے ہیں اور خیر و طاعت اللہ تعالیٰ کے امر و رضا سے ہوتے ہیں جبکہ شر و معصیت میں اللہ تعالیٰ کا امر و رضا نہیں ہوتی، اس پر دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے تو ہم نے ایک آواز سنی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ کثیر تعداد میں لوگ تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہاری آوازیں بلند کیوں ہوئیں؟۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض گذار ہوئے کہ ہمارا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوگیا ہے میں کہتا ہوں کہ خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حضرت عمر (رضی

اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ خیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے درمیان ایسے ہی فیصلہ کریں گے جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کے درمیان فیصلہ کیا تھا اے عمر! سیدنا جبرائیل کا مؤقف تمہارے والا تھا...... اور اے ابوبکر سیدنا میکائیل کا قول تیرے قول کی مانند تھا۔ سیدنا جبرائیل نے کہا کہ ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا ہے اور اہل زمین بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں حتی کہ سیدنا اسرافیل کو ان دونوں نے اپنا حکم (ثالث) بنالیا تو انہوں (اسرافیل علیہ السلام) نے لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضا کے مطابق دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) انہوں نے فیصلہ تیرے قول کے مطابق کیا تھا...... اے عمر (رضی اللہ عنہ) تیرے مؤقف کے مطابق فیصلہ نہیں کیا تھا...... اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گذار ہوئے تبت الی اللّٰہ میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (التمہید ۵۰)

حضرت علامہ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشیت کے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

مشیت محبت اور مشیت غیر محبت

مشیت محبت طاعت و ایمان میں ہوتی ہے اور مشیت غیر محبت کفر و عصیان میں ہوتی ہے۔ (عقائد تورپشتی ۵۶ مطبوعہ مکتبہ الحقیقہ استنبول ترکی)

علمائے محققین اہل سنت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں ارادہ کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ارادہ قدریہ کونیہ خلقیہ اور ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ

ارادہ قدریہ کونیہ خلقیہ

یہ مشیت (ارادہ) جمیع حوادث (موجودات) کو شامل ہے جیسا کہ آیہ کریمہ
فمن یرداللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یردان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء (الانعام ۲۶) سے واضح ہے۔

ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ

اس ارادہ میں حق تعالیٰ کی محبت ورضا متضمن ہوتی ہے جیسا کہ آیات کریمہ
یریداللّٰہ بکم الیسر ولا یریدبکم العسر (البقرہ ۱۸۵) اور انما یریداللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (احزاب ۳۳) سے عیاں ہے۔ (شرح فقہ اکبر لعلی قاری رحمہ اللہ الباری ۲۰)

(مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۶۷ ...... مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۳)

مخصص ست پس قدرت مصحح فعل ست

جہت کو ایجاد کرنا ہے۔[3] پس قدرت فعل کی تصحیح کرنے والی ہے

و ارادت مخصص آن و تکوین موجد

اور ارادہ اس فعل کی تخصیص کرنے والا ہے اور تکوین اسے ایجاد

آن پس از تکوین چارہ نبود مثل آن مثل

کرنے والی ہے ۔ پس تکوین کو صفت مانے بغیر چارہ نہیں ہے اس کی مثال

استطاعت مع الفعل ست کہ علمائے اہل سنت آن را

استطاعت مع الفعل کی مانند ہے کہ علمائے اہل سنت اسے بندوں

در عباد اثبات کردہ اند و شک نیست کہ این

میں ثابت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ استطاعت

استطاعت بعد از ثبوت قدرت است بلکہ بعد از

ثبوت قدرت کے بعد ہے بلکہ تعلق ارادہ اور

تعلق ارادت وتحقق ایجاد مربوط باین استطاعت

تحقق ایجاد اسی استطاعت کے ساتھ مربوط

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ صفت قدرت مصحح فعل ہے اور صفت ارادہ مخصصِ فعل ہے اور صفت تکوین اس فعل کی موجد ہے تاکہ ایجاد موجودات کا اثبات ہو۔ یہ مسئلہ، مسئلہ استطاعت مع الفعل کی مانند ہے کیونکہ استطاعت مع الفعل حقیقتِ قدرت ہے کہ فعل اسی کے

است بلکہ آن استطاعت موجب فعل ست وطرفِ

ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی موجب ہے اور

ترك آنجا مفقود ست وحال صفت تکوین

ترک کی جہت وہاں مفقود ہے اور صفت تکوین کا حال

ہمیں ست کہ ایجاد با او طریقِ ایجاب است

بھی یہی ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے

اما این ایجاب درواجب تعالٰی ضرر نمیکند کہ

لیکن یہ ایجاب واجب تعالٰی کو ضرر نہیں دے سکتا کیونکہ

ثبوت آن بعد از تحقق قدرت ست کہ بمعنی صحت

اس کا ثبوت تحققِ قدرت کے بعد ہوتا ہے جبکہ (قدرت)

فعل وترك ست وبعد از تخصیص ارادت بخلاف

کے معنی فعل اور ترک کی صحت ہے اور ارادہ کی تخصیص کے بعد (تکوین ہے)

آنچہ حکمائے فلسفہ گفتہ اندوشرطیہ اولٰی را واجب

بخلاف اس کے جو حکمائے فلسفہ کہتے ہیں اور شرطیہ اولٰی کو

ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ امام العقائد حضرت علامہ ابو حفص عمر بن محمد نسفی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں:

والاستطاعة مع الفعل وهی حقيقة القدرة التی يكون بها الفعل (عقائد نسفی) سے واضح ہے۔

الصدق گمان کردہ اند وشرطیہ ثانیہ را ممتنع الصدق ونفی

واجب الصدق خیال کرتے ہیں اور شرطیہ ثانیہ کو ممتنع الصدق اور ارادہ

ارادت نمودہ اند صریح در ایجاب ست تعالیٰ اللہ سبحانہ

کی نفی کرتے ہیں جو ایجاب صریح ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ

عن ذالک علوا کبیرا و ایجابے کہ بعد از تعلق ارادت

اس سے بہت برتر ہے اور وہ ایجاب جو تعلق ارادہ اور دو مقدوروں

وتخصیص احد المقدورین پیدا شود ومستلزم اختیارست

میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو وہ اختیار کو مستلزم ہے

وموکد آن نہ نافی اختیار وکشف صاحب فتوحات نیز

اوراس کی تاکید کرنیوالا ہے نہ کہ اختیار کی نفی کرنیوالا اور صاحب فتوحات کا کشف بھی

سوافقِ رائے حکما واقع شدہ است در قدرت شرطیہ

حکما کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے کہ قدرت میں شرطیہ اولیٰ

اولیٰ را واجب الصدق میداند وثانی را ممتنع الصدق

کو واجب الصدق جانتے ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق

حضرت امام جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ استطاعت کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الاستطاعة ضربان احدهما الاستطاعة التی یوجد بها الفعل من نحو التوفیق الذی لایجوزان یوصف المخلوق به فهی مع

وایں قول بایجاب است ارادت بیکار می افتد کہ
اور یہ کہنا ایجاب ہے جس سے ارادہ بے کار ہو جاتا ہے
تخصیص احد المتساویین اینجا منتفی است واگر
کیونکہ متساویین میں سے ایک کی تخصیص یہاں منتفی ہے اور اگر

الفعل واما الاستطاعة التی من جهة الصحة والوسع والتمکن وسلامة الات فهی قبل الفعل هو کما قال اللّٰہ تعالٰی لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها (البقرہ۲۸۶)

یعنی استطاعت کی دو قسمیں ہیں ان میں سے پہلی استطاعۃ یہ ہے کہ جس کے ساتھ فعل پایا جاتا ہے جو از قبیل توفیق ہے۔ اس قسم کی استطاعۃ کے ساتھ مخلوق کو موصوف کرنا جائز نہیں یہ استطاعت مع الفعل ہے۔

اور دوسری استطاعۃ، صحت، وسعت، طاقت اور سلامتیٔ اعضاء وجوارح کے اعتبار سے ہے، یہ استطاعت قبل الفعل ہوتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها سے واضح ہے۔

صاحب مذاہب الاسلام نے اس مفہوم کی یوں وضاحت فرمائی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو

استطاعت کے دو معنی ہیں ایک قدرتِ حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود کر دینے کیلئے کافی ہوتی ہے دوسرے اسباب وآلات واعضاء کی صحت وسلامتی کا نام ہے اور تکلیف شرعی کا مدار دوسری قسم کی استطاعت پر ہے اسی لئے بچہ اور مجنون ایمان کے ساتھ مکلف نہیں اور گونگا اقرار زبانی کے ساتھ مکلف نہیں اور مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے واسطے مکلف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضاء صحیح وسالم نہیں اس لئے استطاعت ان میں مفقود ہے۔ (مذاہب الاسلام)

درتکوین این معنی را اثبات کنند گنجائش دارد که

تکوین میں اس معنی کو ثابت کریں تو گنجائش رکھتا ہے کیونکہ

از شائبہ ایجاب مبرا ست این فرق تدقیقی ست

وہ ایجاب کے شائبہ سے پاک ہے [1] یہ فرق بہت باریک ہے

که به بیان آن کم کسی سبقت کرده است علمائے ماتریدیه

کہ اس کے بیان کی سبقت کم ہی کسی نے کی ہے علمائے ماتریدیہ

ہر چند این صفت را اثبات کرده اند اما باین حدت

اگرچہ اس صفت کا اثبات کرتے ہیں لیکن تیزی نظر کے ساتھ

نظر پے نبرده اند اتباع سنت سنیه مصطفویه علیٰ صاحبہا

اس کے درپے نہیں ہوئے روشن سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ

الصلوٰۃ والسلام والتحیة درمیان سائر متکلمین ایشانرا باین

والسلام و التحیہ کی اتباع نے ان کو تمام متکلمین کے درمیان

معرفت ممتاز ساخته است واین حقیر از خوشه چینان این

اس معرفت سے ممتاز کر دیا ہے اور یہ حقیر انہی اکابر کے خوشہ چینوں میں

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ صفت تکوین کے متعلق علوم وحقائق اور معارف ودقائق جس مانع و جامع انداز کے ساتھ ہم نے بیان فرمائے ہیں وہ کسی نے بھی بیان نہیں فرمائے۔ گو صفت تکوین کا اثبات علمائے متکلمین ماتریدیہ نے ضرور فرمایا ہے لیکن دقت نظر اور باریک بینی کے

اکـابر ست ثبتنا اللّٰه سبحانه علی معتقدا تهم الحقة بحرمه سید

سے ہے اللہ سبحانہ ہمیں ان کے معتقدات حقہ پر ثابت قدم رکھے

المرسلین علیه وعلی اله الصلوات والتسلیمات اتمهما و اکملها

سید المرسلین کے طفیل ان پر ان کی آل پر اتم اور اکمل صلوات وتسلیمات ہوں

ساتھ ہم نے اس کی تفصیلات اور اس پر ہونے والے اعتراضات واشکالات کا مدلل جواب تحریر فرمادیا ہے۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذالك

منہا-۴۲

رؤیت خداوند عزوجل درآخرت سرمومناں راحق است

آخرت میں خداوند عز و جل کا دیدار مومنوں کے ساتھ خاص ہونا

ایں مسئلہ است کہ غیر ازاہل سنت و جماعت ہیچ

حق ہے ؎ یہ کہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ اسلامی

کس از فرق اسلامیین وحکمائے فلاسفہ بجواز آن قائل

فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں

نیست باعث انکار ایشاں قیاس غائب است برشاہد

ہے ان کے انکار کا باعث غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے

وآں فاسدست مرئی ہرگاہ بیچون وبیچگون باشد رؤیتے

اور یہ فاسد ہے دکھائی دینے والی ہستی جب کہ بے چون و بے چگون ہوگی

؎ زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رؤیت باری تعالیٰ جل سلطانہ کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔حق تعالیٰ جل سلطانہ کی رؤیت ودیدار اگرچہ عالم دنیا میں ممکن ہے ورنہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام دیدار کا مطالبہ نہ کرتے جیسا کہ آیہ کریمہ رب ارنی سے عیاں ہے مگر بچشم سر عالم دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار واقع نہیں ہے کیونکہ عالم دنیا اور چشم دنیا عدم سے تخلیق شدہ اور فنا پذیر ہونے کی بنا پر اس دولت قصویٰ

کہ باوتعلق گیرد نیز بے چون خواہد بود ایمان باوباید

جو دیدار اس کے متعلق ہو گا وہ بھی بے چون ہو گا اس پر ایمان لانا چاہئے

آورد و اشتغال بکیفیت اونباید کرد ایں سر را امروز

اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہئے اس راز کو آج

برخواص اولیاء ظاہر ساختہ اند ہرچند رؤیت نیست

خواص اولیاء پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ دیدار (حق) نہیں ہے

امابے رؤیت نیست **کانک تراہ** فردا ہمہ مومناں حق

لیکن بے رؤیت بھی نہیں ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے کل تمام مومن حق

سبحانہ وتعالیٰ را خواہند دید بچشم سر اما ہیچ درک

سبحانہ و تعالیٰ کو بچشم سر دیکھیں گے لیکن انہیں کوئی ادراک نہیں

نخواہند کرد **لا تدرکہ الابصار** دو چیز خواہند دریافت

ہو گا نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکیں گی۔ دو چیزیں دریافت

علم یقینی بآنکہ می بینند والتذاذ یکہ مترتب بررؤیت

کرینگے علم یقینی کہ اسے دیکھ رہے ہیں اور لذت کہ جو رؤیت پر مترتب

کی استعداد وصلاحیت ہی نہیں رکھتے...... جبکہ عالم آخرت میں مومنین حیات ابدی اور بقائے سرمدی سے سرفراز ہونگے فلہٰذا چشم آخرت، شیونات ذاتیہ کا اثر رکھے گی اس لئے عالم آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ بھی بے چون ہی ہوگی البتہ چشم سر اسکا ادراک نہیں کر سکے گی جیسا کہ آیہ کریمہ لا تدرکہ الابصار سے عیاں ہے۔ لیکن یہ امر

است غیر ایں دو چیز از لوازم رؤیت ہمہ مفقود مست

ہوتی ہے سوائے ان دو چیزوں کے جتنے دیدار کے لوازمات ہیں

ایں مسئلہ از اغمض مسائل کلام است طور عقل در

سب مفقود ہونگے یہ مسئلہ علم کلام کا سب سے دقیق مسئلہ ہے عقل کی

اثبات وتصویر آں عاجز است متابعان انبیاء از علماء و

رسائی اس کے ثابت کرنے اور صورت کشی سے عاجز ہے انبیائے کرام کی

صوفیہ آں را بنور فراست کہ مقتبس از انوار نبوت ست

متابعت کرنے والے علماء اور صوفیاء نے اسے نور فراست جو کہ انوار نبوت سے اقتباس

دریافتہ اند وہمچنیں مسائل دیگر از علم کلام کہ عقل

شدہ ہے سے دریافت کیا ہے ایسے ہی علم کلام کے دوسرے مسائل کہ عقل

متحضر رہے کہ صالحین کو حق تعالیٰ کا دیدار محشر میں لطف وجلال کی صفت کے ساتھ بطور امتحان ہوگا اور جنت میں دیدار بطور انعام ہوگا۔

محدث کبیر حضرت علامہ علی قاری احراری قدس سرہُ العزیز رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں

واللّٰہ تعالٰی یری فی الاٰخرۃ ویراہ المؤمنون وھم فی الجنۃ باعیُن رؤوسھم بلا تشبیھہ ولا کیفیۃ ولا کمیۃٍ ولا یکون بینہ وبین خلقہ مسافۃ (شرح فقہ اکبر ۸۳) یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مومنین سر کی آنکھوں کے ساتھ بغیر تشبیہ وکیفیت وکمیت کے اسے جنت میں دیکھیں گے اور حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کوئی مسافت وفاصلہ نہیں ہوگا۔

(مزید تفصیلات سعادت العباد جلد اول منہا نمبر ۹ میں ملاحظہ ہوں)

در اثبات آنہا عاجز ومتحیّر است علمائے اہل سنت را

جس کے ثابت کرنے میں عاجز اور متحیر ہے علمائے اہل سنت کو

نورفراست ست فقط وصوفیه راہم نور فراست وہم

صرف نور فراست ہے اور صوفیہ کو نور فراست بھی حاصل ہے اور

کشف وشہود وفرق درمیان کشف وفراست ہمچون

کشف وشہود بھی۔ اور کشف و فراست کے درمیان فرق وہی ہے جو بدیہی اور

فرق درمیان حدسیات وحسیات است فراست نظریات

حسیات کے درمیان فرق ہے۔ فراست ، نظریات کو بدیہیات

را حدسیات میسازد و کشف حسیات ومسائلے که اہل

بنا دیتی ہے اور کشف ، حسیات [۲] اور ایسے مسائل اہل سنت

[۲] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کشف اور فراست کے درمیان امتیاز و فرق بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے حدسیات اور حسیات میں فرق ہے ایسے ہی کشف اور فراست میں فرق ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز چونکہ ارباب علم وبصیرت اور اصحاب کشف وفراست میں سے ہیں اس لئے جن عقائد ونظریات کو اہل علم بذریعہ استدلال ثابت کرتے ہیں، آپ پر ان اشیاء کے حقائق ومعارف بذریعہ الہام و فراست آشکارا ہوجاتے ہیں۔ یوں آپ کا کشف صحیح اور الہام صریح کتاب وسنت سے ثابت شدہ علوم وعقائد کی تائید وتوثیق فرما دیتا ہے۔ والحمدللّٰه علی ذالك

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کشف اور فراست کی قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ وباللّٰه التوفیق

سنت بآنہا قائل اند ومخالفان ایشان کہ التزام طور

جن کے قائل ہیں اور ان کے مخالفین طریقہ عقل کا التزام

عقل نمودہ اند از آنہا منکراند ہمہ ازاں قبیل اند کہ

کرتے ہیں ان (مسائل) کے منکر ہیں سب اسی قبیل سے ہیں

بنور فراست معلوم گشتہ اند وبکشف صحیح مشہود

جو نور فراست سے معلوم ہوئے ہیں اور کشف صحیح سے مشہود

فاضل اجل حضرت علامہ سید شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کشف کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

الکشف:فی اللغۃ رفع الحجاب وفی الاصطلاح ھوالا طلاع علی ماوراء الحجاب من المعانی الغیبیۃ والامور الحقیقیۃ وجوداً وشھوداً یعنی لغت عرب میں کشف کا معنی حجاب کا اٹھنا اور اصطلاح میں ماورائے حجاب معانی غیبیہ اور امور حقیقیہ پر وجوداً اور شہوداً آگاہ ہونے کو کشف کہا جاتا ہے۔

(کتاب التعریفات ۸۰)

کشف ایسا نور ہے کہ جس کی بدولت عرفائے کاملین پر حقائق اشیاء منکشف ہوتی ہے جن کے ذریعے وہ غلط وصحیح اور حق وباطل کے درمیان فرق محسوس کرنے لگتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسے فرقان فرمایا گیا ہے جس کا حصول تقویٰ پر منحصر ہے جیسا کہ آیہ کریمہ یاایھاالذین امنواان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً (انفال ۲۹) سے واضح ہے۔

الفراسۃ

حضرت شیخ جرجانی قدس سرہٗ العزیز فراست کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

فی اصطلاح اهل الحقیقة هی مکاشفة الیقین و معاینة الغیب یعنی اہل حقیقت کی اصطلاح میں یقین کے مکاشفہ اور غیب کے معاینہ کو فراست کہا جاتا ہے۔

(کتاب التعریفات ۷۱)

اصطلاح فراست، کتاب وسنت سے ماخوذ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللّٰه سے واضح ہے۔اہل فراست کو قرآن مجید میں متوسمین کہا گیا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ہے...... ان ذالك لآیات للمتوسمین (الحجر ۷۵)(قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال للمتفرسین)

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری رحمۃ اللہ علیہ نے فراست کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

۱......فراست ایمانیہ ۲......فراست ریاضیہ ۳......فراست خلقیہ

فراست ایمانیہ

اس کا سبب نور ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ جل سلطانہ بندۂ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ فراست قوت ایمان کے حساب سے ہوتی ہے جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنی ہی اس کی فراست تیز ہوگی۔

فراست ریاضیہ

یہ فراست فاقہ کشی، احیائے لیالی اور خلوت گزینی سے حاصل ہوتی ہے۔ جب نفس، خلائق کے عوائق اور علائق سے مجرد ہو جاتا ہے تو اسے فراست نصیب ہوتی ہے اور کشف، نفس کے تجرد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ فراست مؤمن اور کافر کے درمیان مشترک ہوتی ہے جو نہ تو ایمان پر دلالت کرتی ہے اور نہ ہی ولایت پر۔

فراست خلقیہ

یہ فراست طبیبوں، کاہنوں اور دست شناسوں کے ہاں معروف ومتعارف ہے
جس سے وہ ظاہری شکل وشباہت کے ذریعے اخلاق وعادات کا اندازہ وقیافہ لگا لیتے
ہیں جیسے کسی شخص کے چھوٹے سر سے اس کی کم عقلی کا اندازہ لگالیا جائے۔

(شرح فقہ اکبر،۸۰)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے فراست کی دوقسمیں تحریر فرمائی ہیں جو
بتغییر یسیر پیش خدمت ہیں

۱......اہل معرفت کی فراست　　　　۲......اہل ریاضت کی فراست

اہل معرفت کی فراست

اس فراست کا تعلق حق تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال کے ساتھ
ہے۔ اسی معرفت کی بدولت اہل اللہ سالکین کی باطنی استعداد بھانپ لیتے اور حریم
قدس جل سلطانہ کے واصلین کو پہچان لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے محض ان کی حمایت اور
اپنی غیرت کی وجہ سے انہیں ماسوا سے جدا کر کے اپنے ساتھ مشغول کرلیا ہے تاکہ وہ
ملاحظہ مخلوق سے محفوظ رہیں۔ اگر اس قسم کے عرفائے کاملین احوال مخلوقات کے درپے
ہوجائیں تو ان سے بارگاہ قدس جل سلطانہ کی حضوری کی صلاحیت ختم ہوجائے۔

اہل ریاضت کی فراست

اس فراست کا تعلق کائنات کے ساتھ ہے جو مخلوقات کی شکلوں وصورتوں اور
احوال ومغیبات کے کشف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس قسم کے لوگ محض ماسوی اللہ
کے ساتھ مشغولیت پر ہی قانع ہیں اور عامۃ الناس کے نزدیک یہی کمال ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۹۲)

شده اگر دربیان آں مسائل ایضا حے نموده آید مقصود

ہوئے ہیں اگر ان مسائل کے بیان میں کوئی وضاحت کی جائے تو اس سے مقصود

ازاں تصویر وتنبیه است نه اثبات آنها بنظر ودلیل

تصویر کشی اور تنبیہہ ہے نہ کہ انکا اثبات غور و فکر و دلیل کے ساتھ

چه نظر عقل دراثبات وتصویر آنها کور ست عجب از

کیونکہ عقل کی غور وفکر ان کے اثبات اور تصویر کشی میں اندھی ہے۔ تعجب ہے

علمائے که دریں مسائل خود را در مقام استدلال مے

ان علماء پر جو ان مسائل میں خود کو مقام استدلال میں

آرند ومی خواهند که بدلائل اثبات کنند وبرمخالفاں

لاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دلائل کے ساتھ (مسائل کا) اثبات کریں[3] اور مخالفین

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ان علماء پر اظہار تعجب فرمارہے ہیں جو عقائد قطعیہ کو مناظرانہ انداز میں بذریعہ استدلال ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان مسائل وعقائد کی تفہیم محض نور فراست اور کشف صحیح سے ہی ممکن ہے جو انوار مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور بندۂ مومن کے ذمہ فقط ان مسائل وعقائد کی دعوت وتبلیغ ہی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وما علینا الا البلاغ المبین اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات بلّغوا عني ولو اٰية سے واضح ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مناظرہ کے متعلق قدرے تفصیلات تحریر کردی جائیں تاکہ فہم مسئلہ میں سہولت رہے۔ وباللّٰہ التوفیق

فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی قدس سرہٗ العزیز مناظرہ کی تعریف

حجت تمام کنند ایں میسر نمی شود وباتمام نیز نمی
پر حجت تمام کر دیں ایسا میسر نہیں ہو سکتا
رسد مخالفاں خیال می کنند کہ مسائل ایشاں نیز
مخالفین سمجھتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی ان کے
دررنگ استدلالات ایشاں مزیف وناتمام اند مثلاً علمائے
استدلات کی طرح ضعیف اور نامکمل ہیں مثلاً علمائے

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں المناظرة لغة من النظير اومن النظر بالبصيرة واصطلاحاهى النظر بالبصيرة من الجانبين فى النسبة بين الشيئين اظهارا للصواب یعنی لغت میں مناظرہ یاتو ''نظیر'' سے مشتق ہے یا نظر بالبصیرہ سے ماخوذ ہے اور اصطلاح علماء میں اظہار حق وصواب کی خاطر دو مد مقابل جانبین کا دو چیزوں کے مابین نسبت کے متعلق متوجہ ہونا مناظرہ کہلاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ۱۰۲)

کتاب وسنت کی روشنی میں علمائے کرام نے مناظرہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

مناظرہ مذموم اور مناظرہ محمود

حضرت علامہ فقیہہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جدل و مناظرہ اور باہمی علمی مقابلہ جو اظہار حق کیلئے نہ ہو یا اظہار حق کے لئے ہو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے مکروہ گردانتے ہیں جیسا کہ آیات کریمہ ماضربوہ لك الاجدلا بل هم قوم خصمون (انہوں نے یہ بات آپ سے جھگڑے کے لئے کی یہ جھگڑالوؤں کی قوم ہے۔ زخرف ۵۸) اور كان الانسان اكثر شئى جدلا (انسان اکثر باتوں میں جھگڑالو ہے۔ کہف ۵۴) سے واضح ہے اسے ہی مناظرہ مذموم کہتے ہیں جبکہ بعض علماء کا موقف ہے کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ جائز ہے جیسا کہ آ یہ

اہل سنت استطاعت مع الفعل اثبات کردہ اند این

اہل سنت استطاعت مع الفعل کا اثبات کرتے ہیں۔ یہ

مسئلہ از مسائل حقہ است کہ بنور فراست و کشف

مسئلہ حق مسائل میں سے ہے جو نور فراست اور کشف

صحیح معلوم گشتہ است اما دلائل کہ بر اثبات او

صحیح سے معلوم ہوا ہے لیکن دلائل جو اس کے اثبات پر لائے ہیں ضعیف

آوردہ اند مزیف و ناتمام است اقوائے ادلہ ایشاں

اور ناتمام ہیں ان کی قوی ترین دلیل اس مسئلہ کے

کریمہ وجادلھم بالتی ھی احسن سے عیاں ہے اسی کو مناظرہ محمود کہا گیا ہے۔

مناظرہ مذموم

اس مناظرہ میں مناظر، دوران جدل و بحث بسا اوقات ایسے نازیبا الفاظ و کلمات اپنی زبان سے صادر کر بیٹھتا ہے جو اسلاف و اخلاف کی شان میں دریدہ دہنی اور بے ادبی پر دال ہوتے ہیں بس یہی الفاظ حرماں نصیبی، قلبی موت اور شقاوت کا موجب ہوتے ہیں نیز اس قسم کا مناظر، حسد و حقد، باہمی عداوت و کدورت، عجب و خود پسندی اور تکبر و ریا کاری وغیرہ ایسی متعدد اخلاقی و روحانی امراض کا شکار ہو جاتا ہے جو خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے جس کا ازالہ کسی شیخ کامل و مکمل کے روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس قسم کے مناظرہ کے مضرات و آفات و مہلکات کا اندازہ درج ذیل فرمودات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

براثبات آں مسئلہ عدم بقائے اعراض است در دو زمان

اثبات میں دو زمانوں کے اندر اعراض کا عدم بقا ہے

چہ اگر عرض باقی باشد لازم آید قیام عرض بعرض و آں

کیونکہ اگر عرض باقی ہو تو لازم آئے گا عرض کا عرض کے

محال ست وچوں ایں دلیل را مخالفان مزیف وناتمام

ساتھ قیام اور یہ محال ہے اور جب اس دلیل کو مخالفین نے ضعیف اور

دانستہ اند یقین کردہ اند کہ آں مسئلہ نیز ناتمام است

ادھورا جانا تو ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مسئلہ بھی ادھورا ہے وہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ابغض الخلق الی اللّٰہ تعالٰی الالد الخصم یعنی حق تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ شخص ہے جو بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ (مسند امام احمد ۶/۵۵)

ایک مقام پر یوں ارشاد گرامی ہے:

انکم فی زمان الھمتم فیه العمل وسیاتی قوم یلھمون الجدل یعنی تم ایسے زمانے میں ہو جس میں تمہیں عمل کا الہام ہوا عنقریب ایسی قوم آئے گی کہ جن کے دلوں میں جدل ومناظرے کا شوق ڈال دیا جائے گا۔ (احیاء العلوم جلد اول)

ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

ھلك المتنطعون ھلك المتنطعون ھلك المتنطعون یعنی جو لوگ مناظرہ بازی میں زیادہ پڑ گئے وہ ہلاک ہو گئے۔ (مسلم ۲/۳۳۹)

ندانستہ اند کہ مقتدائے ایشاں دریں مسئلہ ودرامثال ایں

نہیں جانتے کہ ان کا مقتداء اس مسئلہ میں اور اس قسم کی اور مثالوں

مسئلہ نور فراست ست کہ مقتبس از انوار نبوت ست

میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے مقتبس ہے لیکن

اما ایں تقصیر ماست کہ حدسی وبدیہی رادر نظر

یہ قصور ہمارا ہے کہ ہم حدسی اور بدیہی کو مخالفین کی نظر

مخالفاں نظری میسازیم وتکلفات دراثبات آں می کوشیم

میں نظری بناتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ان کے اثبات میں

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

دع المراء ولو کنت محق یعنی بحث و جھگڑا چھوڑ دو اگر چہ تم حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لا یجد احد کم حقیقۃ الایمان حتی یدع المراء وهو محق الا ان المراء یؤادی الی العداوۃ بین المسلمین حرام یعنی تم میں سے کوئی شخص بھی ایمان کی حقیقت نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ جھگڑا نہ چھوڑ دے کیونکہ جھگڑا مسلمانوں کے درمیان عداوت کو فروغ دیتا ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ترک المراء وهو مبطل بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی ربض الجنۃ ومن ترک المراء وهو محق بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی اعلی یعنی جو شخص باطل کے لئے

غایة مافی الباب حدسی وبدیہی مابر مخالفاں حجت

کوشش کرتے ہیں ماحصل اس کا یہ ہے کہ ہماری حدسی اور بدیہی مخالفین

نیست گونباشد غیر از اعلام وتبلیغ برما الازم نساخته

پر حجت نہیں ہے تو نہ ہو ہم پر سوائے اطلاع دینے اور تبلیغ کرنے کے کچھ

اند، ہر کہ حسن نشائے مسلمانی دارد بے اختیار قبول

لازم نہیں کیا گیا جو شخص مسلمانی کی حسن عقیدت رکھتا ہے وہ بے اختیار قبول

خواہد کرد وہر کہ بے نصیب ست غیر از انکار نخواہد

کرے گا اور جو شخص بے نصیب ہے سوائے انکار کے کوئی شئی نہیں

افزود ودرمیان علمائے اہل سنت طریق اصحاب شیخ

بڑھے گی اور علمائے اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ

جھگڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے ایک کونے میں گھر بناتا ہے اور جو شخص حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا نہیں کرتا اس کیلئے اللہ سب سے اوپر والی جنت میں گھر بناتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۱/۱۳۱)

مناظرہ محمود

اس مناظرہ میں مناظر نہایت محتاط انداز میں بسلامتی ہوش وحواس مناظرہ کے جملہ آداب وشرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محض اظہار حق کی خاطر اپنے مدمقابل سے سنجیدہ طریقے سے گفتگو کرتا ہے اور اپنا مؤقف نہایت مؤثر انداز میں مدمقابل کے قلب ونظر میں جاگزیں کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مدمقابل لاجواب اور مبہوت ہوکر

اس موقف کو ماننے پر مجبور ہو جائے۔

جیسا کہ انبیائے کرام اور علمائے راسخین نے احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر منکرین سے مناظرے و مجادلے کئے ہیں تا کہ سادہ لوح لوگ ان کے گمراہ کن عقائد و نظریات سے محفوظ ہو جائیں جیسا کہ آیہ کریمہ الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربه سے عیاں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے بھی ایک مجلس میں ابوالفضل اور فیضی جیسے فاسد نظریات کے حاملین کو مضبوط و مسکت دلائل دے کر لاجواب کر دیا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد اول میں طلب حق کی خاطر مناظرہ کی آٹھ شرائط بیان فرمائی ہیں جو وہاں ملاحظہ کی جاسکتیں ہیں۔

الاسلام شیخ ابومنصور ماتریدی چه زیبا است که

ابومنصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کتنا زیبا ہے[4] کہ وہ

اقتصار برمقاصد فرمودہ اند واعراض از تدقیقات فلسفیه

مقاصد پر اقتصار فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریک بینیوں سے اعراض کرتے ہیں

نمودہ طریق نظر واستدلال بطریق فلسفی درمیان علمائے

فلسفی انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت

اہل سنت وجماعت از شیخ ابوالحسن اشعری ناشی

و جماعت میں شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع

شدہ است وخواستہ کہ معتقدات اہلسنت را با

ہوا ہے اور چاہا کہ اعتقادات اہل سنت کو فلسفی

[4] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ماتریدیہ اور اشاعرہ کا تذکرہ فرمارہے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم الکلام کی قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ وباللہ التوفیق

دین اسلام ایک عالمگیر، پہلودار اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو بنیادی طور پر چار عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱......عقائد وایمانیات ۲......اعمال وعبادات

۳......معاشرت ومعاملات ۴......اخلاقیات وسیاسیات وغیرہا

ان چاروں عنوانات میں سے اول درجہ عقائد کا ہے۔ عقائد، عقیدہ کی جمع ہے اور عقیدہ، عقد سے مشتق ہے۔ عقد کا معنی ہے باندھنا اور گرہ لگانا یعنی چند بنیادی حقائق

کے متعلق یقین اور تصدیق قلبی کو اس طرح پختہ کرنا اور خیالات کو مستحکم و مضبوط بنانا جس طرح گرہ باندھی جاتی ہے اسی کا نام عقیدہ اور ایمان ہے۔ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد اسلامیہ کے مسائل کو فقہ اکبر اور علم الکلام کہا جاتا ہے اور فقہ کے مسائل احکام اجتہادیہ کو فقہ اصغر کہا جاتا ہے۔

چونکہ دین اسلام ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک مذہب ہے اس لئے عقائد اسلامیہ میں بھی کسی قسم کی افراط و تفریط اور زیادتی و کمی نہیں پائی جاتی۔ اہل سنت و جماعت جو دین اسلام کی سب سے بڑی وحدت اور مسلمانوں کی واضح اکثریت کا نام ہے کے عقائد بھی ہر قسم کے افراط و تفریط اور حشو و زوائد سے پاک اور اعتدال پر ہیں کیونکہ اعتدال میں ہی خیریت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات خیر الامور اوسطھا سے عیاں ہے۔ صاحب نور الانوار رقمطراز ہیں فانه متوسطة بین الجبر و القدر بین الرفض و الخروج بین التشبیه و التعطیل الذی فی وغیرها وعلی طریق سلوك جامع بین المحبة و العقل فلا یکون عشقا محضا مفضیا الی الجذب و لا عقلاً صرفا موصلاالی الالحاد و الفلسفة نعوذ باللّٰه منه یعنی بے شک عقائد اہل سنت، جبریہ اور قدریہ، رافضیہ اور خارجیہ، تشبیہ و تعطیل کے درمیان متوسط ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ ایسے ہی عقائد اہل سنت محبت اور عقل کے درمیان جامع ہیں جو نہ تو محض عشق ہی ہیں کہ انسان کو کیفیت جذب تک پہنچا دیں اور نہ ہی صرف عقل پر انکا مدار ہے کہ جو انسان کو الحاد و فلسفہ (کفر) تک پہنچا دیں، ہم اس قسم کے فاسد عقائد سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

عقائد اسلامیہ کو علم عقائد اور علم کلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ علم، جمیع علوم کی اصل ہے۔ علم کلام وہ علم ہے جس کے حاصل کرنے سے بندۂ مؤمن عقائد دینیہ، دلائل کے ذریعے اثبات کر کے اور مخالفین کے ایرادات واعتراضات کے جوابات پر قادر

ہو جاتا ہے۔ جس طرح مسائل فرعیہ عملیہ میں اہل سنت و جماعت کے چار امام ہیں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اسی طرح اہلسنت میں علم الکلام کے تین امام ہیں۔

۱......علم الہدیٰ امام ابومنصور ماتریدی

۲......امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری

۳......امام المحدثین امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم۔

حضرات مالکیہ اور شوافع، عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے پیروکار ہیں اس لئے انہیں اشعریہ یا اشاعرہ کہا جاتا ہے۔ حضرات حنبلیہ عقائد میں امام احمد بن حنبل کو اپنا راہنما تسلیم کرتے ہیں اس لئے انہیں حنابلہ کہا جاتا ہے فرقہ ظاہریہ اور جمہور اہل حدیث بھی عقائد میں اپنے آپ کو حنبلی کہلواتے ہیں (بغیۃ الرائد) جبکہ جمہور احناف عقائد وکلام میں شیخ الاسلام حضرت شیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں اس لئے وہ اپنے آپ کو ماتریدی کہلواتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابومنصور ماتریدی کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد بن محمود حنفی ہے اور آپ کی کنیت ابومنصور ہے۔ آپ میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ انصاری لکھا جاتا ہے۔ آپ تین واسطوں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ ماوراء النہر کے علاقہ سمرقند کے ایک محلہ ماترید میں تیسری صدی ہجری کے نصف میں متولد ہوئے۔

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری اہواری قدس سرہٗ العزیز ایک حدیث پاک جس میں لفظ منصور مذکور ہے کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں وقیل المراد بہ ابو

منصور الماتریدی وھو امام الجلیل مشھور وعلیه مراد اصول الحنفیة فی العقائد (مرقات شرح مشکوٰۃ ۱۰/۱۸۰)

آپ نے فقہ حنفی اور علم الکلام کے حصول تعلیم کیلئے حضرت علامہ نصر بن یحییٰ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

حضرت علامہ ابوزہرہ مصری مرحوم آپ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ہماری رائے ہے کہ جن جوہری مسائل میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ان میں ماتریدیہ کا نقطہ نگاہ عقل ونقل کا حسین مرکب نظر آتا ہے''۔

یہی علامہ مصری تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے مخلص دوست علامہ کوثری مرحوم اشارات المرام کے مقدمہ میں یوں لکھتے ہیں

''بلاد ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلا شرکت غیرے حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کا سکہ جاری تھا۔ احادیث وآثار کا یہ سلسلہ سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ ماوراء النہر کے امام السنۃ ابو منصور ماتریدی جن کو امام الہدیٰ کے لقب سے پکارا جاتا ہے، وہ منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل ودلائل کی تحقیق وتدقیق کی نذر کر دیا اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل ومذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (اسلامی مذاہب)

آپ علوم ظاہریہ اور معارف باطنیہ کے بہت بڑے ماہر تھے جن موضوعات کے درس ومطالعہ میں منہمک رہ چکے تھے ان میں آپ نے اکیس سے زائد بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے کتاب تاویل القرآن، کتاب مآخذ الشرائع، کتاب المقالات فی الکلام، کتاب التوحید، کتاب فی اصول الدین کے علاوہ آپ نے فرق ضالہ معتزلہ، روافض اور قرامطہ وغیرہا کی تردید میں کتابیں تحریر فرمائیں جن میں کتاب التوحید اور تاویلات اہل سنت جلد اول ہی شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔

علمائے ماتریدیہ حنفیہ میں آپ کا مقام و مرتبہ وہی ہے جو شوافع میں امام باقلانی کا ہے۔ حضرت علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمات دینیہ کے پیش نظر آپ کو حامی سنت، ماحی بدعت اور محی شریعت جیسے القابات سے نوازا ہے جیسا کہ آپ کی کنیت ابو منصور اس امر پر دال ہے۔ آپ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہوئے ہیں آپ کا وصال مبارک ۳۳۳ھ میں سمرقند میں ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

باستدلال فلسفی تمام سازد و این دشوار است و دلیر

استدلال کے ذریعے مکمل کردیں ۵ اور یہ دشوار ہے اور دلیر بناتا ہے

ساختن است مرمخالفان را بر طعن اکابر دین و گذاشتن

مخالفین کو اکابر دین پر طعن کے لئے اور چھوڑنا ہے

است طریق سلف را ثبتنا اللّٰہ سبحانہ علیٰ متابعۃ اراء اھل

طریق سلف کو اللہ سبحانہ ہمیں ثابت قدم رکھے اہل حق کی آراء کی متابعت پر

الحق المقتبسۃ من انوار النبوۃ علیٰ صاحبھا الصلوات والتسلیمات

جو انوار نبوت سے مقتبس ہیں صاحب نبوت پر اتم اور اکمل

اتمھا واکملھا.

صلوات وتسلیمات ہوں۔

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علمائے اشعریہ کے فلسفیانہ نظر و استدلال پر نقد ونظر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ

علمائے اشعریہ نے اہل سنت و جماعت کے عقائد کو (جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں) فلسفیانہ استدلال سے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے منکرین اور معترضین نے ان کے فلسفیانہ استدلالات کو علوم فلاسفہ کے ذریعے ہی توڑنا شروع کر دیا جس سے کتاب وسنت سے اخذ شدہ اعتقادات ازخود اس زد میں آ گئے۔ مزید برآں مخالفین نے اکابر دین پر بھی زبان طعن وملامت دراز کرنا شروع کر دی جنہوں نے نور فراست کی بنا پر ان عقائد کو کتاب وسنت سے مستنبط و مستخرج فرمایا تھا۔ یوں اسلاف کرام پر حرف گیری اور تنقید سے ان کے متعلق عقیدت واحترام کے جذبات مجروح ہوتے چلے گئے

جس کی وجہ سے ان پر سے مسلمانوں کا اعتقاد اٹھتا گیا۔ یوں ان علمائے راسخین اور اکابر دین سے مسلمانوں کے برگشتہ ہونے کا دروازہ کھلتا گیا یہاں تک کہ مادر پدر آزاد لوگوں کی طرح ہر کسی نے اپنے عقائد ونظریات فاسدہ کا مبنی، کتاب وسنت کو قرار دے لیا...... یوں لوگ اسلاف کرام سے بداعتقادی کی بناء پر بدعقیدہ اور گمراہ ہوتے چلے گئے اور مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے جبکہ علمائے ماتریدیہ نے صرف مقاصد کو بیان فرمایا ہے فلسفیانہ باریک بینیوں اور علمی موشگافیوں میں نہیں الجھے، اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک علمائے ماتریدیہ کا موقف ہی اسلم ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن اشعری کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں اور اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے، آپ ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ کو بصرہ میں متولد ہوئے۔

آپ ابوعلی جبائی معتزلی کے شاگردوں میں سے ہیں، مذہب اعتزال میں نہایت متعصب تھے چالیس سال تک فرقہ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے یہاں تک کہ معتزلہ کے مقتداء مانے گئے۔ ایک مرتبہ اپنے استاد ابوعلی جبائی کے ساتھ مباحثہ ہوا جس میں آپ نے اپنے استاد کو لاجواب اور مبہوت کر دیا اور فرقہ معتزلہ کو خیرباد کہہ کر معتزلہ کی تردید وابطال میں مشغول ہوگئے۔ بعدہٗ فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا یوں آپ گروہ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد قرار پائے اور تقریباً تین سو کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کے ماننے والوں میں امام باقلانی، امام جوینی، امام اسفرائنی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم کا نام سرفہرست ہے مگر علامہ ابوزہرہ مصری مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت امام غزالی، شیخ

ابوالحسن اشعری یا شیخ ابومنصور ماتریدی کے مقلد نہ تھے بلکہ آپ کی حیثیت ایک بالغ نظر اور حریت فکر ونظر سے بہرہ ور محقق کی ہے......امام اشعری کے اکثر متبعین نے امام غزالی کو کفر وزندقہ سے متہم کیا ہے جیسا کہ امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ بین الاسلام و الزندقہ میں اس کی تغلیط وتردید فرمائی گئی ہے۔ (اسلامی مذاہب)

آپ ۳۲۴ھ کو بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

منہا-۴۳

بحکم کریمہ واما بنعمة ربک فحدث اظہار ایں نعمت

بمصداق آیہ کریمہ و اما بنعمة ربک فحدث اس نعمت عظمیٰ

عظمیٰ می نماید کہ ایں فقیر را یقینے نسبت بمعتقدات

کا اظہار کرتا ہوں کہ اس فقیر کو یقین اعتقادات کلامیہ کے متعلق

کلامیہ کہ بر وفق آرائے اہل حق یعنی اہل سنت و

جو اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت کی آراء کے

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بطور تحدیث نعمت اس بات کا اظہار فرما رہے ہیں کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو از مجتہدان علم کلامے (مکتوبات شریفہ جلد اول مکتوب ۲۶۶) کے مصداق مجھے علم کلام کا مجتہد بنایا گیا ہے، تب سے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے متعلق مجھے وجود آفتاب سے بھی بڑھ کر یقین محکم حاصل ہو گیا ہے کیونکہ وجود آفتاب کا احساس، حواس خمسہ ظاہرہ کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ عین الیقین کا ادراک واحساس الہام صریح سے ہوتا ہے۔ حواس خمسہ کے حاصل کردہ علوم میں التباس ممکن ہے جبکہ الہام صریح اور کشف صحیح ہر قسم کے اختلاط والتباس سے پاک ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الہام کے متعلق قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم منہا میں سہولت ہو سکے۔ و باللہ التوفیق

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں کہ علم

جماعت واقع شده اند برنہجے حصول پیوستہ است کہ
موافق واقع ہوئے ہیں ایسی نہج پر حاصل ہوا ہے کہ
درجنب آں یقین یقینے کہ نسبت باجلائے بدیہیات
اس یقینی یقین کے مقابلہ میں جو واضح تر
حاصل است حکم ظنیات بلکہ وہمیات دارد مثلاً
بدیہیات کے متعلق حاصل ہے ، ظنیات بلکہ وہمیات کا حکم رکھتا ہے

بندۂ مومن کے قلب میں ایسے نور کو کہا جاتا ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد و مقتبس ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کی وساطت سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو اسے علم لدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مرقات علی المشکوٰۃ ۱/۲۶۴)

علم لدنی کی اقسام ثلاثہ

علم لدنی کی تین قسمیں ہیں

۱......وحی ۲......الہام ۳......فراست

وحی

شارح بخاری حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ وحی کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وفی اصطلاح الشریعۃ ھو کلام اللّٰہ المنزل علی نبی من انبیائہ

یعنی اصطلاح شریعت میں وحی کلام اللہ کو کہا جاتا ہے جو انبیائے کرام میں سے کسی نبی

چوں موازنہ می کنم یقینے را کہ نسبت بہر یکے از مسائل
مثلاً جب میں موازنہ کرتا ہوں یقین کا جو مجھے کلام کے
کلام حاصل ست با یقینے کہ نسبت بوجود آفتاب دارم
مسائل میں سے ہر مسئلہ کی نسبت حاصل ہے اس یقین کے ساتھ جو میں
حیف می آید کہ یقین ثانی را نسبت بہ یقین اول اطلاق
وجود آفتاب کی نسبت رکھتا ہوں افسوس ہوتا ہے کہ یقین ثانی پر یقین اول

پر نازل ہوتی ہے علیہم الصلوات۔ (عمدۃ القاری ۱/۱۴)

الہام

علامہ ملا علی قاری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ الہام کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں

الالهام لغة الابلاغ وهو علم حق يقذفه الله من الغيب في قلوب عباده یعنی لغت میں الہام کا معنی ابلاغ (پہنچانا) ہے اور الہام وہ علم حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے بندوں کے قلوب میں القاء فرماتا ہے۔(مرقات ۱/۲۶۴)

❁...... قدوة المتكلمين حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ الہام کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والالهام المفسر بالقاء معنى في القلب بطريق الفيض یعنی بطریق فیض (بلا اکتساب واستفاضہ) قلب میں القائے معنی کو الہام کہا جاتا ہے۔

(شرح عقائد ۲۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

❁...... ایک مقام پر علامہ تفتازانی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں:

الالهام ما وقع في القلب من علم وهو يدعوا الى العمل من غير

یقین نموده آید ارباب عقول ایں معنی را قبول کنند یا نه

کی نسبت یقین کا اطلاق کیا جائے ارباب عقول اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں

بلکه البته قبول نه کنند که ایں مبحث ورائے طور نظرعقل

بلکہ ہرگز قبول نہیں کرینگے کیونکہ یہ مبحث عقل کے انداز

ست عقل ظاہر بیں را جز انکار ازیں مقام نصیبے نیست

نظر سے وراء ہے عقل ظاہر بین کو اس مقام سے سوائے انکار کے کوئی حصہ

حقیقت ایں معامله آنست که یقین کار قلب ست و یقینے

نہیں ہے۔ حقیقت اس معاملہ کی یہ ہے کہ یقین قلب کا کام ہے اور وہ یقین جو

استدلال باية ولا نظر فی حجة وهوليس بحجة عندالعلماء الا عند الصوفيين یعنی الہام وہ علم ہے جو قلب میں واقع ہوتا ہے اور کسی عمل (کام) کے کرنے کا محرک ہوتا ہے جو نہ تو کسی آیت سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حجت (دلیل) سے۔ الہام علماء کرام کے نزدیک حجت نہیں البتہ صوفیائے عظام کے ہاں حجت ہوتا ہے۔ (شرح عقائد)

فراست

فاضل اجل حضرت علامہ شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فراست کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

الفراسة فی اللغة التثبت والنظر وفی اصطلاح اهل الحقيقة هی مكاشفة اليقين ومعاينة الغيب یعنی لغت میں فراست، تثبت اور نظر کو کہا جاتا ہے جبکہ اہل حقیقت کی اصطلاح میں یقین کے انکشاف اور غیب کے معائنہ

کہ قلب را مثلاً بوجود آفتاب حاصل میگردد بتوسط حواس
قلب کو مثلاً وجود آفتاب کی بابت حاصل ہوتا ہے حواس کی
ست کہ حکم جواسیس دارند و یقینے کہ بیکے از
وساطت سے ہے جو جاسوسوں کا حکم رکھتے ہیں اور وہ یقین جو مسائل
مسائل کلامیہ قلب را حاصل شدہ است بے توسط احدے
کلامیہ کے کسی ایک مسئلہ کی بابت قلب کو حاصل ہوا ہے
است کہ بطریق الہام از حضرت وہاب جل وعلا بے
بغیر کسی کی وساطت کے ہے جو حضرت وہاب جل و علا سے بطریق الہام

کا نام فراست ہے۔(کتاب التعریفات ۱۷)

واضح رہے کہ مراتب ولایت میں سے آخری مرتبہ صدیقیت ہے اور مرتبہء صدیقیت پر فائز المرام اولیائے کاملین اور علمائے راسخین کو علوم شرعیہ بذریعہ الہام حاصل ہوتے ہیں جبکہ نبی علیہ السلام کو علوم شرعیہ بذریعہ وحی حاصل ہوتے ہیں۔ صدیق اور نبی علیہ السلام کا فرق طریق حصول میں ہے، ماخذ میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں حق تعالیٰ سے ہی حاصل کرتے ہیں لیکن صدیق نبی کی متابعت کی بدولت اس مرتبہ تک پہنچتا ہے۔ نبی اصل ہے اور صدیق اس کی فرع ہے۔

الہام، وحی کے تابع ہے نہ کہ وحی، الہام کے تابع۔ نبی کے علوم قطعی ہوتے ہیں اور صدیق کے علوم ظنی ہوتے ہیں۔ نبی کے علوم دوسرے پر حجت ہوتے ہیں جبکہ صدیق کے علوم دوسروں پر حجت نہیں ہوتے۔

واسطه تلقی نموده است واخذ فرموده پس یقین اول بمشابه

بلا واسطہ القاء ہوا ہے اور اخذ فرمودہ ہے لہٰذا یقین اول علم الیقین

علم الیقین آمد ویقین ثانی بمثابه عین الیقین شتان ما بینهما

کے مشابہ ہوا اور یقین ثانی بمنزلہ عین الیقین ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

ع شنیده کے بود مانند دیده

سنا ہوا ، دیکھے ہوئے کے برابر کب ہو سکتا ہے......؟

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

الہام سے حاصل شدہ علوم عین الیقین کا فائدہ دیتے ہیں جو کہ علم الیقین سے بالا مرتبہ ہے کیونکہ علم الیقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے جبکہ عین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(معارف لدنیہ معرفت ۳۶، مرقات وغیرہا)

منہا-۴۴

چوں طالب را بمحض فضل خداوندی جل سلطانه

جب محض فضل خداوندی جل سلطانہ سے طالب کے

ساحت سینه او از جمیع مرادات خالی شود وخواستے غیر

سینہ کا میدان تمام مرادوں سے خالی ہو جاتا ہے[1] اور کوئی خواہش

از حق سبحانه او را نماند دریں وقت آنچه مقصود از

سوائے حق سبحانہ کے اسے نہیں رہتی اس وقت جو کچھ مقصود ہے

آفرینش اوست میسر شده باشد وحقیقت بندگی

اس کی پیدائش سے اسے میسر ہو جاتا ہے وہ بندگی کی حقیقت

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جب طالب مولیٰ سالک شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ اور عبادت وریاضت کی بدولت ہر قسم کی خواہشات ومرادات سے بےزار اور ماسوی اللہ سے آزاد ہوجاتا ہے تو اسے معرفت خدا نصیب ہوجاتی ہے۔ یہی تخلیق انسانی کا مدعا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون سے عیاں ہے بعدازاں اس قسم کے عارف باللہ سے اگر عامۃ الناس کی تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کا کام لینا مقصود ہوتو اسے حریم قدس سے واپس لوٹا دیا جاتا ہے، اس قسم کے

عارفین کو راجعین کہا جاتا ہے ورنہ اسے قرب وحضور میں ہی رکھا جاتا ہے اس قسم کے سالکین کو مستہلکین کہتے ہیں۔ اگر عرفائے راجعین حضرات نقشبندیہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے پروردہ ہوں تو وہ قافلوں کے قافلے حریم یار تک خفیہ رستوں سے پہنچا دیتے ہیں اور پہنچنے والوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ہم کیسے واصل باللہ ہو گئے سبحان اللہ۔ سلطان العشاق حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے کیا خوب کہا

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

بجا آورده بعد ازیں اگر خواہند کہ او را برائے تربیت

بجا لا چکا[۲] اس کے بعد اگر چاہتے ہیں تو اسے ناقصین کی تربیت

ناقصان باز گردانند از نزد خود ارادتے او را خواہند عطا

کے لئے لوٹا دیتے ہیں اپنی جناب سے اس کو ایک ارادہ عطا

فرمود واختیارے خواہند داد کہ در تصرفات قولی و

فرماتے ہیں اور ایک اختیار عنائت فرماتے ہیں کہ وہ قولی اور فعلی

فعلی مختار ومجاز باشد دررنگ عبد ماذون دریں

تصرفات میں صاحب اختیار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے اذن یافتہ غلام کی طرح

[۲] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز راجعین اہل اللہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ جب انہیں نبوت ورسالت کی خلافت ونیابت پر متمکن فرمایا جاتا ہے تو انہیں متصف بصفات اللہ اور متخلق باخلاق اللہ کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے ایسا ارادہ واختیار عطا فرمایا جاتا ہے جیسے عبد ماذون اور بندہ مرزوق اپنے آقا کے جملہ امور میں مختار ومجاز وماذون ہوتا ہے۔ بنابریں ان صوفیاء کرام کی گفتگو لوگوں کے دل ودماغ میں انقلاب برپا کر دیتی ہے اور ان کی سیرت وکردار لوگوں کیلئے باعث متابعت ہوتی ہے۔ یہ بقا باللہ کا مرتبہ ہے جس پر فائز المرام صوفی ولی گر ہوتا ہے۔ اس قسم کے صوفی کو شیخ کامل مکمل کہا جاتا ہے جس کی توجہات قدسیہ اور فرمودات عالیہ کی بدولت عامۃ الناس امراض قلبیہ، علل معنویہ اور محبت ماسوا سے نجات حاصل کرتے ہیں غرضیکہ اس کا کلام دوا، نگاہ شفا اور توجہ اکسیر ہوتی ہے۔ بقول شاعر

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہء چشمے بما کنند
درمس قلب من اے مظہر حق کن نظری
زانکہ اکسیر اثر نرگس شہلا داری

جب کسی طالب حق اور مرید صادق کو اس قسم کے شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ میسر ہو جاتی ہیں تو وہ ابنائے جنس سے بے نیاز اور ممتاز ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر

یک نظر کن تا کہ مستغنی شوم از ابنائے جنس
سگ چو شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

مقام کہ مقام تخلق باخلاق اللہ است صاحب ارادہ

اس مقام میں جو تخلق باخلاق اللہ کا مقام ہے [3] صاحب ارادہ

ہر چہ خواہد برائے دیگراں خواہد خواست ومصالح

جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے لئے چاہتا ہے اور دوسروں

دیگراں منظور خواہد داشت نہ مصالح نفس خود کما

کی مصلحتیں اس کے مدنظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی مصلحتیں جیسا کہ

ھو حال ارادۃ الواجب تعالیٰ بل للہ المثل الاعلیٰ ولازم نیست

واجب تعالیٰ کے ارادہ کا حال ہے بلکہ بلند ترین مثال اللہ کے لئے ہے اور یہ ضروری

بلکہ جائز نیست کہ ایں صاحب ارادہ ہر چہ خواہد

نہیں بلکہ جائز بھی نہیں ہے کہ یہ صاحب ارادہ جو کچھ چاہے وہ

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب کوئی صوفی مختار و ماذون اور مامور من اللہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شب و روز امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی فلاح و بہبود میں ہی کوشاں رہتا ہے گویا کہ وہ حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم کا شاندار مظہر ہوتا ہے۔

بوقوع آید کہ شرک ست و بندگی آنرا برنتابد حضرت حق

وقوع میں آئے کیونکہ یہ شرک ہے[4] بندگی اس کو برداشت نہیں کرسکتی حضرت حق

سبحانہ وتعالیٰ حبیب خود را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو کو

می فرماید "**انک لا تهدی من احببت** ہر گاہ ارادت سید

فرماتا ہے **انک لا تهدی من احببت** جب سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم

[4] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک اہم امر کی وضاحت فرمارہے ہیں ، وہ یہ کہ مامور من اللہ صاحب ارادہ صوفی کا ہر ارادہ قابل وقوع نہیں ہوا کرتا تا کہ بندہ اور خالق کے درمیان حد فاصل قائم رہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا کسی قسم کا اشتراک والتباس نہ ہو۔ جب سید المرسلین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو دیگر صاحبان ارادہ کی وہاں کیا مجال ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انك لا تهدی من احببت ولکن اللہ یهدی من یشآء سے واضح ہے۔

واضح رہے کہ انك لا تهدی من احببت میں توفیق وتخلیق ہدایت کا بیان ہے جبکہ آیہ کریمہ انك لتهدی الی صراط مستقیم میں تقسیم وتبلیغ ہدایت کا بیان ہے۔ ہدایت کی توفیق وتخلیق کرنا خالق حقیقی کا کام ہے جبکہ تقسیم وتبلیغ ہدایت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ مامور ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات انما انا قاسم واللہ یعطی (بخاری) سے عیاں ہے۔ بقول شاعر

اس نے پھیرا دل، تو اس نے دعوت اسلام دی

وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

البشر در توقف افتد دیگراں را چہ مجال وایضاً لازم

کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال نیز یہ

نیست کہ جمیع مرادات ایں صاحب ارادت مرضی حق

ضروری نہیں ہے کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں حق تعالیٰ و تقدس کی مرضی

باشند تعالٰی وتقدس والا بربعضے افعال واقوال آں

کے مطابق ہوں ۵؎ ورنہ آنسرور آپ پر اور آپ کی آل پر

سرور علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات اعتراض از

درود اور سلامتیاں ہوں کے بعض افعال اور اقوال پر حق سبحانہ کی

۵؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ صاحب ارادہ عارف کی تمام مرادات حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہونا بھی ضروری نہیں یعنی بعض اوقات اس کے افعال مکتسبہ رضائے حق کے خلاف بھی ہوجاتے ہیں اور اس پر بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے عفوودرگذر کے مژدے بھی ملتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر اسیران بدر کو قید کرنے پر اعتراض ہونے اور غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین کو اجازت دینے پر عفوودرگذر کا اظہار ہونا آیات کریمہ سے ثابت ہے جیسا کہ ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا (انفال) اور عفااللّٰہ عنك لم اذنت لھم سے عیاں ہے۔

واضح رہے کہ آیہ کریمہ ماکان لنبی ... الخ میں بظاہر عتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہے لیکن درحقیقت اس سے وہ عام مجاہدین (نومسلم) مراد ہیں جنہوں نے مال دنیوی کے طمع میں اخذ فدیہ کا مشورہ دیا تھا جیسا کہ حضرت علامہ

قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ زیر نظر آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

والنبی صلی اللّٰہ علیه و سلم لم یامر باستبقاء الرجال وقت الحرب ولا اراد قط عرض الدنیا وانما فعله جمهور مباشری الحرب فالتوبیخ و العتاب انما کان متوجها بسبب من اشار علی النبی باخذ الفدیة هذا قول اکثر المفسرین و هو الذی لایصح غیره (تفسیر قرطبی)

حضرت علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اسیران بدر کے متعلق مجاہدین اسلام سے طلب مشورہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دے دیا تھا جیسا کہ تفسیر بیضاوی کے الفاظ فخیّر اصحابه فاخذوا الفداء سے ثابت ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

علاوہ ازیں علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ما کان لنبی ......الخ الآیة دلیل علی ان الانبیاء یجتهدون وقد یکون خطاء ولکن لا یقرون علیه یعنی یہ آیت کریمہ اس امر پر دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات اجتہاد فرماتے ہیں اور وہ کبھی خطا بھی ہوسکتا ہے لیکن اس پر ان کا قرار نہیں ہوتا۔

حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ و شاورهم فی الامر (نساء۱۵۹) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

انه کان مامورا بالاجتهاد اذالم ینزل علیه الوحی والاجتهاد یتقوی بالمناظرة والمباحثة فلهذا کان مامورا بالمشاورة وقد شاورهم یوم بدر فی الاساری و کان من امور الدین یعنی جس معاملہ میں وحی نازل نہ ہو اس میں آپ اجتہاد کرنے پر مامور تھے اور اجتہاد مناظرہ ومباحثہ سے قوی ہوتا ہے فلہٰذا آپ مشاورت پر مامور تھے اور آپ نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا جو کہ ایک دینی معاملہ تھا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

واصحاب کرام در امور عقلیہ واحکام اجتہادیہ مجال اختلاف ومساغ خلاف داشتند (رد روافض ۱۷)

حضرت علامہ محمود آلوسی مجددی رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (التوبہ ۴۳) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

واستدل بھا جمع علی انہ لہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجتھاداً وانہ قد ینالہ منہ اجر واحد یعنی اس آیت کریمہ سے علماء کی ایک جماعت نے استدلال فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے اور خطائے اجتہادی کی صورت میں آپ کو اجتہاد پر ایک اجر ملتا۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت علامہ ملا علی قاری احراری رحمۃ اللہ علیہ (حدیث انما انا بشر انہ یاتینی الخصم الخ) کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفیہ دلیل علی جواز الخطاء فی الاحکام الجزئیۃ وان لم یجز فی القواعد الشرعیہ الٰی قولہ و قد اتفق الاصولیون علی انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یقر علی خطاء فی الاحکام یعنی اس حدیث مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام جزئیہ میں خطا کا واقع ہونا جائز ہے جبکہ قواعد شرعیہ میں خطاء کا ہونا ممکن نہیں اور علمائے اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں خطا پر برقرار نہیں رہتے تھے۔

(مرقات شرح مشکوۃ ج ۷ ص ۲۵۴ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شارح بخاری حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

لـو وقع لـم يقر عليه صلى الله عليه وسلم لثبوت غصمته یعنی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران اجتہاد خطاء واقع ہو جائے تو آپ اس پر ثبوت عصمت کی بنا پر برقرار نہیں رہتے تھے۔ (فتح الباری ۱۳/۲۷۲)

مذکورۃ الصدر بحث کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں اجتہاد پر من جانب اللہ مامور تھے اور اجتہاد میں بحث و مباحثہ سے نکھار اور قوت پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات دوران اجتہاد احکام جزئیہ میں خطا بھی ہو سکتی ہے لیکن عصمت نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خطا پر برقرار نہیں رہتے۔ البتہ خطائے اجتہادی پر ایک درجہ ثواب بھی عطا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے ثابت ہے تاہم محققین کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطائے اجتہادی کے عدم جواز کا قول بھی ملتا ہے۔ فـذهـب المحققون الى انه لم يكن جائزا (شرح مسلم للنووی ۱/۴۶)

حضرت علامہ ابوالمنتہیٰ احمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر کے جملہ ''وقـد كـانـت منهم زلات و خطايا'' کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

حضرت امام عمر نسفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ائمہ سمرقند میں فرماتے ہیں: **لا يطلقون اسم الزلة على افعال الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام لانها نوع ذنب** ...... الخ یعنی افعال انبیاء علیہم الصلوات پر اسم زلت کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے کیونکہ زلت، ذنب کی ایک نوع ہے اور کہتے ہیں کہ انہوں نے فاضل کا اکتساب کیا مگر افضل کو ترک کر دیا'' بنابریں ان پر عتاب ہوا کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کا ترک افضل، غیر انبیاء کے ترک واجب کے بمنزلہ ہے۔ بعض نے انبیائے کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوات کی زلت کو قربت الی اللہ کا سبب بھی کہا ہے۔

(شرح فقہ اکبر ۲۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ امر مستحضر رہے کہ غزوہ تبوک بعد مسافت اور قلت ساز و سامان وغیرہا کی وجہ سے نہایت دشوار اور مشکل تھا۔ منافقین نے بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات میں حاضر ہو کر شرکت جہاد سے قبل ہی پیشگی معذرت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کریم النفسی کے باعث انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انہیں رخصت نہ بھی دی جاتی تو بھی وہ شرکت مہم سے انکار کر دیتے۔ مناسب یہی تھا کہ ان کے جھوٹے حیلوں، بہانوں اور معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کی منافقت سب پر آشکارا ہو جاتی اور وہ بری طرح ذلیل و رسوا ہوتے۔ اسی لئے حق تعالیٰ جل سلطانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا عفا اللّٰہ عنك لم اذنت لهم حتى يتبين لك الذين صدقوا و تعلم الكاذبين (توبہ ۴۳)

آیت بالا میں اجازت و رخصت کے متعلق تنبیہ سے قبل عفا اللّٰہ عنک کا کلمہ اس لئے فرمایا تاکہ قلب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں لم اذنت لهم الخ کے متعلق کسی قسم کا قلق و ملال نہ رہے بلکہ بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ کا اظہار ہے ان ذالك يدل على مبالغة اللّٰه فى تعظيمه و توقيره (تفسیر کبیر)

واضح رہے کہ عتاب کا لفظ قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوا البتہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے عتب اللّٰه عليه یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا۔ (بخاری ۱ ۲۳) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد پر فرمایا مرحباً بمن عاتبني فيه ربي (مظہری ۱ ۱۹۷)

عتاب کا مبنی مودت و محبت ہے۔ اہل لغت نے عتاب کے معنی محاطبة الادلال یعنی محبوب کی لاپرواہی یا بے توجہی پر محبت بھری خفگی کا اظہار لکھے ہیں نیز

صاحب تاج العروس نے اس معنی پر بطور استشہاد درج ذیل دو شعر نقل فرمائے ہیں۔

اعاتب ذا المودّة من صدیق اذا ما رابنی منہ اجتناب

اذا ذھب العتاب فلیس ود ویبقی الود مابقی العتاب

یعنی مودت والے دوست کے ساتھ میں عتاب سے پیش آتا ہوں جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو۔ جب عتاب گیا تو محبت بھی نہ رہی کہ مودت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب باقی رہے۔

یعنی عتاب سے پیش آنا محبت کی علامت ہے مزید برآں اردو، فارسی لغت کی کتابوں میں لفظ عتاب کے معنی ''ناز کرنا'' بھی لکھے ہیں اور انہی کتابوں میں ناز کے معنی لاڈ پیار، اخلاص، محبت، پیار کی بات، پیار کی ادا بھی مرقوم ہیں۔ اسی مفہوم میں ذوق کا حسب ذیل شعر بھی منقول ہے

سنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم

کس مزے سے عتاب کی باتیں

(ماخوذ از التبیان مع البیان)

رد روافض مترجم کے تحشیہ میں تحریر ہے کہ

یہاں (صفحہ ۱۳۰) پر عتاب کا لفظ ان معنوں میں نہیں جو دوسروں کیلئے مستعمل ہیں۔ اس عتاب میں محبت کے ہزاروں باب ہیں اور اس جلال میں عنایت کے لاکھوں جمال ہیں۔ محبوب کی یہ وہ جفا ہے جو بقول مجدد، وفا سے زیادہ لذت بخش ہے۔

(رسائل مجدد الف ثانی ۱۶۶ مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور)

کسی اردو شاعر نے توبیخ و عتاب کے متعلق خوب کہا ہے

قہر و عتاب میں بھی تو رحمت ہے مستتر

یہ نکتہ کب خیال میں ناقص کے آ سکے

حق سبحانه نازل نمی شد **کما قال سبحانه ما کان لنبی الخ**

طرف سے اعتراض نازل نہ ہوتا جیسا ما کان النبی الخ کہ اس سبحانہ نے فرمایا

وعفو از ان گنجائش نداشت **کماقال تعالیٰ عفااللّٰہ عنک**

اور اس سے عفو کی گنجائش نہ ہوتی جیسا کہ اس تعالیٰ نے فرمایا اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا

چه عفو در تقصیرات متصورست باآنکه جمیع مرادات حق

کیونکہ عفو تقصیرات میں متصور ہے[1] اس کے ساتھ ہی حق

جل وعلا مرضیات حق سبحانه نیستند **کالکفروالمعاصی**

جل وعلا کی تمام مرادیں، حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہوتیں جیسا کہ کفر اور معاصی

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ وہ امور جو حق تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے تعلق رکھتے ہیں ان جملہ امور کا رضائے حق تعالیٰ کے مطابق ہونا ضروری نہیں جیسے کفر و معاصی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ افعال عباد (خیر وشر) حق تعالیٰ کے اذن وارادہ ومشیت سے تعلق رکھتے ہیں وگرنہ نہ تو ان افعال کا وجود ممکن ہوتا اور نہ ہی بندوں سے ان افعال کا صدور ہوتا لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جن امور سے حق تعالیٰ کا ارادہ ومشیت متعلق ہو جائے وہ امور حق تعالیٰ کی مرضیات و پسندیدہ بھی ہوں جیسے طاعت وایمان اور کفر وعصیان، حق تعالیٰ کے ارادہ کے تحت ہیں مگر ایمان وطاعت حق تعالیٰ سبحانہ کو پسند ہیں اور کفر ومعاصی اسے پسند نہیں جیسا کہ آیہ کریمہ لا یرضٰی لعبادہ الکفر (الزمر: ۷) سے عیاں ہے۔ فلہٰذا معلوم ہو گیا کہ جب خود حق تعالیٰ سبحانہ کا ارادہ ومشیت اس کی مرضیات کے خلاف ہو سکتا ہے تو صاحب ارادہ بندوں کا ارادہ بھی رضائے حق تعالیٰ سبحانہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔

منہا-۴۵

امام من دریں کار کلام اللہ است وپیر من دریں امر قرآن

میرا امام اس کام میں کلام اللہ ہے[1] اور میرا پیر اس امر میں قرآن مجید

مجید اگر ہدایت قرآن نمی بود راہے بجانب عبادت

اگر قرآن کی ہدایت نہ ہوتی کوئی راہ معبود برحق کی

معبود بحق نمی کشود دریں راہ ہر لطیف والطف ندائے

عبادت کی جانب نہ کھلتی اس راہ میں ہر لطیف اور الطف چیز

"انا اللہ" می زند وروندۂ راہ را گرفتار پرستش خود

انا اللہ کی ندا لگاتی ہے اور راہ چلنے والے (سالک) کو اپنی پرستش میں گرفتار

[1] اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرما رہے ہیں کہ دوران سلوک قدم قدم پر میری رہنمائی قرآن مجید کرتا رہا ہے۔ دراصل تقویٰ شعار اور محبت ماسوا سے بیزار سالکین کی رہنمائی، محض فضل ایزدی سے قرآن مجید ہی کرتا ہے جیسا کہ آیات کریمہ ھدی للمتقین اور ان ھذا القرآن یہدی للتی ھی اقوم (بنی اسرائیل ۹) سے عیاں ہے ورنہ

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہء بر کنار

مـی سـازد اگـرچون ست خـود را بصورت بیچونی وا مـی

کرلیتی ہے اگر چون ہے تو خود کو بے چونی کی صورت میں ظاہر

نماید واگر تشبیہہ است خود را بہیئت تنزیہہ جلوہ گر مـی

کرتا ہے اور اگر تشبیہہ ہے تو خود کو ہیئت تنزیہہ میں جلوہ گر کرتی ہے

گـرداند درین جا امکان بوجوب ممتزج است وحدوث

یہاں امکان ، وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حدوث

بقدم مختلط اگر باطل است بصورت حق ہویدا ست

قدم کے ساتھ خلط ملط اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ہویدا ہے

واگـر ضـلالت است بشکل ہدایت پیدا بیچارہ سالك

اور اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں ظاہر۔ بے چارہ سالک

حـکم مسافر اعمٰی دارد کہ بہر یکے "ھذا ربی" گویان

اندھے مسافر کا حکم رکھتا ہے[1] ہر ایک کی طرف ھذا ربی کہتا ہوا متوجہ ہوتا ہے۔

رو می آرد حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ خود را بہ خالق

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی خالق السموات و الارض کے

[1] سالکین راہ طریقت جس پچاس ہزار سالہ رستہ کو طے کرنے کے در پے ہوتے ہیں وہ غیب الغیب ہونے کی بنا پر نہایت پیچیدہ ، بہت پوشیدہ ، چون بے چون ، تشبیہہ ، تنزیہہ ، امکان ، وجوب اور حدوث ، قدم کے ساتھ اختلاط والتباس رکھنے کی وجہ سے انہیں ہر طرف سے انا اللہ کی صدائیں آتی ہیں ۔ بقول عارف کھڑی

السمٰوات والارض " می ستاید " ورب المشرق والمغرب "

ساتھ ستائش کرتا ہے اور رب المشرق و المغرب فرماتا ہے

می فرماید ودروقت عروج چوں ایں صفات را بر آلہہ

اور عروج کے وقت میں جب ان صفات کو خیالی معبودوں

متخیلہ عرض نمودہ شد بے اختیار اِبا نمود و رو بزوال

پر پیش کیا گیا تو بے اختیار انکار کیا اور سب زوال پذیر ہو گئے

آوردند **لاجرم لااحب الآفلین** گویان رو از ہمہ تافت وقبلہ

لامحالہ لااحب الافلین کہتے ہوئے تمام سے رخ پھر لیا اور توجہ کا قبلہ

توجہ جز ذات واجب الوجود نساخت **الحمد للہ الذی**

سوائے ذات واجب الوجود کے کسی کو نہ بنایا۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے

ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جآء ت

ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا

رسل ربنا بالحق

البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے

ع میں اَنا تلکن رستہ دھکے دیون والے بہتے

کے مصداق بیچارہ سالک ھذا ربی کہتا ہوا ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے مگر لااحب الافلین کا نعرۂ مستانہ لگاتا ہوا اشہب شوق پر سوار ہر ماسوئی سے روگردانی کرتا ہوا صفات باری تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا بلکہ ذات حق تعالیٰ سبحانہ کو ہی اپنا قبلہ،

توجہ بنا تا ہے اور اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر ما سوئی، خالق نہیں مخلوق ہے، رب نہیں مربوب ہے جیسا کہ آیات کریمہ خالق السموات والارض اور رب المشرق والمغرب سے واضح ہے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اولوالعزم انبیائے کرام علیہم الصلوات کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے آپ کے زیر قدم محمدی المشرب سالکین بھی اولوالعزم اور کامل الاستعداد ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز محمدی المشرب عارف ہونے کی بنا پر اولوالعزم اور بلند ہمت ہیں اس لئے آپ سالکین طریقت مجددیہ کو اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی ہی تلقین وتاکید فرماتے ہیں۔ بقول اقبال مرحوم

مرد مؤمن در نسازد باصفات
مصطفیٰ راضی نشد الا بذات

منہا - ۴۶

ما چہار کس بودیم درملازمت خواجہ خود کہ پیش

ہم چار افراد اپنے خواجہ کی ملازمت میں تھے[1] کہ لوگوں کی

مردم درمیان سائر یاران امتیاز داشتیم ہر کدام ما را

نگاہوں میں تمام یارانِ (طریقت) کے درمیان ہم امتیاز رکھتے تھے ہم میں

نسبت بحضرت خواجہ اعتقاد علیحدہ بود ومعاملہ جدا

ہر کسی کا حضرت خواجہ کی نسبت اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ جدا

ایں فقیر بہ یقین می دانست کہ مثل ایں صحبت و

یہ فقیر یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اس قسم کی صحبت و

اجتماع ومانند ایں تربیت وارشاد بعد از زمان آں سرور

اجتماع اور اس طرح کی تربیت و ارشاد آنسرور (آپ پر اور آپ کی

علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ

آل پر صلوات و تسلیمات ہوں) کے زمانہ کے بعد سے ہرگز وجود میں

[1] اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے سمیت دیگر چند برادران طریقت کی خواجہ بیرنگ شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ احراری دہلوی قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ ارادت وعقیدت کے تجزیہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں جو حضرت خواجہ

است وشکرایں نعمت بجا می آورد کہ اگرچہ بشرف

نہیں آئی اس نعمت کا شکر بجا لاتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر

صحبت خیر البشر علیہ وعلی الہ الصلوۃ والسلام مشرف

(آپ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ و سلام ہو) کی صحبت کے شرف

نشد بارے از سعادت ایں صحبت محروم نماند، وحضرت

سے مشرف نہیں ہوا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا ہمارے

خواجہ ما از احوال آں سہ دیگر چنیں می فرمودند کہ

حضرت خواجہ ان دوسرے تین کے احوال کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے

فلانے مراصاحب تکمیل می داند، اما صاحب ارشاد

کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد

نمی پندارد ونزد او مرتبہ ارشاد زیادہ از تکمیل بودہ و

نہیں سمجھتا اسکے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہمارے

بیرنگ نے بیان فرمایا تھا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کو تو اپنے شیخ کے مقام ومرتبہ کے متعلق کامل یقین تھا اسی یقین کامل، حسن عقیدت اور غایت محبت کی بدولت آپ نے اپنے شیخ کے جملہ کمالات وفیوضات وبرکات کو جذب فرمالیا کہ نسبت صدیقیہ، یادداشت، تجلی ذاتی دائمی اور وصل عریانی کے مرتبہ پر فائز المرام ہوئے کیونکہ یہ مقامات ومدارج شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ اور صحبت وزیارت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ چونکہ طریقت نقشبندیہ میں حصول فیض شیخ کامل کی صحبت وزیارت پر موقوف ہے اس لئے

فلانے بما کارے ندارد وآں دیگر را می فرمود ندکہ نسبت

ساتھ کوئی سروکار نہیں رکھتا اور اس تیسرے کی نسبت

بما انکاردارد و ہر کدام ما را باندازۂ اعتقاد بہرۂ رسید

فرماتے تھے کہ وہ ہماری نسبت انکار رکھتا ہے اور ہم میں ہر کسی کو اعتقاد کے اندازہ

سالکین طریقت نقشبندیہ اسکا خصوصی اہتمام فرماتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے پہلی مرتبہ ہی وہ کچھ حاصل ہو جاتا جو دیگر حضرات کو انتہاء میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بنابریں طریقت نقشبندیہ کو بعینہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کہا جاتا ہے۔

چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز حضرت خواجہبیر نگ کی بدولت، ان کے جملہ فیوض وبرکات کے حامل ہوگئے اس لئے آپ ہی قیامت تک ان فیوضات کے امین اور قسیم ہیں، وارثِ کمالات محمدیہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ کو بھی نسبت صدیقیہ آپ کی وساطت سے ہی پہنچے گی اور پھر وہ اسی نسبت کی تکمیل وتتمیم فرمائیں گے۔

بـایـد دانسـت کـه اعتقاد مرید با فضیلت پیر واکملیت او

کے موافق حصہ ملا جانا چاہئے ؎ کہ پیر کی افضلیت اور اس کی اکملیت

از ثـمـرات محبت است واز نتائج مناسبت کـه سبب

کے بارے میں مرید کا اعتقاد محبت کے ثمرات سے ہے اور مناسبت کے نتائج

افـاده واستـفـاده اسـت امـا بـایـد کـه پیر را بر جماعه کـه

سے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے لیکن چاہئے کہ پیر کو اس جماعت

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ مرید کے قلب میں اپنے شیخ کی محبت ومودت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا اپنے شیخ کی افضلیت واکملیت کے متعلق اعتقاد پختہ ہوتا جائے گا کیونکہ یہ اعتقاد محبت کے ثمرات ونتائج میں سے ہوتا ہے۔اپنے شیخ کے ساتھ غایت محبت اور فرط عقیدت کی بنا پر مرید اپنے شیخ کے جمیع کمالات وفیوضات کا مظہر بن جاتا ہے علاوہ ازیں مرید کیلئے اپنا شیخ ہی فضل وفتوحات کے باب واہونے کا واحد ذریعہ ہوتا ہے۔فرط محبت کی وجہ سے ہی وہ فنافی الشیخ کے مرتبہ پر فائز المرام ہوتا ہے جو فنافی اللہ اور حصول ولایت کا پہلا زینہ ہے، نیز فرط عقیدت سے ہی مرید کا ارتکاز توجہ پختہ ہوتا ہے اور قبلہ توجہ کیلئے وحدت شرط ہے جو سالک ومرید کو محبت شیخ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔اس لئے سالک کو چاہئے کہ ہـر کـه یـکـجـا ہـمـه جاوہر کـه ہمه جا ہیچ جا اوریك در گیر محکم گیر کے مصداق توجہ کو کلیۃً شیخ کی طرف مرکوز رکھنا چاہئے۔عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

دلبر دے دروازے اتے محکم لائیے جھوکاں
نویں نویں ناں یار بنائیے وانگ کمینیاں لوکاں

قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ العزیز مرید کے قبلہ توجہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

مرید وہ ہے کہ آتش ارادت سے اس کی ضروریات بھسم ہو جائیں اور اس کے مقاصد میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے، وہ اپنی بصیرت قلبی سے پیر کے آئینہ میں جمال مراد کا مشاہدہ کرے، دیگر تمام قلوب سے اپنا منہ پھیر لے، اس کا قبلہ جمال شیخ ہو اور وہ پیر کی خدمت کیلئے آزادی سے فارغ ہو گیا ہو، وہ اپنا سر نیاز پیر کے آستانے کے سوا اور کہیں نہ جھکائے، اس نے نیستی کا خط اپنے وجود کی پیشانی پر کھینچ دیا ہو اور اپنے شیخ کے غیر کے وجود کے تفرضہ کا شعور اس میں باقی نہ رہا ہو۔

آن کس کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

فارغ ہے سب سے باریاب حریم یار
ہو باغ و بوستان کہ تماشائے لالہ زار

(نفحات الانس)

فضل آنہا در شرع مقرراست فضل ندہد کہ موجب

پر جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے فضیلت نہ دے [3] کیونکہ یہ

افراط ست درمحبت وآں مذموم است شیعہ را

افراط کا موجب ہے محبت میں اور یہ مذموم ہے۔ شیعہ کی خرابی

خرابی از افراط محبت اہل بیت آمدہ ونصاری از افراط

اہل بیت کی محبت کے افراط سے ہوئی اور نصاریٰ نے افراط

محبت حضرت عیسیٰ را علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

محبت سے حضرت عیسیٰ (ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو) کو

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز آداب طریقت سکھاتے ہوئے شریعت مطہرہ کا ایک اصول بیان فرمارہے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک طریقت، شریعت کی خادم ہے......وہ اصول اورادب یہ ہے کہ جن بزرگان دین کی فضیلت وعظمت پر شریعت مطہرہ دال ہے، ان پر اپنے شیخ کو فضیلت دینا سالکین طریقت کے لئے روانہیں۔اس سلسلہ میں خطیب الاسلام صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ قدس سرہٗ العزیز وارثِ مسند آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ پاکستان کا ایک ارشاد گرامی ملاحظہ ہو!

حضرت خطیب الاسلام نے قطب اوحد حضرت باواجی خواجہ نور محمد قدس سرہٗ العزیز کے آستانہ عالیہ چورہ شریف ضلع اٹک پر سالانہ عرس پاک کے موقع پر علماء و مشائخ کی موجودگی میں بانگ دہل خطاب کرتے ہوئے فرمایا

میں بطور تحدی یہ اعلان کرتا ہوں کہ جاؤ دنیا کے علماء کو بتادو کہ وہ اولیاء کرام جن کی ولایت نص سے ثابت ہے ان کو چھوڑ کر تمام اولیاء کے امام میرے آقا مجدد الف

ثانی قدس سرہٗ العزیز ہیں۔

غرضیکہ پاس شریعت اور آداب طریقت ہر دو کا ملحوظ خاطر ہونا ازبس لازم ہے تاکہ سالکین افراط وتفریط سے بچ کر رہ اعتدال پر گامزن رہیں ورنہ اپنے شیخ طریقت کی مطلقاً فضیلت کا قول کرنا قابل مذمت اور باعث ضلالت ہوتا ہے جیسا کہ فرقہ ضالہ رافضیہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ فرط محبت کی بنا پر گمراہ ہو گئے بلکہ بعض حرماں نصیب اس قدر جری اور بے باک واقع ہوئے ہیں کہ وہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت کی اوٹ میں خلفائے ثلاثہ اور بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں سوقیانہ کلام اور تبرابازی سے بھی باز نہیں آتے العیاذ باللہ سبحانہ۔ یوں اس قسم کے لوگ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کیلئے بھی گمراہی کا باعث بنے۔ ضلوا فاضلوا

ایسے ہی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے ساتھ افراط محبت کی بنا پر عیسائیوں نے انہیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا حالانکہ آپ نے عالم رضاعت میں ہی اپنی عبدیت کا اعلان فرما کر ان کے اس عقیدہ ضالہ کی تردید کر دی تھی جیسا کہ قال انی عبداللّٰہ (مریم ۳۰) سے عیاں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ملاحظہ ہو۔ اس روایت کو حضرت امام احمد نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا:

عن علی انه قال قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فیك مثل من عیسٰی علیه السلام ابغضته الیهود حتی بَهَتُوا امه واحبته النصاریٰ حتی اَنْزَلُوه بالمنزلة التی لیست له ثم قال یَهْلَكُ فی رجلان محب مفرط یفرطنی بمالیس فی ومبغض یحمله شنأنی علیٰ ان یبهتنی وقوله سبحانه اِذْ تبراء الذین اتبعوا من الذین تبعوا الیٰ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے ان سے یہود نے بغض رکھا حتی کہ ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر بہتان لگایا اور ان سے نصاریٰ نے محبت کی اور ان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا جو ان کے لئے نہ تھا پھر فرمایا کہ میرے بارے میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محبت مفرط ہو جو میرے بارے میں افراط کرتا ہے اور دوسرا مبغض کہ مجھ سے بغض رکھنے والا ہے جو مجھ پر بہتان باندھتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد گرامی ہے جب متبوع اپنے تابع فرمانوں سے بیزار ہونگے اور ان کی متابعت قبول نہیں کریں گے۔ (المجموعة السنیہ ۱۵ مطبوعہ ابوالخیر اکادمی دہلی)

ابن الله خوانده ودرخسارت ابدی مانده لیکن اگر

ابن اللہ کہہ دیا اور ابدی خسارہ میں پڑ گئے لیکن ان کے

بر ما سوائے اینہا فضل بدہد مجوزست بلکه درطریقت

علاوہ پر فضیلت دے جائز ہے [1] بلکہ طریقت میں واجب اور

واجب وایں فضل دادن نه باختیار مرید ست بلکه اگر

یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار سے نہیں ہے بلکہ اگر

مرید مستعد ست بے اختیار دروے ایں اعتقاد پیدا می

مرید صاحب استعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو

گردد وبوسیله آں کمالات پیر را اکتساب می فرماید

جاتا ہے اور اس کے وسیلے سے پیر کے کمالات کا اکتساب کر لیتا ہے۔

اگرایں فضل دادن باختیار مرید باشد وبتکلف پید اکند

اگر یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار سے ہو اور تکلف سے پیدا کرے

مجوز نباشد ونتیجه نه بخشند۔

تو جائز نہیں ہے اور نہ ہی نتیجہ بخش ہے۔

[1] یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ جن بزرگان دین کی عظمت نص سے ثابت ہے ان کے علاوہ دیگر اولیائے کرام پر اپنے شیخ مکرم کی فضیلت کے قائلین صوفیاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ مریدین وسالکین پر اپنے شیخ کریم کی محبت کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ فنافی الشیخ کے مرتبہ پر فائز المرام ہونے کی بنا پر فضیلت شیخ کا قول

کرتے ہیں کیونکہ ان کے لئے ان کا شیخ ہی زمانے کا قطب وغوث اور امام ہوتا ہے اس لئے کہ وہ شیخ کی توجہات قدسیہ کی بدولت ہی اغیار کی محبتوں سے بیزار اور آزاد ہوتے ہیں۔اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

پوچھتے ہو مجھ سے قوموں کی امامت کیا ہے
خدا تجھ کو میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی اپنے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

جبکہ کچھ سالکین بتکلف فضیلت شیخ کے قائل ہوتے ہیں ایسا کرنا جائز بھی نہیں اور نہ ہی یہ نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔

منہا-۴۷

درجۂ علیا درنفی واثبات بکلمۂ طیّبہ لاالٰہ الا اللّٰہ آن ست

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ نفی اور اثبات میں اعلیٰ درجہ

کہ ہرچہ در دید ودانش و کشف وشہود درآید ہرچند

یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف و مشاہدہ میں آئے اگرچہ

تنزیہ صرف و بے کیف محض نماید این ہمہ درتحت

تنزیہہ صرف اور بے کیف محض ہو یہ تمام لا کے

زیر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کلمہ طیبہ کا صوفیانہ انداز میں ورد کرنے کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں۔

کلمہ طیبہ...... لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

ترجمہ: نہیں کوئی معبود (مقصود) سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

⊙ ...... کلمہ طیبہ دین اسلام کے ارکان خمسہ میں سے پہلا رکن اور باب اول ہے۔ گویا اس کے بغیر کوئی انسان اسلام کے محل میں داخل نہیں ہوسکتا۔

⊙ ...... کلمہ طیبہ وہ لاہوتی نغمہ ہے جو فکر ونظر میں عظیم انقلاب برپا کردیتا ہے اور کفر وشرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو ایک خدا اور ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آشنا کردیتا ہے۔ وہ شخص جو چند لمحے پہلے اسلام کا دشمن یا اسلام کے خلاف تھا، کلمہ

لاداخل شود ودر جانب اثبات غیر از تکلم بکلمہ
تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ
مستثنی کہ بمواطات قلب صادر گردد نصیبے نباشد
(اللہ) کہنے کے سوا جو قلب کی موافقت سے صادر ہو کچھ نصیب نہ ہو

پڑھنے کے بعد اسی کے تحفظ اور پاسبانی کی خاطر اپنا جان و مال تک نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

⊙ ...... کلمہ طیبہ وہ پیغام وصل ہے جو انسان کے قلب کو لا الہ کے ذریعے غیر کے خیال سے پاک کر کے الا اللہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتا ہے۔

حضرت خواجہ سنائی نقشبندی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ
کے رسی در مقام الا اللہ

⊙ ...... کلمہ طیبہ: کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو...... توحید اور دوسرا جزو...... رسالت

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ .... توحید ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ .... رسالت ہے۔

توحید دعویٰ ہے اور رسالت اس کی دلیل ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں اس قدر قرب ہے کہ درمیان میں واوٴ عاطفہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا وسیلہ، رسالت ہے اور قرب خدا (جل جلالہ) کا ذریعہ، قرب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کلمہ طیبہ کا پہلا جزو مقصد زندگی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور دوسرا جزو طرز زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔ نیز کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو (محمد رسول اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معبودیت کے اثبات کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے تاکہ توحید باری تعالیٰ

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
عنقا کسی کا شکار نہیں ہوا جال اٹھا لو
کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را
کہ اس جگہ ہمیشہ ہوا ہی جال کے ہاتھ لگتی ہے
والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفٰے علیہ
سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی متابعت کرے اور لازم جانے مصطفٰے کی متابعت
وعلٰی الہ الصلوات والتسلیمات
کو آپ پر اور آپ کی آل پر صلوات و تسلیمات ہوں۔

کی تصدیق کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کریں کیونکہ ایمان ان دو (تصدیق توحید اور تصدیق رسالت) تصدیقوں پر موقوف ہے۔

◉ ...... کلمہ طیبہ کا پہلا جز وتمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے خدائے واحد کے معبود و مقصود ہونے کو ثابت کرتا ہے جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا جامع ہے۔

◉ ...... توحید وجودی ہو یا شہودی دونوں سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا اور معبود برحق کا اثبات کرنا ہے۔ اسی مفہوم کو اہل تصوف نفی اثبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ توحید شہودی میں مشہود صرف ذات ہوتی ہے۔ غلبہ شہود وحدت میں کثرت کا نام ونشان بھی نہیں رہتا جبکہ توحید وجودی میں موجود صرف ذات ہوتی ہے لیکن کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

◉ ...... علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے مندرجہ ذیل اشعار توحید شہودی کے مفہوم پر مشتمل

ہیں

خودی کا سرِنہاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ
خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود وزیاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم وگماں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

⊙ ...... کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو عقیدۂ رسالت کا اعلان اور شریعت کی تکمیل وتعمیل کا مظہر ہے۔کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء لازم وملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے پر ایمان ثابت نہیں ہوسکتا۔عقیدۂ توحید' عقیدۂ رسالت کے بغیر مفید نہیں اور عقیدۂ رسالت' عقیدۂ توحید کے بغیر نامکمل ہے۔عقیدۂ توحید کا تصورِ ربوبیت "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (الفاتحہ) سے ظاہر ہے اور عقیدہ رسالت کا تصورِ رحمت "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (الانبیاء) سے ثابت ہے۔اس اعتبار سے کل کائنات کا خدا بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک ہے۔یوں توحید باری تعالیٰ کے ساتھ ہی توحید رسالت کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے۔

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی
اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی

(صلی اللہ علیہ وسلم)

(کلمہ طیبہ پڑھنے کا تفصیلی طریقہ شجرہ نقشبندیہ مجددیہ امینیہ سعیدیہ میں ملاحظہ فرمائیں)

منہا-۴۸

حقیقت قرآنی وحقیقت کعبہ ربانی فوق حقیقت محمدی

حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ ربانی ، حقیقت محمدی علیٰ مظہر

ست علی مظہرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ لہذا حقیقت

الصلوٰۃ و السلام و التحیہ سے بالا ہے۔[1] لہٰذا حقیقت

قرآنی امام حقیقت محمدی آمد وحقیقت کعبہ ربانی

قرآنی ، حقیقت محمدی کی امام ہوئی اور حقیقت کعبہ ربانی

مسجود حقیقت محمدی گشت مع ذلک حقیقت

حقیقت محمدی کی مسجود (الیہ) ہو گئی اس کے ساتھ ہی حقیقت

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حقیقت قرآنی، حقیقت کعبہ ربانی اور حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ یہاں ان تینوں حقائق کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہ قارئین ہیں وباللہ التوفیق

ان حقائق ثلاثہ کے متعلق کچھ وضاحت سے قبل لفظ حقیقت کے بارے صراحت پیش خدمت ہے تاکہ غلط فہمی کا شبہ ہی پیدا نہ ہو۔

لغت میں لفظ حقیقت سے مراد ذات شئی یا کسی لفظ یا عبارت کا بنیادی مفہوم ہے اصطلاح میں کسی شئی کی اصلیت، کنہ، جوہر اور باطنی پہلو مراد ہے جبکہ صوفیائے کرام

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک حقیقت سے مراد کسی شئی کا مبداء تعین ہے جہاں سے وہ شئی فیض وتربیت پاتی ہے (وہ حقیقت مراد نہیں جو جنس اور نوع سے مرکب ہوتی ہے کہ اس پر اعتراض کیا جا سکے)

حقیقت قرآنی

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک حقیقت قرآن ''مبداء وسعت بے چون حضرت ذات'' کا نام ہے بفحوائے آیہ کریمہ ان اللّٰہ واسع علیم
(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۷)

حقیقت کعبہ

یہ حقائق الٰہیہ میں سے ایک حقیقت ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

حقیقت کعبہ عبارت از ذات بیچون واجب الوجود ست وشایان مسجودیت ومعبودیت ست یعنی حقیقت کعبہ ذات حق تعالیٰ سبحانہ ہے جو سجدے اور عبادت کے لائق ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۴)

حقیقت کعبہ سے مراد وہ مرتبہء وجوب ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم امر کا مربی ہے اور شان العلم سے بلند تر ہے۔ اس اعتبار سے حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) سے افضل ہے نیز حقیقت کعبہ عالم اکوان کیلئے مسجود ہے جبکہ حقیقت محمدیہ ساجد ہے نہ کہ مسجود لہٰذا حقیقت کعبہ شانِ مسجودیت کی وجہ سے حقیقت محمدیہ سے افضل ہے اور ساجدیت ومسجودیت کا فرق اہل علم وفہم پر واضح ہے جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ایں حقیقت راجل سلطانہا اگر مسجود حقیقت محمدی

گویند چه محذور لازم آید...... آرے حقیقت محمدی از حقائق سائر افراد عالم افضل ست اما حقیقت کعبه معظمه از عالمِ عالم نیست یعنی کعبہ کی اس حقیقت کو (جو کہ ذات بے چون اور شان مسجودیت ہے) اگر مسجود حقیقت محمدی کہا جائے تو کون سا امر مانع ہے...... ہاں حقیقت محمدی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ جنس عالم سے نہیں ہے۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۴)

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے ایک مقام میں حقیقت کعبہ کو شان العلم سے بلند تر قرار دیا ہے اور دوسرے مکتوب میں حقیقت کعبہ کو تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ فرمایا ہے۔ آپ کا یہ کلام تضاد پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اختلاف احوال ومقامات پر مبنی سمجھا جائے یعنی حقیقت کعبہ کو شان العلم سے بلند قرار دینے میں حقیقت کعبہ کے ظلال کا بیان ہے اور اس کو ظہور تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ قرار دینے میں حقیقت کعبہ کی اصل کا بیان ہے کیونکہ حقیقت اپنا اصل اور ظل رکھتی ہے۔

حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات

یہ حقائق کونیہ میں سے ایک حقیقت ہے۔ حضرت امام ربانی اور صوفیائے شہودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ ذات کے مرتبہء شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے (اسی کو تعین جبی، تعین وجودی اور حقیقت الحقائق بھی کہا جاتا ہے) نہ کہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کیونکہ کسی چیز کی نفس شئی اور اس کی صورت علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ نفس آگ اور اس کی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے۔

اہل تحقیق پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ کے مکاتیب

شریفہ اور تصانیف عالیہ میں لفظ حقیقت محمدیہ مختلف معانی اور متعدد اقسام پر استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ ایک ہی مخصوص معنی یا قسم مراد لینا فہم سقیم کی علامت ہے لہٰذا جب حقیقت محمدیہ، حقیقت کعبہ اور حقیت احمدیہ کے مقابلے میں بولا جائے تو اس سے مراد وہ جامع اسم الٰہی ہوگا جو عالم سفلیات کی تربیت کی مناسبت رکھتا ہے اور جب حقیقت الٰہیہ کے مقابلے میں بولا جائے تو مراد وہ جامع شان ذاتی ہوگی جو عالم علویات کی تربیت کا متولی ہے اور تمام شیونات ذاتیہ کو حاوی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دفتر سوم مکتوب ۱۰۰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الٰہی تعالیٰ کا ظہور ہو البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے، ظہور قرآنی کا منشاء صفات حقیقیہ سے ہے اس لئے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ سے ہے لہٰذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے اور کعبہء ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہور اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے۔ (ماخوذ از البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی کی مسجود ہوگئی یہاں مسجود، مسجود لہٗ کے معنی میں نہیں بلکہ مسجود الیہ کے معنی میں ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۳) یعنی چھوٹا درجہ (حقیقت محمدیہ) بڑے درجہ (حقیقت کعبہ) کی سمت منہ کر کے حق تعالیٰ سبحانہ کو سجدہ کیے ہوئے ہے

حقیقت محمدی مخلوق کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جس کی دو جہتیں ہیں

جہت عالم خلق اور جہت عالم امر

جب حقیقت محمدی کی جہت عالم خلق کی طرف ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت مطہرہ کا غلبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نکاح وازدواجی تعلقات، خورد و نوش وغیرہا جیسے اعمال وافعال کا اکتساب فرماتے ہیں، غزوہ احد کے موقعہ پر ضرب لگنے سے

خون بھی بہتا ہے اور جب حقیقت محمدی کی جہت عالم امر (عالم وجوب) کی طرف ہوتی ہے تو آپ پر نورانیت اور لطافت کا غلبہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں اور شق صدر کے موقعہ پر نہ آلہء جراحت استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی خون بہتا ہے نیز آفتاب کی روشنی اور ماہتاب کی چاندنی میں آپ کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ واضح رہے کہ ہر جہت کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبادی فیوض اور تعین وجودی جدا جدا ہیں۔ باعتبار عالم خلق کے حقیقت محمدی کا مبداء فیض صفت العلم ہے اور باعتبار عالم امر کے حقیقت محمدی کا مبداء فیض شان العلم ہے۔

کعبہ ربانی فوق حقیقت قرآنی است آنجا ہمہ بے

کعبہ ربانی حقیقت قرآنی سے بالا ہے[1] وہاں سراسر

صفتی و بے رنگی ست وشیون و اعتبارات را دراں موطن

بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی اس مقام میں

گنجائش نیست تنزیہ و تقدس را درآں حضرت مجال نہ

کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تنزیہہ اور تقدیس کی اس بارگاہ میں کوئی مجال نہیں

ع آنجا ہمہ آنست کہ برتر ز بیان ست

وہاں سب کچھ وہ ہے جو بیان سے بالا ہے

ایں معرفتے است کہ ہیچ یکے از اہل اللہ بآں لب نہ

یہ معرفت ایسی ہے کہ اہل اللہ سے کسی نے اس کے متعلق لب

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے حقیقت کعبہ کو حقیقت قرآنی سے فوق وبالا قرار دیا ہے جو ہر قسم کے شیونات واعتبارات اور تنزیہات وتقدیسات سے پاک ہے، جہاں بے رنگی و بے صفتی ہے۔اسی حقیقت کعبہ کو تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت کعبہ کے کئی مراتب ہیں۔کبھی حقیقت کعبہ پر صورت کعبہ کا اطلاق ہوتا ہے،کبھی حقیقت کعبہ سے مراد شان العلم سے بالا مرتبہ کا اطلاق آتا ہے اور کبھی حقیقت کعبہ پر تنزیہہ صرف ذات حق تعالیٰ کا اطلاق آتا ہے کما لا یخفی علی ارباب البصیرہ

کشـاده است و برمزه و اشارت ہم ازان مقوله سخن نرانده

کشائی نہیں کی ہے[3] اور کنایہ واشارہ سے بھی اس مقولہ کی بابت بات نہیں کی ۔

ایں درویش را بایں معرفت عظمٰی مشرف ساخته اند و

اس درویش کو اس معرفت عظمٰی کے ساتھ مشرف فرمایا گیا اور

درمیان ابنائے جنس ممتاز گردانیده **کل ذالک بصدقة**

ابنائے جنس کے درمیان ممتاز۔کیا گیا یہ سب کچھ حبیب اللہ

حبیب الله وبرکة رسول الله علیه وعلٰی اله من الصلوات افضلها

صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور رسول اللہ کی برکت ہے آپ پراور آپ کی آل

ومن التسلیمات اکملها باید دانست که صورت کعبه

پر افضل صلوات اور اکمل تسلیمات ہوں۔ جاننا چاہئے کہ صورت کعبہ

ہمچناں که مسجود صور اشیا ست حقیقت کعبه نیز

جس طرح چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے حقیقت کعبہ بھی

[3] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر اس امر کا اظہار فرمارہے ہیں کہ مذکورہ معرفت جو ہم نے بیان فرمائی ہے اہل طریقت میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ وکنایہ بھی نہیں فرمایا اور یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق وبرکت کی بدولت ہے۔ والحمدللہ علٰی ذالك

مسجود حقائق آں اشیا ست واقول قولاً عجبالم یسمعه

ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے[۱] میں ایسا عجب قول کرتا ہوں کہ

احد وما اخبربه مخبر باعلام الله سبحانه والهامه تعالٰی ایای

جسے نہ کسی نے سنا اور نہ کسی مخبر نے بتایا اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اپنے فضل اور کرم

بفضله وکرمه آنکه بعد از ہزار وچند سال از زمان رحلت

سے مجھے بتایا اور اس کا الہام فرمایا وہ یہ ہے کہ آنسرور کے زمانہ

آں سرور علیه وعلی اله الصلوات والتحیات زمانے می

رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد (آپ پر اور آپکی آل پر صلوات وتحیات

آید، که حقیقت محمدی از مقام خود عروج فرماید و

ہوں) ایسا زمانہ آ رہا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے

[۱] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صورت کعبہ اور حقیقت کعبہ، صور اشیاء اور حقائق اشیاء کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ صورت کعبہ مخلوق ہے اور حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سبب ظہور مخلوق ہے اسی بناء پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں۔ اس مقام کا حل یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات، صورت کعبہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ، حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

(البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

یہاں حقائق اشیاء کے متعلق قدرے وضاحت ہدیہ قارئین ہے و باللہ التوفیق

امام العقائد حضرت علامہ نسفی قدس سرہٗ العزیز حقائق اشیاء کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کی صراحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں حقائق الاشیاء ثابتة یعنی

چیزوں کی حقیقتیں موجود ہیں۔ (عقائد نسفی) حقیقت کی جمع حقائق اور شئی کی جمع اشیاء ہے

فاضل اجل حضرت سید شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

الحقیقة هوا لشئی الثابت قطعا ویقینا یعنی حقیقت وہ شئی ہے جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت و موجود ہو۔ (کتاب التعریفات ۴۰)

حضرت شیخ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شئی کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں

الشئی فی الاصطلاح هو الموجود الثابت المتحقق فی الخارج یعنی اصطلاح میں شئی اسے کہا جاتا ہے جو خارج میں موجود، ثابت اور متحقق ہو۔ (کتاب التعریفات ص ۵۷)

حضرت جرجانی قدس سرہُ العزیز حقیقة الشئی کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

حقیقة الشئی مابه الشئی هوهو کالحیوان الناطق للانسان بخلاف مثل الضاحك والکاتب ما یمکن تصور الانسان بدونه یعنی حقیقت شئے وہ ہے جس کے سبب وہ شئے، شئے بنی جیسے انسان کے لئے حیوان ناطق کہ حیوان ناطق کے بغیر انسان کا تصور ممکن نہیں بخلاف ضاحک اور کاتب جیسے الفاظ کے کہ ان کے بغیر انسان کا تصور ممکن ہے کیونکہ یہ عوارض میں سے ہیں۔ (کتاب التعریفات ۴۰)

یاد رہے کہ حقائق الاشیاء میں حقیقة الشئی سے مراد عین شئے ہے۔ (النبراس ۲۵)

لفظ شئے کا اطلاق واجب الوجود اور ممکن الوجود دونوں پر کرنا جائز ہے جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ اوسی قدس سرہُ العزیز نے قصیدہ بدء الامالی میں تصریح فرمادی ہے۔

نسمی اللّٰه شیئاً لا کالاشیاء یعنی ہم اللہ کو شئے سے موسوم کرتے ہیں لیکن وہ دوسری چیزوں کی طرح نہیں۔

حضرت العلام ابو محمد احمد چکوالی ثم لاہوری اس کی شرح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لفظ شئے کا اطلاق جائز ہے کیونکہ شئے کے معنی موجود کے ہیں اور سب موجودات سے اللہ تعالیٰ کا وجود قوی ہے اس لئے اس پر شئے کا اطلاق بطریق اولیٰ جائز ہے لیکن اس کے مثل کے اطلاق میں نفی مماثلت کی لازم ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا کالا شیاء (عقیدہ اہل المعالی ۳)

ممکن الوجود کیلئے لفظ شئے کے متعلق متکلمین اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔

علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک شئے کا حقیقی معنی موجود ہونا کے ہیں البتہ کبھی معدوم پر شئے کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے۔

مگر معتزلہ موجود اور معدوم دونوں کو حقیقۃً شئے کہتے ہیں۔ (النبراس ۴۸)

لیکن حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وما المعدوم مرئیاً و شیئاً یعنی معدوم نہ مرئی ہے اور نہ اس کو شئے کہا جاتا ہے۔ (قصیدہ بدء الامالی)

نیز علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شئی کے متعلق رقمطراز ہیں:

الشئی عندنا هو الموجود یعنی ہمارے نزدیک شئے، موجود کو کہا جاتا ہے

والمعدوم لیس بشئی یعنی معدوم کوئی شئے نہیں۔ (شرح عقائد)

معتزلہ کے نزدیک معدوم شئے ہے ان کا مستدل آیہ کریمہ انما قولنا شئی اذااردناه ان نقول له کن فیکون ہے علمائے اہلسنت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں شئے اس واسطے کہا کہ آئندہ شئے ہوگی اور تقریر آیت یوں ہے انما قولنا اذا ردناه یکون شیئاً اس قسم کی دیگر آیات کریمہ تفہیم خلق کیلئے یوں آئی ہیں تا کہ مجازاً اسے شئے سے یاد کیا جائے ورنہ معدوم شئے نہیں ہے جیسا کہ آیات کریمہ وقد خلقتك من قبل ولم تكن شیئاً (مریم ۹) اور هل اتی علی الانسان

حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکوراً (الدھر:۱) سے عیاں ہے۔ (عقائد تورپشتی)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حقائق الاشیاء ثابتۃ کی شرح کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

تمام عقائد اور احکام کا دارومدار اس اعتقاد پر ہے کہ نفس الامر میں ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے جو لوگوں کے علم و اعتقاد سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی ثابت اور موجود ہوتی ہے نیز یہ حقیقت صرف وہم و خیال نہیں ہے نہ ہی یہ علم و اعتقاد کے تابع ہے مثلاً پانی اور آگ نفس الامر اور حقیقت میں موجود ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ اگر ہم آگ کے متعلق یہ اعتقاد رکھ لیں کہ یہ پانی ہے تو یہ پانی ہو جائے گی اسی طرح اگر ہم پانی کو آگ کہہ دیں تو وہ آگ ہو جائے گا۔ اگر ہم گرم کو سرد اور سرد کو گرم ماننے لگ جائیں تو ہمارے ماننے سے کچھ نہیں ہوگا بلکہ گرم، گرم ہی ہوگا اور سرد، سرد ہی ہوگا۔

(تکمیل الایمان مترجم)

حضرت علامہ محمد نجم الغنی خان رامپوری رحمۃ اللہ علیہ حقائق الاشیاء ثابتۃ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

یعنی متکلمین کا قول ہے کہ بالبداہت عقل حکم کرتی ہے کہ ہر شئے موجود کی ماہیت (وحقیقت) خارج میں ثابت ہے مثلاً جو چیزیں ہمیں دکھلائی دیتی ہیں جیسا کہ انسان، درخت، پتھر وغیرہ جو واقع میں موجود ہیں وہ محض وہم و خیال نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں ہے کہ جس چیز کو جیسا ہم نے خیال کر لیا وہ چیز وہی ہے مثلاً درخت کو اگر ہم انسان سمجھ لیں تو وہ انسان ہے اور اگر اس کو کچھ اور سمجھ لیں تو وہ کچھ اور ہے جیسا کہ فرقہ عندیہ کی یہی رائے ہے۔ (تہذیب العقائد)

حکمائے یونان کا ایک گروہ سوفسطائیہ حقائق اشیاء کا منکر ہے سوفسطائیہ کے تین فریق ہیں عنادیہ، عندیہ اور لاادریہ

بمقام حقیقت کعبہ متحد گردد ایں زمان حقیقت محمدی

اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے ۵ اس وقت حقیقت محمدی

حقیقت احمدی نام یابد ومظہر ذات احد جل سلطانہ

حقیقت احمدی کا نام پائے اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر ہو جائے

۵ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اپنے ایک عجیب الہام کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ارتحال سے ایک ہزار اور چند سال بعد حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات عروج کر کے حقیقت کعبہ کے ساتھ واصل اور متحد ہو جائے گی اور حقیقت احمدیہ کا نام پا کر ذات احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی۔

واضح رہے کہ حقیقت کعبہ اگرچہ حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات سے افضل ہے مگر کعبہ کی حقیقت اپنے مقام اصلی سے اوپر عروج نہیں کرتی جبکہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات بفحوائے آیہ کریمہ وللاخرۃ خیرلك من الاولی ہردم عروج لامتناہی سے مشرف ہے۔ (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

ہر شے کی دو حقیقتیں ہوتی ہیں حقیقت امکانی اور حقیقت وجوبی یا بالفاظ دیگر ہر حقیقت کے دو تعین ہوتے ہیں تعین امکانی اور تعین وجوبی۔ تعین وجوبی اور حقیقت وجوبی کا تعلق عالم امر کے ساتھ ہے جبکہ تعین امکانی اور حقیقت امکانی کا تعلق عالم خلق کے ساتھ ہے۔ تعین امکانی (حقیقت امکانی)، تعین وجوبی (حقیقت وجوبی) کا ظل ہے۔ تعین امکانی (حقیقت امکانی) میں حس وحرکت اور عروج ہے جبکہ وجوب میں حرکت وعروج ونزول نہیں ہے۔ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا تعین امکانی (حقیقت امکانی) عروج کر کے حقیقت کعبہ تک رسائی پا کر متحد ہو جائے گا اور حقیقت

احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کا نام پالے گا۔

حقیقت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات شیون کا ایک بلند مرتبہ ہے اور اس مرتبہ سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء فیض ہے جس کا تعلق عالم امر اور عالم وجوب کے ساتھ ہے۔ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ نبوت حقیقت احمدی کے ساتھ تعلق رکھتا تھا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین سے واضح ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین وجوبی ہی جلوہ گر تھا اور آپ کا تعین امکانی (حقیقت امکانی) ابھی منصہ شہود پر ظہور پذیر نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی عالم خلق کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔ عالم امر میں ملائکہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات عالم امر کے سارے نظام کی معلم و مدرس تھی، ملائکہ کرام نے جملہ تسبیحات ووظائف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سیکھے تھے بنابریں جملہ فرشتے آپ کے امتی اور شاگرد ہیں چنانچہ روایت میں ہے یسبح ذالك النور و تسبیح الملا ئکة بتسبیحه بقول شاعر

گر نہ خورشید جمال یار گشتے راہ نموں
از شب تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

گردد وہر دو اسم مبارک بمسمّٰی متحقق شود و مقام
اور دونوں مبارک نام مسمّی کے ساتھ متحقق ہو جائیں [۲] اور پہلا مقام
سابق از حقیقت محمدی خالی ماند تازمانے کہ حضرت
حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے اس زمانے تک کہ حضرت

[۲] یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اسمائے مبارک محمد اور احمد کا تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ جب حقیقت احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات ذات احمد جل سلطانہ کی مظہر بن جائے گی تو دونوں نام اپنے مسمّٰی کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے۔ مسمّٰی سے مراد حقیقت محمدی اور حقیقت کعبہ ہیں۔ یہاں اسمائے مبارک محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرے تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دو اسموں سے مسمّی ہیں اور وہ دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں محمد رسول اللہ (فتح ۲۹) اور اسمہ احمد (الصف ۶) اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت جدا جدا ہے۔ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات میں محبوبیت صرف اور انشاء محبیت (کیفیت محبیت) کا امتزاج ہے جبکہ ولایت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات میں محبوبیت صرف ہے جس میں محبیت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت، ولایت محمدی سے بلند اور مطلوب سے ایک منزل قریب تر ہے اور محبّ کو بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں کامل تر ہوگا محبّ کی نظر میں اسی قدر محبوب اور زیبا تر دکھائی دے گا اور محبوب کو اپنی طرف جذب کرے گا اور اسے اپنا شیفتہ بنا لے گا۔

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست
بلائے من ز ناپروائی اوست

بلا سے مراد عشق کی زیادتی ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ احمد عجب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمہ مقدسہ "احد" اور حرف "میم" کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالم بے چون میں اسرار الٰہیہ جل سلطانہ کے مخفی رازوں میں سے ہے اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس راز نہانی کی تعبیر حلقہ میم کے بغیر کی جا سکے اور اگر اسکی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہ اس کی تعبیر ضرور فرماتا اور احد وہ احد ہے کہ لا شریک لہ ہے اور حلقہ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندے کو مولا سے متمیز کرتا ہے۔ لہٰذا بندہ وہی حلقہ میم ہے اور لفظ احد اس کی تعظیم کیلئے آیا ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

چو نام این ست نام آور چہ باشد
مکرم تر بود از ہر چہ باشد

ہزار سال گذر جانے کے بعد اس عرصہ کو امور عظام کے تغیر میں ایک تاثیر رکھی ہے اور اِس ولایت کا معاملہ اُس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایت محمدی، ولایت احمدی کے ساتھ انجام پا گئی اور کاروبار عبودیت دو طوقوں میں سے ایک طوق کے متعلق ہو گیا اور پہلے طوق کی بجائے حرف الف جو اس کے رب کی طرف سے ایک رمز ہے متمکن ہو گیا یہاں تک کہ محمد سے احمد علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام ہو گیا...... اس کی وضاحت یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوقوں سے مراد دو حلقہ میم ہیں جو اسم مبارک "محمد" کے اندر مندرج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دو طوق (م) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تعین، تعین جسدی بشری اور تعین روحی ملکی کی طرف اشارہ ہو اور تعین جسدی میں اگرچہ انتقال کے عارض ہونے کی بنا پر سستی اور نقص پیدا ہو گیا تھا اور تعین روحی نے قوت حاصل کر لی تھی لیکن پھر بھی اس تعین کا اثر باقی رہ گیا تھا اور اس کیلئے ہزار سال درکار تھے تا کہ اس کا اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعین (جسدی) کا کوئی نشان باقی نہ رہے اور جب ہزار سال

پورے ہو گئے اور اس تعین کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو ان دو طوق عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر زوال وفنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا الف جس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھ گیا تو لازمی طور پر محمدؐ ''احمد'' ہو گیا اور ولایت محمدی، ولایت احمدی میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو تعین (میم) سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین (میم) سے کنایہ ہے اور یہ اسم (احمد) حضرت اطلاق سے زیادہ قریب ہوا اور عالم سے دور تر۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۹۶)

واضح رہے کہ بفحوائے آیہ کریمہ وللاخرة خيرلك من الاولى حقیقت احمدی بشریت وخلقیت کا قدرے شائبہ رکھنے کی بنا پر ہر لحہ عروج لامتناہی سے شاد کام ہے، بنابریں باعتبار عروج حقیقت احمدی کو حقیقت کعبہ سے افضل کہا جا سکتا ہے کیونکہ حقیقت کعبہ عروج نہیں رکھتی۔ والله ورسوله اعلم بحقيقة الحال

اسم محمد میں دو میم کی بنا پر دوہری عبودیت ہے بنابریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محمدیت کا رجحان عالم خلق کی طرف ہے اور اسم احمد میں ایک میم کی وجہ سے عبودیت کم اور عروجیت زیادہ ہے اسی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احمدیت کا تعلق خالق (یعنی عالم امر) کے ساتھ زیادہ ہے یہی تقاضا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ناموں کا۔ بقول شاعر

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

اسم احمد میں ایک حلقہء عبودیت اس لئے رکھا گیا تا کہ احمدیت مخلوق پر بھی فیض جاری رکھے۔ اگر درمیان میں یہ حلقہ میم نہ ہوتا تو عبودیت بالکل معدوم ہو جاتی۔ یہ احد بن کر احد کے ساتھ ہی باقی رہتا اور ادھر اُدھر عالم خلق کی طرف آمد ہی نہ ہوتی مکمل ادھر عالم امر ہی میں رہتے۔ یہاں صوفیائے وجودیہ نے موج میں کہہ دیا

احد، احمد وچہ میم مروڑی ایہہ تے کسے نیں جانیا ای نیں
رانجھا روپ وٹا کے آیا کھیڑیں بناں ہیر دے کسے پچھانیا ای نیں

کسی نے اپنے انداز میں یوں کہا

احد، احمد وچہ فرق نہ کوئی رتی اک بھید مروڑی دا
اک رانجھا سانوں لوڑی دا اک رانجھا سانوں لوڑی دا

جبکہ مشائخ نقشبندیہ اور صوفیائے شہودیہ نے بپاس شریعت نہایت محتاط انداز میں کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم محمد میں اسم احمد کی نسبت عبودیت کا غلبہ ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت عالم خلق کی طرف متوجہ رہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان احمدیت میں غایت قرب وعروجیت کے باوجود حلقہ عبودیت باقی رہا گو کمتر تھا تا کہ شب معراج مقام وصل میں پہنچ کر بھی امت کی طرف مراجعت کا فکر دامنگیر رہے۔ وللہ الحمد

وہ ہر عالم کی رحمت ہے کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

یاد رہے کہ اس دوران دین اسلام کی رشد وہدایت، تبلیغ ودعوت اور تشہیر وتقویت کا بھرپور کام ہوا بے شمار علمائے راسخین، صوفیائے کاملین اور مجاہدین اسلام اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر شب وروز کوشاں رہے کہ انہوں نے دین اسلام کی عظمت کے سکے جما دیئے اور علم لہرا دیئے۔

پھر حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات جو عالم خلق کی مربی ہے اور اس کی طرف متوجہ ہے اسے اپنی طرف عالم امر کی جانب متوجہ کر لے پس جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے ایک ہزار اور چند سال بعد حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات متوجہ بحق ہو گئی تو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر

ہمہ گیر زوال آنا شروع ہوا...... امت کی عمر خیریت اختتام پذیر ہوگئی ......صوفیائے خام، علمائے سوء، امرائے سلطنت اور ارباب بست وکشاد آزاد خیالی کے زعم میں مبتلا ہوکر یہود وہنود ونصاریٰ کی رسوم وعادات کے پابند ہوگئے اور مطلق العنان بادشاہ جلال الدین اکبر نے دین الٰہی ایجاد کرڈالا ......جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو پامال کردیا گیا......اور دین اسلام کی اصلی صورت وحقیقت، بدعات وخرافات کے دبیز پردوں میں چھپ گئی۔

اندریں حالات ضرورت تھی کسی ایسے مرد وحید اور فردِ فرید کی جو حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی نیابت مطلقہ اور خلافت کاملہ پر فائز المرام ہوکر اپنی حکمت بالغہ، دعوات صالحہ، تصرفاتِ باطنیہ اور توجہات قدسیہ سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کردے کہ بدعات ومنکرات کا قلع قمع ہوجائے ......سنت وشریعت کا پہرہ ہوجائے ......اور دین اسلام کی صحیح صورت اور خدوخال نمایاں ہوجائیں ......لہٰذا یہ کام حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز نے کردکھایا۔

آپ نے دین اسلام کی تجدید وتبلیغ کا کام کچھ اس انداز سے کیا کہ ھزارۂ دوم میں جتنی بھی اسلامی تحریکیں اٹھیں گی ان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی روحانی توجہات وتاثیرات وبرکات شامل ہونگی۔ جس طرح قطب کے متعلقہ علاقے میں جتنے امور سرانجام پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان جملہ امور میں اس قطب کی برکات وحسنات، اثرات وتوجہات کو اس علاقہ وشہر کے لئے سبب بنادیتا ہے ......یونہی ہزارۂ دوم میں عرب وعجم میں درس وتدریس، تحریر وتقریر، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ، اشاعت وتشہیر، تحریک وتجدید وغیرہا امور دینیہ، اعمال صالحہ اور عقائد اسلامیہ کا جتنا کام ہوگا ان میں حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی روحانی توجہات وفیضان شامل ہوگا۔ والحمدللہ علیٰ ذالك

واضح رہے کہ ہزار سالہ مجدد ہی مجدد اعظم اور امام زمانہ ہوتا ہے جس کا کلام سوچوں کے زاویے بدلتا، قلب ونظر میں انقلاب برپا کرتا اور حاضر وموجود سے بیزار کر دیتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا

پوچھتے ہو مجھ سے قوموں کی امامت کیا ہے
خدا تجھ کو میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی اپنے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول فرماید و

عیسیٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر درود وسلام ہوں نزول فرمائیں گے

عمل بشریعت محمدی نماید **علیھما الصلوات والتسلیمات**

اور شریعت محمدی پر عمل کریں۔ ان دونوں پر صلوات و تسلیمات

والتحیات،دراں وقت حقیقت عیسوی از مقام خود عروج

وتحیات ہوں۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرمائے

فرمودہ بمقام حقیقت محمدی کہ خالی ماندہ بود استقرار کند

حقیقت محمدی کے مقام پر جو خالی پڑا ہوا تھا قرار پکڑے گی۔

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات عالم خلق میں جو فرائض سرانجام دے رہی تھی وہ فرائض اپنے کسی نائب کامل کے سپرد کر کے حقیقت احمدی میں ذات کے ساتھ مصروف ہوگئی ہے اور وہ نائب کامل حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی ذات گرامی ہے۔ قرب قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تعمیل وتبلیغ اور تقویت وتائید کی بدولت حقیقت عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوات حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کے ساتھ قیام پذیر ہو جائے گی۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے قول عجیب سے بعض معاندین نے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے درپردہ نبوت کا اعلان فرمایا ہے کیوں کہ آپ کا نام احمد ہے اور اس لئے حقیقت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات سے مراد آپ خود ہیں العیاذ باللہ سبحانہ من

ھذہ الخرافات

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز کی اس واضح عبارت سے غلط اور غلیظ مفہوم مراد لینا دلیل محرومی اور حرماں نصیبی کی علامت ہے اور اہل اللہ پر الزام تراشی اور ان کے ساتھ سوءِ ظن رکھنا ہے جو سراسر گناہ، ظلم عظیم اور حرام ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ان بعض الظن اثم سے عیاں ہے۔

واضح رہے کہ حقیقت عیسوی کے حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کے ساتھ قیام پذیر ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حقیقت عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوات کو عالم امر میں حقیقت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات کا قرب خاص رہا تھا جہاں دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوات کی ارواح مقدسہ کو حقیقت احمدی علیٰ صاحبہا الصلوات، توجہات و تعلیمات سے نوازا کرتی تھی اور اسی قرب خاص کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم خلق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کا تذکرہ فرمایا اور اپنے دیس کی بولی بولی جیسا کہ آیہ کریمہ ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات انا احمد فی السماء ومحمد فی الارض (مواھب اللدنیہ) سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے متولد ہوئے کیونکہ آپ پر عالم امر کا غلبہ تھا جیسا کہ آیہ کریمہ ونفخت فیہ ...... سے عیاں ہے اسی لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جہت عالم خلق مغلوب تھی اسی لئے حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح البیان نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محض بشر کہنا کفر ہے۔

مِنها-۴۹

اگر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ نمی بود راہے بجناب قدس

اگر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ نہ ہوتا بارگاہ قدس خداوندی

خداوندی جل سلطانہ کہ می نمود ونقاب از چہرۂ

جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا اور توحید کے

توحید کہ می کشود وفتح ابواب جنات کہ می فرمود

چہرہ سے نقاب کون اٹھاتا اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا۔

کوہ کوہ صفات بشریہ باستعمال کند ایں لا کندہ می

صفات بشریہ کے پہاڑ کے پہاڑ اس لا کی کدال کے استعمال سے

شود وعالم عالم تعلقات ببرکت تکرار ایں نفی منتفی

کھودے جاتے ہیں تعلقات کے جہان کے جہان اس نفی کی تکرار کی

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کلمہ طیبہ کی فضیلت وفیوضات وبرکات کا تذکرہ فرما رہے ہیں درحقیقت کلمہ طیبہ افضل الذکر اور افضل الکلام ہے جسے صرف ایک مرتبہ خلوص قلب کے ساتھ پڑھ لینے سے انسان جنت کا حقدار ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات من قال لا الہ الا اللہ مخلصاً من قلبہ دخل الجنۃ سے عیاں ہے اسی بنا پر بندۂ مؤمن ہر قسم کے ظاہر وباطن،

می گردد ونفی آن آلہہ باطلہ رامنتفی می سازد واثبات

برکت سے منتفی ہوتے ہیں اور اس (کلمہ) کی نفی باطل معبودوں

آن معبود برحق راجل شانہ مثبت می سازد سالک

کی نفی کرتی ہے اور اس کا اثبات معبود بر حق جل شانہ کو

مدارج امکانی رابمدد اوقطع می نماید وعارف بمعارج

ثابت کرتا ہے سالک اس کی مدد سے امکانی درجوں کو قطع کرتا ہے

وجوبی ببرکت اوارتقا می فرماید اوست کہ از تجلیات

اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معراجوں کی طرف ارتقاء فرماتا ہے

افعال بتجلیات صفات می برد واز تجلیات صفات بتجلیات

یہی (کلمہ) ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات تک لے جاتا ہے اور تجلیات

ذات می رساند

صفات سے تجلیات ذات تک پہنچاتا ہے۔

تا بہ جاروب لا نروبی راہ

جب تک لا کا جھاڑو نہ ہو تو رستہ نہیں پا سکتا

خلوت وجلوت اور قول وفعل کے تضاد سے محفوظ ہو کر سراپا اسلام بن جاتا ہے ورنہ بقول اقبال مرحوم

زبان نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نرسی در سرائے الا اللہ

نہ ہی الا اللہ کی سرائے تک پہنچ سکتا ہے

والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفٰے علیه و

اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع

علٰی اٰله الصلوات والتسلیمات اتمها واکملها.

کو لازم جانے آپ پر اور آپ کی آل پر اتم اور اکمل صلوات و تسلیمات ہوں

جو بندۂ مومن کلمہ طیبہ کے جملہ تقاضوں کو پورا کر لیتا ہے وہی ایمان کی حلاوت و چاشنی کو چکھ سکتا ہے۔ اس کے پانچ بنیادی تقاضے درج ذیل ہیں

۱......ایمان اور اعمال صالحہ
۲......اخلاص
۳......انقلاب
۴......حب خدا اور عشق مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
۵......استقامت

(مزید تفصیلات مقالات ابوالبیان میں ملاحظہ فرمائیں)

منہا-۵۰

خدمت مخدوم شیخ شرف الدین منیری درمکتوبات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں

خود نوشتہ اند کہ معوذتین را در نماز نباید خواند

لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ

کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ درقرآنیت ایں دو سورہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دو سورتوں کی قرآنیت میں جمہور

زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز معوذتین (سورہ الفلق ، سورہ الناس) کی قرآنیت بذریعہ کشف والہام بیان فرمارہے ہیں۔ علمائے کرام جن مسائل میں مضطرب ہوتے ہیں اولیائے کاملین اور علمائے راسخین پر وہ علوم ومسائل ومعارف بذریعہ الہام وکشف عیاں ہوجاتے ہیں۔ یہاں بھی جب شیخ الاسلام یحییٰ منیری قدس سرہُ العزیز کے بیان کردہ مؤقف پر حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے عمل کرنا شروع فرمادیا تو آپ پر معوذتین مثالی صورت میں ظاہر فرمائے گئے تو ان کے قرآن کریم سے اخراج کی شکایت پر آپ ان کی قرآنیت کے قائل ہوگئے۔ والحمدللہ علی ذالک دراصل ان دونوں سورتوں کی عدم قرآنیت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک باطل روایت ہے:

شارح بخاری حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مسند احمد اور صحیح ابن

مخالف جمہوراست پس در فرض قطعی قرأت آں دو

کے مخالف ہیں لہٰذا فرض قطعی میں ان دو سورتوں کی قرأت

سورہ محسوب نباید کرد و ایں فقیر ہم نمی خواند

کو شمار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ فقیر بھی نہیں پڑھتا تھا

تاآنکہ روزے برین فقیر ظاہر ساختند کہ گویا معوذتین

یہاں تک کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کرتے ہیں کہ گویا معوذتین

حبان کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف مبارک میں معوذتین کو تحریر نہیں فرماتے تھے اور طبرانی وغیرہا کے حوالہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مصاحف سے معوذتین کو کھرچ کر نکال دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب اللہ سے نہیں ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ محض پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جو یہ اشکال وارد ہوتا ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کریم میں شامل ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج (کافر) ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے عدم قرآنیت کی نقل منقول ہے وہ باطل ہے ،حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح بھی ہوں تو ان کی توجیہہ یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک معوذتین کا

حاضر اند و از مخدوم درباب منع قرأت آنہا در فرض

حاضر ہیں اور مخدوم سے فرض میں ان کی قرأت کی ممانعت کے بارے

شکایت دارند کہ ما را قرآن اخراج سی نماید ازاں زمان

میں شکایت کرتی ہیں کہ ہم کو قرآن سے نکالتے ہیں اسی وقت سے

ازاں منع ممتنع گشتم وشروع درقرأت آنہا درفرض نمودم

اس ممانعت سے باز آ گیا اور میں نے فرض میں ان کی قرأت شروع کر دی۔

قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھوانا ثابت نہیں تھا اگرچہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک لکھوانا بھی ثابت تھا۔ (فتح الباری شرح بخاری ۸/۷۴۲)

عظیم مفسر قرآن حضرت علامہ محمود آلوسی حنفی بغدادی مجددی خالدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن کریم کی بعض سورتوں میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور اخبار آحاد میں اتنی قوت نہیں کہ وہ تواتر کے معارض ہو سکیں اور نہ ہی ظن، یقین سے مزاحم ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی)

جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سورتوں کی فضیلت یوں منقول ہے

ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات الم تر ایات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں امشب ایسی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (صحیح مسلم باب فضل قراۃ المعوذتین)

ہر مرتبہ کہ آں دو سورہ کریمہ را در فرض می خوانم احوال
ہر مرتبہ جب ان دونوں سورۂ کریمہ کو میں فرض میں پڑھتا ہوں
عجیبہ مشاہدہ می نمایم والحق کہ چون بعلم شریعت
عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں اور حق یہ ہے کہ جب علم شریعت
رجوع نمودہ آید منع قرأت آں دو سورہ را در فرض وجہے
کی طرف رجوع کیا جائے ان دونوں سورتوں کو فرض میں قرأت کی
پیدا نمی شود بلکہ شبہ اند اختن است در قطعیت
ممانعت کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی بلکہ شبہ ڈالنا ہے اس متفق

حضرت یحییٰ منیری قدس سرہٗ کا مختصر تعارف

سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ قدس سرہٗ العزیز ۲۶ شعبان المعظم ۶۶۱ھ سلطان ناصرالدین محمود کے دور سلطنت میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں متولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ایک تقویٰ شعار اور پارسا خاتون تھیں کہ انہوں نے کبھی آپ کو بے وضو دودھ بھی نہیں پلایا تھا۔ حضرت شیخ نے علوم دینیہ حضرت علامہ اشرف الدین ابوتوامہ رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل کے بعد اپنے استاد کامل کی دختر نیک اختر سے نکاح فرمایا:

آپ سلسلہ عالیہ کبرویہ کے عظیم روحانی پیشوا خواجہ خواجگان حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے تو شیخ نے دیکھتے ہی فرمایا "درویش آؤ برسوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں"۔ خواجہ فردوسی قدس سرہٗ العزیز

ایں حکم مجمع علیہ کہ ما بین الدفتین قرآن باآنکہ ضم

علیہ حکم کی قطعیت میں کہ جو کچھ دفتین کے درمیان ہے وہ قرآن ہے

سورہ از واجبات است کہ ظنی ست پس منع قرأت دو

اس کے ساتھ ہی سورت کا ملانا واجبات سے ہے جو کہ ظنی ہے پس (ان)

نے بیعت لیتے ہی خرقہ خلافت، شجرۂ طریقت اور دیگر نصائح تحریر فرما کر رخصت کر دیا۔ جب آپ نے اپنی تعلیم وتربیت کیلئے کچھ اور قیام کرنے کی اجازت چاہی تو شیخ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "تمہاری تعلیم وتربیت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدر ہے"۔

آپ چالیس سال تک جنگلوں اور پہاڑوں میں عبادت وریاضت کرتے رہے پھر ہجوم خلق کی بنا پر مجبوراً بہار شریف میں اقامت گزیں ہو کر ساری عمر درس وتدریس اور رشد وہدایت میں گزار دی۔ آپ کی ۶ شوال المکرم بروز جمعرات بوقت چاشت ۷۸۲ھ تجہیز وتکفین کی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ نے بوقت وصال وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں تین اوصاف پائے جاتے ہوں۔ وہ شخص صحیح النسب سید ہو...... تارک سلطنت ہو...... اور حافظ قرأت سبعہ ہو۔ چنانچہ لوگ منتظر تھے کہ یکا یک حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ العزیز تشریف فرما ہوئے جن میں مذکورہ بالا تینوں شرائط موجود تھیں اس لئے انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی اور چند روز مرقد انور پر چلہ کش رہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔

دلا ہرگز نیابی درجہاں ہمچوں شرف پیرے
کہ مالا مال ازو شد سید اشرف جہانگیرے

سورہ را اگرچہ ظنی باشند ولوعلی فرض المحال ہیچ

دو سورتوں کی قرأت کی ممانعت اگرچہ ظنی ہو بفرض محال کوئی وجہ نہیں

وجہ نباشد کہ قرأت آنہا بطریق ضم با فاتحہ است

ہے کہ ان کو فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے۔ شیخ مقتداء

فالعجب من الشیخ المقتدیٰ مثل هذا الكلام كل العجب

سے اس قسم کے کلام کا ہونا بہت ہی حیران کن ہے۔ سید البشر اور

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید البشر واله الاطهر

آپ کی آل اطہر پر درود و سلام ہو۔

آپ کے مکتوبات شریفہ، ملفوظات قدسیہ، رسائل مبارکہ اور تصانیف عالیہ سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف لطیفہ کے علاوہ آپ کے مکاتیب شریفہ علوم ومعارف کا گنجینہ اور اسرار شریعت وطریقت کا خزینہ ہیں۔ آپ کے مکتوبات تین قسم کے ہیں

۱......مکتوبات صدی ۲......مکتوبات دوصدی ۳......مکتوبات بست وہشت

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری قدس سرہُ العزیز نے اوراد غوثیہ میں دیگر نصائح کے علاوہ ایک وصیت تحریر فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ" اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری مطالعہ کند تافریب نفس ووسواس خناس دریابد"

منہا - ۵۱

حظ وافر از طریق صوفیه بلکه از ملت اسلام کسے

صوفیہ کے طریق سے بلکہ ملت اسلام سے وافر حصہ اسے

راست که فطرت تقلید وجبلت متابعت دروے بیشتر

ہی ملتا ہے کہ جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی عادت

است مدار کار اینجا برتقلید ست ومناط امر دریں

زیادہ ہے[1] یہاں کام کا مدار تقلید پر ہے اور اس مقام میں

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز تقلید ومتابعت کی فضیلت واہمیت بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل دین اسلام کی سرشت میں تقلید واتباع ایک بنیادی رکن ہے۔ جس شخص کی فطرت وطبیعت میں تقلید واتباع جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ شخص اسلام کی برکات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وفیوضات سے مالا مال ہوگا۔ جملہ سلاسل طریقت بالعموم اور طریقت نقشبندیہ میں بالخصوص تقلید ومتابعت کا خصوصی طور پر اہتمام وانصرام کیا جاتا ہے۔ علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کا مطمع نظر ہی ترویج شریعت اور تائید ملت ہوتا ہے جو بجز تقلید ومتابعت کے ممکن نہیں، چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس کے متعلق ایک مقام پر رقمطراز ہیں

جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

تخلیق انسان سے مقصود، وظائف، اطاعت وعبادت کی ادائیگی اور حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف کلیۃً متوجہ رکھنا ہے اور یہ بات سید الاولین والاخرین علیہ التحیۃ والثناء کی ظاہری و باطنی کامل تابعداری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً، فعلاً، ظاہراً، باطناً، عملاً اور اعتقاداً کمال متابعت عطا فرمائے۔ آمین

(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۱۰)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تقلید کے متعلق قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

علمائے کرام نے کتاب وسنت کی روشنی میں تقلید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

تقلید مذموم اور تقلید محمود

تقلید مذموم

یہ وہ تقلید ہے جس میں کوئی شخص سنت وشریعت وطریقت کے برعکس کسی جاہل، غافل، تابع ہوائے وہوس اور نااہل کی محض ہٹ دھرمی اور کورذوقی کی بناء پر اندھی پیروی کرنا شروع کردیتا ہے حالانکہ کتاب وسنت میں اس کی مذمت اور ممانعت فرمائی گئی ہے جیسا کہ آیات کریمہ۔ ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه اور اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابامن دون الله (توبہ ۳۱) اسی طرح ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق سے عیاں ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس قسم کی تقلید کی مذمت بیان کرتے ہوئے خوب کہا

طرفگی ہا در نہاد کائنات
نیست از تقلید تقویم حیات
نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

تقلید محمود

وہ تقلید ہے جس میں بندۂ مومن ائمہ مجتہدین، علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کی اتباع کرتا ہے کیونکہ یہ نفوس قدسیہ علمائے شریعت، عاملین سنت اور حاملین طریقت ہوتے ہیں جو اغیار کی محبت سے آزاد اور ہوا وہوس سے بیزار ہوتے ہیں۔ بنابریں کتاب وسنت میں ان کی تقلید ومتابعت کی تلقین فرمائی گئی ہے جیسا کہ آیات کریمہ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون (النحل ۴۳) اور واتبع سبیل من اناب الی سے عیاں ہے۔ یہی وہ تقلید ہے کہ جس کے ذریعے محبت کو دوام اور عشق کو استحکام ملتا ہے۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد
عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار

موطن برمتابعت تقلید انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات

معاملہ کا انحصار متابعت پر ہے انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی

بدرجات علیا می رساند ومتابعت اصفیا بمعارج عظمٰی

تقلید اعلٰی درجات تک پہنچا دیتی ہے[2] اور اصفیاء کی متابعت بڑی معراجوں

[2] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ یہ اللہ تعالٰی کی حکمت ہے کہ کسی شخص کی فطرت وسرشت میں تقلید ومتابعت کے رجحان کا غالب ہونا اس کے صاحب استعداد ہونے کی علامت ہے۔ اس تقلید سے مراد ائمہ شریعت کی فقہی تحقیقات بھی ہیں جس کی بنا پر ان کے مقلدین حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلواتے ہیں بنابریں مقلدین، سنت وشریعت کی برکات سے مالا مال ہوتے ہیں اور اس تقلید سے مراد مشائخ طریقت کی صوفیانہ تخلیقات وتحقیقات بھی ہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہوتی ہیں بنابریں سالکین وعارفین، باطن شریعت اور احوال مصطفویہ علٰی صاحبہا الصلوات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اللھم ارزقنا ایاھا

مـی بـرد ابـوبکـر چـوں این فطرت را بیشتر داشت بے

تک لے جاتی ہے حضرت ابوبکر چونکہ یہ فطرت زیادہ تر رکھتے تھے [۳]

توقف بسعادت تصدیق نبوت مسارعت فرموده رئیس

اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت جلدی فرما دی اور صدیقوں

صـدیـقـاں آمـد و ابـوجـهـل لعین چون استعداد تقلید و

کے رئیس ہو گئے اور ابوجہل لعین چونکہ تقلید اور متابعت کی استعداد کم

[۳] حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیائے عظام، صوفیاء کرام علیہم الصلوات کی متابعت مسلمین و سالکین کو درجات عظمیٰ اور مقامات اقصیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ خلیفہ رسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جبلت و فطرت میں تسلیم و تصدیق اور متابعت و تقلید سب سے زیادہ تھی اس لئے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و معجزات و فرمودات کو بغیر کسی توقف و تامل کے مان لیا اسی بنا پر آپ صدیقوں کے سردار ہو گئے جبکہ ابوجہل لعین میں تقلید و اتباع کی استعداد کم تر تھی اس لئے وہ بڑا دانشمند اور خطیب ہو کر بھی بد بخت ہی رہا اور کمالات نبوت سے فیضیاب نہ ہونے کی بناء پر ملعونوں کا پیشوا ہو گیا۔

ایسے ہی بعض لوگوں کی فطرت میں تنقید و تشکیک اور اضطراب و تخمین زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہ مشائخ عظام سے شرف بیعت کے باوجود فیوض و برکات حاصل نہیں کر پاتے بلکہ مشائخ کی ہر نقل و حرکت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے اور ہمیشہ اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کب ان سے کوئی لغزش سرزد ہو تو ہم ان پر انگشت نمائی اور زبان طعن دراز کریں اور اگر اپنے شیخ و مرشد کا کوئی کمال و کرامت دیکھ کر ان کی عظمت کو تسلیم بھی کر لیں پھر بھی سطحی اور زبانی طور پر ہی تسلیم کرتے ہیں، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مائل

نہیں ہوتے اس لئے اپنے شیخ کے فیض و برکت سے محروم رہ جاتے ہیں جو نامراد و بدبخت ہونے کی علامت ہے۔ العیاذ باللّٰہ سبحانہ

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ مرید کو جو بھی مرتبہ و مقام و کمال حاصل ہوتا ہے وہ اپنے شیخ کی تابعداری اور تقلید سے ہی حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے ہر حال میں اپنے شیخ کے عادات و اطوار، اعمال و افعال، لباس و کردار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات، صورت و سیرت کو ہی اپنانا چاہئے یہاں تک کہ فقہ کے مسائل بھی شیخ کی اداؤں سے سیکھنے چاہئیں تاکہ اسکا ظاہر و باطن اپنے شیخ کے رنگ میں رنگا جائے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

جہاں تک ممکن ہو سکے تقلید کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید میں بہت فائدے اور ثمرات ہیں اور اس کے طریقے کی مخالفت میں سراسر خطرات ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۴)

چونکہ اتباع شیخ، محبت شیخ کا ثمرہ ہوتی ہے اس لئے مرید فرط محبت کی وجہ سے تصور شیخ میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ اس کے حواس پر شیخ کی شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے یہاں تک کہ شیخ کی صورت و سیرت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے

تو من شدی من تو شدم تو تن شدی من جاں شدم
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جیسا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فنا فی الشیخ کے مرتبے میں اس قدر مغلوب ہو گئے تھے کہ صورت و سیرت کے اعتبار سے جمال نبوت کے آئینہ دار بن گئے اور ہجرت کے موقعہ پر اہل مدینہ کے لئے آقا اور غلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

(صحیح بخاری ۱ ۵۵۵)

تبعیت کمتر داشت بآں سعادت مستسعد نگشت و
تر رکھتا تھا اس سعادت سے بہرہ ور نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا
پیشوائے ملعونان شد مرید ہر کمال را کہ میبابد از
ہو گیا مرید جو کمال پاتا ہے اپنے پیر کی تقلید سے
تقلید پیر خود می یابد خطائے پیر بہتر از صواب مرید
پاتا ہے ؎ پیر کی خطا مرید کی درستگی سے بہتر ہے یہی

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی تلقین فرما رہے ہیں کہ مرید اور سالک کیلئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کی کسی ادا پر تنقید کرے خواہ شیخ کی وہ ادا، خطا ہی کیوں نہ ہو۔ دراصل بعض لوگ بڑے ناقد مزاج اور نکتہ چین ہوتے ہیں وہ ہر کسی کو اپنے موہوم معیار پر پرکھتے ہیں حالانکہ معیار کتاب وسنت ہے۔ اس قسم کے آوارہ مزاج لوگوں کو کس دانا نے مشورہ دیا کہ وہ ادب و نیاز کی وادی میں قدم رنجاں فرمائیں اور پریم نگر میں اتریں۔ بقول شاعر

جو سیس تلی پہ دھر نہ سکے
وہ پریم گلی میں آئے کیوں

حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حصول علم وفیض کیلئے تسلیم واطاعت پر اور اعتراض نہ کرنے پر پابند رہنے کی تاکید فرمائی جیسا کہ آیہ کریمہ فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء (الکھف ۷۰) سے عیاں ہے۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

چوں گرفتی پیر را تسلیم شو
ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

مرید کی کیفیت مردہ بدست غسال کی مانند ہونی چاہئے اور وہ سراپا ادب و نیاز اور مجسمہ تسلیم وانقیاد ہو اور اپنے حال وقال سے یوں گویا ہو

اتنی رمز پچھانو یارو بہت کراں کیہہ گلاں
میں کریوں ہتھ واگ بلوچے جدھر چلاوے چلاں

بلکہ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو غلبہ محبت کی بنا پر یہاں تک فرما دیا کہ اگر شیخ، کامل مکمل اور سنت و شریعت کا پابند ہو اور وہ مرید کو کہے کہ اپنے مصلّٰی کو شراب سے رنگ دے تو مرید کو بغیر کسی توقف و تامل کے ایسا کر گذرنا چاہئے ممکن ہے مرید کا امتحان مقصود ہو

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

اس کی مثال قرآن مجید سے ملاحظہ ہو کہ جب رب تعالیٰ جل سلطانہ نے شیخ الانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کے نازک حلقوم پر چھری رکھ دی تو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم بس ہاتھ روک لو ہم نے تمہارے جذبہ تسلیم و رضا کو ہی دیکھنا تھا، ذبح پسر مطلوب نہیں تھا بلکہ تمہارا امتحان مقصود تھا جیسا کہ آیات کریمہ قد صدقت الرء یا انا كذالك نجزی المحسنين ان هذا لهو البلاء المبين (صافات ۱۰۵،۱۰۶) سے عیاں ہے۔

غرضیکہ شیخ کا بظاہر خلاف شریعت قول و عمل مبنی بر حکمت ہوتا ہے اس لئے مرید کو ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اپنے شیخ کی خطا کو اچھالے اور برسر منبر و محراب اور اپنی محافل میں ان پر زبان طعن دراز کرے۔ دیکھئے جب غزوۂ احد میں درہ پر متعین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہوگئی تو خاصی پریشانی و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا گو بعد میں اللہ رب العزت جل سلطانہ نے اظہار

ناراضگی کے بعد معافی کا اعلان فرمادیا جیسا کہ آیہ کریمہ ولقد عفا عنکم (آل عمران ۱۵۲) سے عیاں ہے۔

ایسے ہی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے شجرۂ ممنوعہ سے کھا بیٹھنے کے بعد ان کی لغزش کو اچھالنا دلیل محرومی ہے کیونکہ ان کے اجتباء، قبولیت توبہ اور اعلیٰ مراتب قرب کی راہیں ان پر وا ہونے کا اعلان، ان کے ہبوط آسمانی اور نزول جنت سے قبل ہی تواب ورحیم رب نے فرمادیا تھا جیسا کہ آیہ کریمہ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ (طہ ۱۲۲) سے واضح ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ولم یکن اخراج اللّٰہ آدم من الجنۃ واھباطہ منھا عقوبۃ لہ لانہ اھبطہ بعد ان تاب علیہ وقبل توبتہ یعنی اللہ تعالیٰ کا سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے اخراج واہباط کا حکم ان پر عتاب کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ ان کی توبہ اور قبولیت توبہ کے بعد انہیں جنت سے اتارا گیا تھا (قرطبی ۱/۳۲۱)۔ کیونکہ وہ خلافت ارضیہ پر فائز المرام ہونے کیلئے اترے تھے۔

باقی رہا آیہ کریمہ وعصی ادم ربہ فغوی (طہ ۱۲۱) میں سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف عصیان وغوایت کا منسوب ہونا حقیقتاً نہیں بلکہ صورۃً ہے کیونکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش دانستہ نہیں بلکہ بھولے سے بلا ارادہ سرزد ہوگئی تھی جیسا کہ آیہ کریمہ فنسی ولم نجدلہ عزماً (طہ ۱۱۵) سے آشکارا ہے نیز عصیٰ اور غویٰ کا انتساب سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف صنعت مشاکلہ کے قبیل سے ہے جیسا کہ آیہ کریمہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا سے واضح ہے کیونکہ برائی کے بدلے کو محض صوری مشابہت کی بنا پر سیئہ فرمایا گیا ہے حقیقۃً برائی کا بدلہ برائی نہیں کیونکہ کسی برے فعل کو جائز قرار دینا حق تعالیٰ سبحانہ کی شان کے لائق نہیں۔ تعالی اللّٰہ عن

ذالك علواً كبيراً

واضح رہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کے امتیوں سے سہو و خطا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا البتہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات سے مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ منقول ہے وقیل یمتنعان علیہم الا علی جهة السهو والخطاء وهم ماخوذون بذالك وان كان موضوعاً من امتهم (البحر المحیط ۱/۱۶۲)

علمائے متکلمین سہو ونسیان کو زلت سے موسوم کرتے ہیں اور صدورِ زلت، اظہار عصمت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا لطف ہے جو نبی علیہ السلام کو فعل خیر پر ابھارتا اور اسے شر سے بچاتا ہے بقائے اختیار کے ساتھ تا کہ معنائے ابتلاء کا تحقق (برقرار) رہے هی لطف من الله تعالٰی یحمله علی فعل الخیر ویزجره عن الشر مع بقاء الاختیار تحقیقاً للا بتلاء (شرح عقائد ۷۴)

مؤاخذہ سے انبیائے کرام علیہم الصلوات کی عظمت ورفعت وفضیلت میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ان کی کمال عظمت ورفعت وفضیلت کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ مؤاخذہ کا موجب انبیائے کرام علیہم الصلوات کی بارگاہ قدس جل سلطانہ میں غایت قربت اور کمال محبوبیت ہوتا ہے جیسا کہ مقولہ حسنات الابرار سیئات المقربین سے عیاں ہے۔ مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو بیان فرمایا ہے

وصلتِ عامہ حجابِ خاصداں
طاعتِ عامہ گناہِ خاصگاں
جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے زلت آدم (علیہ السلام) پر مؤاخذہ کا تذکرہ یوں بیان فرمایا ہے

بود آدم دیدۂ نور قدیم سوئے در دیدہ بود کوہ عظیم

یعنی سیدنا آدم علیہ السلام نور قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر بال بھی پڑ جائے تو آنکھ کی نزاکت اسے برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا اور باریک سا بال بھی کوہ عظیم کی مانند نا قابل برداشت ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں سیدنا آدم علیہ السلام کا ربنا ظلمنا انفسنا کا اعتراف واقرار اور اس پر توبہ واستغفار ان کے کمال عبدیت اور غایت عجز وانکسار کا مظہر ہے۔ بقول شاعر

الٰہی انتہائے عجز کا اقرار کرتا ہوں
خطا و سہو کا پتلا ہوں استغفار کرتا ہوں

یونہی اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے جب کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے تو حالت خواب یا مراقبے میں انہیں خود حق تعالیٰ سبحانہ مطلع فرما دیتے ہیں یا ان کے مشائخ عظام انہیں متنبہ فرما دیتے ہیں اور اس خطا کے ارتکاب پر انہیں ڈانٹ پلا دیتے ہیں یوں ان کے مشائخ عظام انہیں توبہ کراتے ہیں اور بارگاہ قدس جل سلطانہ سے معافی لیکر دیتے ہیں۔

نیز لغزش پر اطلاع پانے کے بعد وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کس قدر آہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہیں نہ جانے وہ کیا کیا کرتے ہیں کہ جن کے بدلے میں ان پر مغفرتوں و بشارتوں اور بلندی درجات کے دروازے وا کر دیئے جاتے ہیں یوں انہیں گناہ و خطا پر برقرار نہیں رہنے دیا جاتا۔ غالباً ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات اذا احب اللّٰہ عبداً الن یضرہ ذنب ثم تلا ان اللہ یحب التوابین (احیاء العلوم) کا بھی یہی مفہوم ہے اور علمائے اہلسنت کا بھی یہ موقف ہے کہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں یوں انبیائے کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی قبولیت توبہ اور مغفرت کا سامان ہو

جاتا ہے اسلئے ان کی لغزش وخطا کو دھرانا اور بدگمانی کی بنا پر اسی شبہ میں پڑے رہنا دلیل محرومی ہے۔ مقولہ مشہور ہے خطائے بزرگان گرفتن خطا است اس لئے بزرگوں کی غلطی کی تشہیر سے اجتناب کرنا، اسے نظر انداز کرنا اور خاموش رہنا ہی احوط اور اسلم ہے۔

علاوہ ازیں اہل اللہ کی خطائیں ہماری عبادتوں سے بدرجہا بہتر ہیں کہ ان کی معافی بھی ہو چکی جبکہ ہمیں اپنی عبادات کی قبولیت کا بھی علم نہیں ہوتا اسی لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے اعمال وعبادات کو تہمت زدہ جاننے کی تلقین فرمائی ہے تاکہ ریاو سمعہ کا خیال بھی نہ آنے پائے اور سالکین اپنی پارسائی کے ڈھنڈورے پیٹنے اور انا خیر منہ کے راگ الاپنے سے بچیں رہیں ورنہ بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ

گر نۂ فرزند بلیسی اے عنید
پس بتو میراث آن سگ کے رسید
وائے ناکامی زاہد کہ جبیں پر اس کی
داغ سجدہ تو بنا داغِ محبت نہ بنا

مختصر یہ کہ اپنی عبادات پر ناز کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس ان کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں نیز اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب ہوتے ہیں اس لئے انہیں ذلیل وحقیر جاننے سے بچنا چاہئے

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی دریں گرد سوارے باشد

است ازیں جاست کہ ابوبکر طلب سہو پیغمبر علیہ

وجہ ہے کہ ابوبکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کا سہو طلب کرتے ہیں ۵

الصلوٰۃ والسلام می نماید کہ یالیتنی کنت سہو محمد

اے کاش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو بن جاؤں اور حضرت پیغمبر

وحضرت پیغمبر درشان بلال رضی اللہ عنہ فرمودہ اند کہ

نے بلال کے بارے میں فرمایا ہے بلال کی سین اللہ کے

۵ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ چونکہ خطائے شیخ، مرید کی درستگی سے بہتر ہے اسی لئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یالیتنی کنت سہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آرزو کی تھی۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کے متعلق قدرے وضاحت ہدیۂ قارئین ہے۔ و باللہ التوفیق

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو ونسیان کے متعلق یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

سہو ونسیان حضرت پیغمبر علیہ السلام پر جائز بلکہ واقع ہے جیسا کہ حدیث ذوالیدین میں وارد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی قطعی کے ذریعہ سہو ونسیان پر اطلاع فرما کر صواب کو خطا سے جدا کر دیا۔ نبی کا خطا پر قائم رہنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس سے احکام شرعیہ کا اعتماد رفع ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۹۶)

حدیث ذوالیدین (عمیر بن عبد عمرو) کی وضاحت کتب احادیث میں کچھ یوں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نماز عصر پڑھائی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اقصرت الصلوٰۃ یا رسول اللہ ام نسیت (یارسول اللہ کیا نماز قصر کر دی گئی یا

آپ سے بھول ہوگئی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایالم انسی ولم تقصر نہ میں بھولا ہوں نہ نماز قصر ہوئی (ابن ماجہ ۸۶)۔ بلکہ موطا امام مالک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یوں منقول ہیں کل ذالك لم یکن یعنی کچھ بھی نہیں ہوا وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایاانی لانسی انسی لاسن یعنی میں اس لئے بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں کہ کوئی سنت قائم کردوں (موطا امام مالک کتاب السہو) اسی طرح حضرت علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایالست انسیٰ ولکن انسیٰ یعنی میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں قرآن مجید میں ارشاد ہے سنقرئك فلا تنسی الا ماشاء اللہ (الاعلیٰ:٦) یعنی ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ (الشفاء جلد دوم)

غرضیکہ عامۃ الناس کا نسیان مبنی بر غفلت ہوتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا نسیان مبنی بر حکمت ہوتا ہے کیونکہ وہ بھولتے نہیں بھلائے جاتے ہیں۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ جمہور متکلمین اہل سنت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلوات اپنے دور نبوت میں کبائر سے مطلقا اور صغائر سے عمداً معصوم ہوتے ہیں۔ گو اکثر مشائخ اہل سنت سہوا انبیاء (علیہم الصلوات) کے قائل ہیں لیکن جو صغائر، دناءت وخست ورذالت کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوات سے ممکن نہیں جیسے نوالہ کا سرقہ اور ایک دانہ بھر تول ناپ میں کمی کرنا لیکن محققین نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اگر انہیں متنبہ کردیا جائے تو وہ اس سے رک جائیں۔ ایسے ہی محققین اہلسنت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات قابل نفرت امور سے بھی معصوم ہوتے ہیں جیسے امہات وآباء کرام اور زوجات محترمات کا فجور ورذالت اور خست

ودناءت۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے سہو ونسیان کو ہی زلت کہا جاتا ہے۔ (شرح عقائد، شرح فقہ اکبر لعلی قاری، مقالات کاظمی وغیرہا)

واضح رہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ امور تبلیغیہ میں آپ پر سہو اور نسیان طاری نہیں ہو سکتا کہ آپ رشد و ہدایت کی تبلیغ فرمائیں اور کوئی غلط بات بتلا دیں البتہ دنیوی معاملات اور عبادات میں بعض اوقات آپ پر نسیان طاری ہو جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ علی الفور آپ کو امر واقعہ سے آگاہ فرما دیتا تھا اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ امور اعتقادیہ میں آپ پر نسیان نہیں آ سکتا (شرح مسلم للنووی جلد اول) اسی بنا پر امام الہدیٰ حضرت شیخ ابومنصور ماتریدی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں:

الانبیاء احق بالعصمة لان الامم مامورون باتباع الانبیاء لا الملائکة یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات عصمت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ امتوں کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ملائکہ کو۔ (نبراس ۲۸۴)

" سین بلال عندالله شین " که بلال عجمی بود دراذان اسهد
ہاں شین ہے [۱] چونکہ بلال عجمی تھے اذان میں سین مہملہ
می گفت بسین مہملہ ونزد خدائے عز و جل و علا اسهد
کے ساتھ اسهد کہا کرتے تھے خدائے عزوجل و علا کے ہاں

[۱] یہاں اس امر کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ بعض حضرات کی عجز و نیاز مندی اور اخلاص وللّٰہیت حریم قدس جل سلطانہ میں اس قدر مقبول ومحبوب ہوتی ہے کہ ان کی خطا بھی دوسروں کے افعال صحیحہ اور اعمال صالحہ سے بہتر ہوتی ہے خواہ وہ زبان دان اور قادر الکلام نہ بھی ہوں۔ قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے اس سلسلہ میں شجاع طریقت حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ العزیز کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے حضرت شیخ عجمی رحمۃ اللہ علیہ امام اہلسنت حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ العزیز کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی اور وہ عربی سے نابلد تھے ایک مرتبہ خواجہ حسن بصری، خواجہ حبیب کے حجرہ کے پاس سے گذرے جبکہ شیخ عجمی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز مغرب میں مشغول ہوگئے چونکہ شیخ عجمی عربی تلفظ کو صحیح طریقہ کے ساتھ ادا نہیں کرسکتے تھے اس لئے خواجہ حسن نے ان کی امامت میں نماز ادا نہ فرمائی۔ جب رات کو سوئے تو خواب میں خدا تعالیٰ جل سلطانہ کا دیدار نصیب ہوا اور عرض کی "بار خدایا رضائے تو اندر چه چیزاست " بارخدایا تیری رضا کس چیز میں ہے ارشاد ہوا اے حسن تجھے میری رضا کا مرتبہ ملا مگر قدر ندانستی تو نے اس کی قدر نہیں کی اگر تو کل شب حبیب کے پیچھے نماز ادا کرلیتا تو اس کی صحت نیت تجھے عبادت کی حقیقت سے آشنا کردیتی اور میں تجھ سے راضی ہوجاتا۔

(کشف المحجوب فارسی ۹۴)

یونہی مؤذن رسول حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی اذان پر جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اعتراض کیا اور کہا کہ بلال حبشی ہونے کی وجہ سے اشھد کی بجائے اسہد کہتے ہیں کسی اور صاحب نے اذان دی تو صبح ہی طلوع نہ ہوئی ارشاد فرمایا یہ بجا ہے کہ بلال (رضی اللہ عنہ) عجمی ہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت سے واقف نہیں ان کا تلفظ درست نہیں مگر سین بلال عنداللہ شین یعنی بلال کی سین اللہ کے ہاں شین ہی ہے۔

دیکھئے خدائے بے نیاز دوسروں کے صواب و نیکی سے بھی راضی نہیں مگر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خطا پر بھی راضی ہے بقول شاعر

ع بر اشہد تو خندہ زند اسہد بلال

اواشهد است پس خطائے بلال بہتر از صواب دیگراں باشد

ان کی اسہد، اشہد ہے لہٰذا بلال کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہوئی۔ ؎

ع براشہد توخندہ زندا سہد بلال

تیری اشہد پر بلال کا اسہد ہنستا ہے

از عزیزے شنیدہ ام کہ می گفت بعضے از ادعیہ کہ از

میں نے ایک عزیز سے سنا کہ وہ کہتے تھے بعض دعائیں جو

مشایخ منقول است واتفاقاً آں مشائخ در بعضے آں

مشائخ سے منقول ہیں اتفاقاً مشائخ سے ان بعض دعاؤں

ادعیہ خطا کردہ اند ومحرف خواندہ اگرمتابعان ایشاں

میں خطا ہوگئی اور بگاڑ کر پڑھا اگر ان کے متبعین ان دعاؤں

؎ یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے "خطائے پیر بہتر از صواب مرید است" کی ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ دراصل اہل اللہ، صدق مقال، رزق حلال واذکار واوراد پر مواظبت کی بناء پر سیف اللسان ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس کیلئے بالعموم اور مریدین کیلئے بالخصوص ان کے مشائخ کرام کے ارشادات و فرمودات اور اداؤں میں ہی تاثیرات اور فیوض وبرکات ہوتے ہیں خواہ وہ فرمودات سبقت لسانی یا سہو ونسیان کی بنا پر ہی ان سے صادر ہوئے ہوں یا مشائخ کرام نے انہیں عملاً یا خطاء بگاڑ کر پڑھا ہو...... خواہ لوگ ان کا مذاق اڑائیں، اہل علم کتنی ہی نکتہ چینی کریں...... مریدین اور سالکین کو بر چشم قلندر کے مصداق کسی کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے اوران دعاؤں اور اورادووظائف کو ایسے ہی پڑھنا چاہئے جیسے ان کے مشائخ

آن ادعیہ رابہماں صرافت کہ مشائخ خوانده اند

کو اسی تحریف کے ساتھ جیسے مشائخ نے پڑھا پڑھیں

بخوانند تاثیر می بخشند واگر درست کرده بخوانند از

تاثیر بخشتی ہیں اور اگر درست کر کے پڑھیں

تاثیر خالی می مانند ثبتنا الله سبحانه علی تقلید انبیائه و

تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں ہمیں ثابت قدم رکھے اللہ سبحانہ اپنے نبیوں کی

متابعة اولیائه بحرمة حبیبه علیه وعلی جمیع الانبیآء والمرسلین

تقلید اور اپنے ولیوں کی متابعت پر اپنے حبیب کے طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

وعلی متابعیهم الصلوات والتسلیمات

تمام انبیاء ومرسلین پر اور انکے تابعین پر صلوات وتسلیمات ہوں۔

نے پڑھا ہے کیونکہ درست کر کے دعاؤں کو پڑھنے سے ثواب تو ضرور مل جاتا ہے مگر تاثیر نہیں ملتی تاثیر مشائخ کی زبان واجازت میں ہی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حزب البحر'' کے وظیفہ کے دوران قرآنی آیت وجعلنا من بین ایدیهم سدا کو جلدی سے وجعلنا من بین ایدیهم سُدا و من خلفهم سُداً پڑھ دیا (یعنی سداً کی بجائے سدأ پڑھا) ان کے خلفاء ومریدین نے اپنا معمول بنالیا کہ جب بھی حزب البحر پڑھا کرتے تو سدا ہی پڑھتے۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہمیں نہیں پتہ بس ہمارے شیخ مکرم نے یونہی پڑھا تھا اس لئے ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں تو حزب البحر میں تاثیر پاتے ہیں اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیرات پیدا نہیں ہوتیں!

ہم سے کسی نے پوچھا تھا کہ اکثر لوگ جب درود خضری پڑھتے ہیں تو یوں پڑھتے ہیں۔صلی اللّٰہ علیٰ حبیبہ محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم

تو ہم نے اسے جواباً کہا تھا کہ ہمارے مشائخ سادات آلومہار شریف رحمۃ اللہ علیہم نے ہمیں صلی اللّٰہ علیٰ حبیبہ محمد والہ وسلم کی اجازت دی ہے فلہٰذا ہم تو اتنا ہی پڑھتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر درود نہیں بھیجتے بلکہ ہمارا تو موقف یہ ہے کہ کل تقی ونقی فھو آلی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آل کی عمومیت میں شامل ہیں۔

منہا-۵۲

محمد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم سید

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سید المرسلین ہیں

المرسلین است علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات

آپ پر اور ان پر درود اور سلامتیاں ہوں تو

فکیف سائر بشر وحضرت عیسیٰ و موسیٰ را علیهما

تمام انسانوں کی کیفیت کیا ہوگی حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ

الصلوات والتسلیمات والتحیات اگرچه از مقام تجلی

ان دونوں پر صلوات و تسلیمات و تحیات ہوں اگرچہ بقدر مرتبہ

ذات نصیبے است علی قدر المرتبة والاستعداد قال الله

اور استعداد تجلی ذات کے مقام سے حصہ حاصل ہے [1] اللہ سبحانہ

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز انبیائے اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے تجلی ذات اور تجلی صفات کے اعتبار سے درجات کا تفاوت بیان فرمارہے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تجلی ذات اور تجلی صفات کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے و باللہ التوفیق

تجلی کا لغوی معنی ظاہر کرنا اور ظاہر ہونا ہے...... اصطلاح صوفیاء میں اللہ تعالیٰ

سبحانه وتعالیٰ خطاباً لموسیٰ واصطنعتک لنفسی ای لذاتی

و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اور میں نے تجھے

وحضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ است و کلمۂ

اپنے نفس کیلئے منتخب فرمالیا یعنی اپنی ذات کیلئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اوست سبحانہ و کثیر المناسبت است بآں سرور علیہ

روح اللہ (سبحانہ) اور اس کا کلمہ ہیں اور آنسرور علیہ الصلوٰۃ

کی ذات وصفات اور اسماء وافعال کا کسی شان یا رنگ، کیفیت یا حالت میں اظہار، تجلی کہلاتا ہے اسے لباس تعین بھی کہتے ہیں۔ تجلی کا ثبوت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے رب ارنی کے مطالبہ پر فلما تجلّٰی ربہ للجبل (الاعراف ۱۴۳) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات اتانی ربی فی احسن صورۃ (ترمذی ۲/۱۵۶) سے عیاں ہے۔

حق تعالیٰ جب بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کا نام حق کے اعتبار سے شان الٰہی رکھا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے اسے حال کہا جاتا ہے اور وہ ہر آن ایک نئی تجلی میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

تجلی صفاتی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہات صفات میں متجلی پاتا ہے۔ امہات صفات

آٹھ ہیں جنہیں صفات ثمانیہ ذاتیہ حقیقیہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں

حیات......علم......کلام......سمع......بصر......قدرت......ارادہ......تکوین

تجلی ذاتی

اس تجلی میں سالک فنافی المطلق ہو کر اپنے علم، شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عبد، فانی ہو جاتا ہے اور حق، باقی رہتا ہے اسی فنائیت کے بعد بقاباللہ کا مقام آتا ہے۔ اس تجلی میں سالک اپنے آپ کو بلاتعین جسمانی و روحانی اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے اور کمال توحید عیانی کا مشاہدہ کرتا ہے جسے وصل عریانی بھی کہا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت نے تجلی ذاتی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

تجلی ذاتی برقی اور تجلی ذاتی دائمی

تجلی ذاتی برقی

اکثر مشائخ طریقت کے نزدیک تجلی ذاتی برقی ہوتی ہے یعنی آسمانی بجلی کی مانند تھوڑی دیر کیلئے سالکین کے سامنے اسماء وصفات کے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد دوبارہ حائل ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان پر حضور ذاتی کا اثر کم اور غیبت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔

تجلی ذاتی دائمی

اکابر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک تجلی ذاتی دائمی ہوتی ہے یعنی جب تجلی آتی ہے تو پھر جاتی نہیں ہمیشہ رہتی ہے سلسلہ نقشبندیہ میں اس کو نسبت حضور و آگاہی، حضور ذاتی دائمی، دوام حضور مع اللہ بلاغیبت اور یادداشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۱،۱۴)

علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ جمیع رسل عظام علیہم الصلوات والتسلیمات نفس رسالت (بحیثیت رسول) میں اور جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات نفس نبوت (بحیثیت نبی) میں برابر ہیں یعنی کسی رسول اور نبی کی رسالت اور نبوت عارضی نہیں بلکہ جملہ رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوات کی رسالت و نبوت اصلی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ لا نفرق بین احد من رسله (البقرہ ۲۸۵) سے عیاں ہے۔ لیکن فضائل و مقامات، مراتب و درجات اور کمالات و معجزات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک صفت سے متصف فرمایا تو کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ کمالات جمالیہ و جلالیہ کا مظہر اتم و اکمل بنایا۔ خدا نے جو مراتب و کمالات و معجزات دیگر رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوات کو ایک ایک کر کے عطا فرمائے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر میں مندرج فرما دیئے کسی نے کیا خوب کہا

حسن یوسف ، دم عیسیٰ ، ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

علاوہ بریں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی رشد و ہدایت کے لئے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا جو اعاظم معجزات میں سے ہے جس کے باعث ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو کرامت و خیریت میسر ہوئی جیسا کہ آیہ کریمہ کنتم خیر امته سے عیاں ہے۔ کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے۔

زنام ونامۂ تو یافتیم عز و کرامت
ہزار جانِ گرامی فدای نامہ ونامت

شیخ المتکلمین حضرت علامہ ابوشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

متکلمین اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ رسول، انبیائے کرام علیہم الصلوات سے افضل ہے......اور رسولوں میں بعض، بعض سے افضل ہیں......صاحبان کتاب دیگر سے افضل ہیں......پھر اولوالعزم افضل ہیں......اور اولوالعزم میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔(التمہید ۷۶)

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ تفضیل انبیاء کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

بعض انبیاء کی بعض انبیاء (علیہم الصلوات) پر تفضیل حکم اجمالی کے اعتبار سے قطعی ہے اور یہ افضلیت مال دنیوی کے وفور کی بنا پر نہیں بلکہ زیادت علم لدنی کے لحاظ سے ہے جیسا کہ آیات کریمہ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض اور ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض سے عیاں ہے لیکن حکم تفصیلی کے اعتبار سے یہ امر ظنی ہے۔(شرح فقہ اکبر ۱۱۴)

صاحب بہار شریعت حضرت علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

رسولوں میں سب سے افضل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں......ان کے بعد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ......انکے بعد سیدنا موسیٰ کلیم اللہ......ان کے بعد سیدنا عیسیٰ روح اللہ......ان کے بعد سیدنا نوح نجی اللہ علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔

(بہار شریعت حصہ اول) جبکہ علامہ سالمی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

صاحبان شریعت رسل عظام میں سے اولوالعزم چھ رسول ہیں ان میں اول سیدنا آدم......ثانی سیدنا نوح......ثالث سیدنا ابراہیم......رابع سیدنا موسیٰ......خامس سیدنا عیسیٰ......سادس سیدنا محمد رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔(التمہید ۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ چھٹے اولوالعزم رسول سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن پر دس

صحائف نازل ہوئے۔ (التمہید ۸۱)

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں

ازاں جملہ آنست کہ بدانند رسول صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم بہتر و فاضل ترجملہ انبیاء است و دلیل بریں معنی گفتہ وی بس است کہ **انا سید ولد ادم و لا فخر** یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان واعتقاد رکھنے میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیائے کرام علیہم الصلوات سے بہترین اور فاضل ترین مانا جائے اس پر دلیل خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے انا سید ولد آدم و لا فخر (المعتمد فی المعتقد ۱۱۰)

واضح رہے کہ آیہ کریمہ ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض اور تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعضك ے ساتھ بعض احادیث مبارکہ متعارض ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تفضلوا بین الانبیاء یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہے:

لاتخایروا بین الانبیاء یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات کے درمیان مخایرہ نہ کرو۔

ایک روایت میں ہے:

لا تخیرونی وفی روایۃ لا تفضلونی علیٰ موسیٰ یعنی مجھے حضرت

موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو۔

ایک مقام پر یوں فرمایا:

لا تخیرونی علی ابراھیم یعنی مجھے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو۔

ایک حدیث میں ہے:

وما ینبغی لعبدان یقول انا خیرمن یونس ابن متی یعنی کسی شخص کیلئے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں حضرت یونس ابن متی سے افضل ہوں۔

ان آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے رفع تعارض کے متعلق علمائے کرام کے متعدد اقوال ملتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

⊙ ...... بعض انبیائے کرام کو بعض انبیائے کرام پر تفاضل کا قول بغیر نص کے اپنی رائے کے ساتھ کرنا جائز نہیں کیونکہ فضیلت کا مطلب حق تعالیٰ کے ہاں قرب اور کثرت ثواب ہے جو کتاب وسنت سے ہی ثابت ہوتی ہے محض رائے سے معلوم نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر مظہری)

⊙ ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ تواضع وانکسار فرمایا کہ مجھے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوات پر فضیلت نہ دو۔

⊙ ...... تفاضل بین الانبیاء یوں بیان نہ کی جائے کہ جس سے کسی نبی علیہ السلام کی تنقیص وتحقیر کا شبہ ہوتا ہو یا ازراہ خصومت وعداوت تفضل کے قول سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنا سراسر ضلالت وگمراہی وبے دینی کا موجب ہے العیاذ باللہ سبحانہ

⊙ .....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ممانعت فرمائی کہ آپ اس وقت قطعی طور پر اپنے تخیر وتفضل سے واقف نہ تھے مگر امارات وآثار سے اپنی خیریت وفضیلت پہچانتے تھے اور جب بارگاہ قدس جل سلطانہ کی طرف سے آگاہی ہوگئی تو خود ارشاد فرمایا الا وانا حبیب اللّٰہ

⊙ .....بعض احادیث مبارکہ کی بنا پر اگر دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوات کی جزوی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے تو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جملہ انبیائے کرام اور جمیع رسل عظام علیہم الصلوات پر اضعافاً مضاعفة ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے انا خاتم النبیین

اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

الصلوٰة والسلام اما حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ

و السلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم

الصلوٰۃ والسلام باوجود آں کہ درمقام تجلی صفات ست

ہمارے نبی پر اور ان پر درود و سلام ہو باوجودیکہ تجلی صفات کے مقام

اما حدید البصر ست شان خاصے کہ پیغمبر ما را در مقام

میں ہیں۔[1] لیکن بہت تیز چشم ہیں جو شان خاص ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو

تجلی ذات میسر شدہ است حضرت ابراہیم رادرمقام

تجلی ذات کے مقام میں میسر ہوئی ہے حضرت ابراہیم کو تجلی

تجلی صفات حاصل گشتہ مع التفاوت الاستعدادی بینھما

صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی دونوں کی استعداد کے تفاوت کے ساتھ

پس بایں اعتبار اواز حضرت عیسٰی وموسٰی افضل باشد

پس اس اعتبار سے وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ سے افضل ہیں

[1] ہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حدید البصر اور ناقد النظر ہیں اس کی قدرے وضاحت پیش خدمت ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقمطراز ہیں کہ ذات تعالیٰ جل سلطانہ کے ساتھ وصول دو قسم کا ہے

باعتبار نظر اور باعتبار قدم

باعتبار نظر سے مراد یہ ہے کہ نظر واصل ہو اور باعتبار قدم سے مراد یہ ہے کہ ناظر بنفس خود واصل ہو۔ وصول نظری بالا صالت حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حصہ ہے جبکہ وصول قدمی بالا صالت حضرت سیدنا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیبہ ہے۔

وصول نظری میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اصل ہیں اور حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تابع ہیں اور وصول قدمی میں حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے وہاں تو بال کی بھی گنجائش نہیں پھر قدم کی کیا حقیقت بلکہ وہاں ایک مجہول الکیفیت وصول ہے۔ اگر صورت مثالیہ میں نظر کے ساتھ منقش ہو جائے تو اسے وصول نظری کہیں گے اور اگر وہ قدم کے ساتھ منقش ہو تو اسے حصول قدمی کہتے ہیں ورنہ نظر اور قدم دونوں بارگاہ قدس جل سلطانہ میں حیران و پریشان ہیں۔

(ماخوذ از مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۸۸)

وحضرت عیسٰی از حضرت موسٰی افضل است و رتبہء

اور حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے افضل ہیں [1] اور ان کا مرتبہ

اوفوق حضرت موسٰی است وحدیدالبصر ست وناقد

حضرت موسیٰ سے بلند ہے وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں

النظر بعداز ایشاں حضرت نوح است علی نبینا وعلیہ

ان کے بعد حضرت نوح ہیں ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو

الصلوٰۃ والسلام ومقام حضرت نوح درمقام صفات ہرچند

حضرت نوح کا مقام، مقام صفات ہے اگرچہ

بالا تر از مقام حضرت ابراہیم است اما حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیم کے مقام سے بالا تر ہے لیکن حضر ت ابراہیم کو

[1] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے افضل کہا ہے جبکہ ایک مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں

ولایت موسوی علیٰ صاحبہا الصلوات ولایت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے داہنی جانب واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوات اس ولایت کے بائیں جانب ہے۔ ولایت موسوی مقام دعوت سے تعلق رکھتی ہے اور ولایت عیسوی مقام عزلت سے مناسبت رکھتی ہے۔ مقام دعوت جو کہ مرتبہء نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کے درمیان صرف حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام میں بدرجہء اتم واکمل ہے اور ان کی کتاب تورات،

را دراں مقام شان خاص ست وحدت بصرست که دیگرے

اس مقام میں شان خاص اور تیزی نظر حاصل ہے جو کہ کسی

رانیست لیکن اولاد کرام ایشاں را ازاں مقام نیز نصیب

دوسرے کو نہیں ہے لیکن ان کی معزز اولاد کو اس مقام سے بھی حصہ ہے

ست به تبعیت وفرعیت وحضرت آدم بعداز حضرت نوح

اتباع اور فرع ہونے کی بنا پر اور حضرت آدم حضرت نوح کے بعد

است علٰی نبینا وعلٰی جمیعهم الصلوات والتسلیمات هذا مما

ہیں ہمارے نبی اور ان تمام پر صلوات وتسلیمات ہوں یہ سب کچھ میرے پروردگار نے

علمنی ربی والهمنی بفضله و کرمه والعلم عندالله سبحانه

مجھے سکھایا ہے اور اپنے فضل وکرم سے مجھے الہام فرمایا ہے اور علم اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے

قرآن مجید کے بعد نازل شدہ کتابوں میں بہترین ہے۔ چونکہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شریعت وملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل واکمل ہے یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم دیا گیا جیسا کہ آیہ کریمہ ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا (النحل ۱۲۳) سے عیاں ہے۔

(ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

حضرت شیخ نواب سید نورالحسن خان المعروف بہ نور میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ لمعۂ نور میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے دونوں اقوال کے درمیان تطبیق یوں بیان فرمائی ہے:

مبداء ومعاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تحریر

فرمایا ہے اور مکتوبات شریفہء امام ربانی رضی اللہ عنہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات نبوت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں غلبہ کمالات ولایت کا لکھا ہے تو مطابقت بین القولین اس سے معلوم کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول کے اتباع شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمائینگے تو یہ جامعیت آپ کی بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہر و باہر ہے۔

(مجموعہ رسائل ۱۲۹)

منہا-۵۳

سالکے کہ سیر او در تفصیل اسماء وصفات افتاد راہ

وہ سالک کہ جس کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں واقع ہو گئی

وصول او بحضرت ذات جل سلطانہ مسدود گشت

اس کے وصول کا رستہ حضرت ذات جل سلطانہ تک بند ہو گیا

چہ اسماوصفات رانہایت نیست تا بعد از قطع آنہا

کیونکہ اسماء و صفات کا انتہاء نہیں ہے کہ انکو قطع کرنے کے بعد

بمقصد اقصیٰ تواند رسید مشائخ ازیں مقام خبر دادہ

منتہائے مقصود تک پہنچ سکے مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ

زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز سیر اجمالی اور سیر تفصیلی کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ درحقیقت حریم قدس جل سلطانہ کی طرف روحانی سیر اور باطنی طیر کرنے والے سالکین دو طرح کے ہوتے ہیں۔

کچھ سالکین تو دوران سلوک اسماء وصفات کے ذریعے سلوک طے کرتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کے اسماء وصفات لامحدود اور غیر متناہی ہیں اس لئے وہ اسماء و صفات کی سیر میں ہی مشغول ہو کر رہ جاتے ہیں جبکہ بعض عارفین کو اسماء وصفات میں اجمالاً سیر کروا کر حریم ذات جل سلطانہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

اند کہ مراتب وصول رانہایت نسیت زیرا کہ کمالات

مراتب وصول کی انتہاء نہیں ہے کیونکہ محبوب کے کمالات

محبوب نہایت ندارد ومراد از وصول ایں جا وصل

کوئی انتہاء نہیں رکھتے اس جگہ وصول سے مراد اسمائی اور

اسمائی وصفاتی ست سعادتمند کسے است کہ سیر

صفاتی وصل ہے سعادت مند وہ سالک ہے جس کی سیر

اودراسما وصفات بطریق اجمال واقع شدہ وبسرعت

اسماء و صفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی اور جلدی کے ساتھ

قدوۃ الابرار حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سیر کی دو قسمیں ہیں

۱...... سیر مستطیل ۲......سیر مستدیر

سیر مستطیل بعد در بعد ہے اس سیر سے مراد مقصود کو اپنے دائرے کے خارج سے طلب کرنا ہے اور یہ سیر اسماء وصفات کے دوران ہوتی ہے اسی کو سیر آفاقی بھی کہا جاتا ہے جبکہ سیر مستدیر قرب در قرب ہے یہ سیر اپنے قلب کے گرد پھرنا اور مقصود کو اپنے سے تلاش کرنا ہے اس کو سیر انفسی بھی کہا جاتا ہے اور عارف بارگاہ قدس تک واصل ہوجاتا ہے۔ دیگر سلاسل طریقت کے مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو اسماء وصفات کا سبق دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ تر اسماء وصفات کی تجلیات میں ہی الجھ کر رہ جاتے ہیں جبکہ خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے درویشوں اور سالکوں کو اسم ذات کا درس دیتے اور پوشیدہ رستوں سے حریم یار تک پہنچا دیتے ہیں۔

واصل حضرت ذات تعالیٰ و تقدس گشتہ واصلان ذات

واصل ذات تعالیٰ و تقدس ہو گیا۔ واصلانِ ذات کو

را بعداز وصول بنہایت النہایت رجوع بدعوت لازم

نہایت النہایت تک وصول کے بعد دعوت کے لئے رجوع لازم ہے

است وعدم رجوع آں موطن متصور نہ بخلاف متوسطاں

اس مقام سے عدم رجوع کا کوئی تصور نہیں بخلاف متوسط

کہ بعد از وصول شاں بنہایت استعداد خود رجوع لازم

سالکین کے جن کا اپنی استعداد کے انتہاء تک وصول کے بعد رجوع لازم

نیست تواند بود کہ رجوع نمایند وتواند بود کہ اقامت

نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور ہوسکتا ہے کہ وہیں ٹھہرے رہیں

ورزند پس مراتب وصول منتہیاں را بتمام متصور ست

پس منتہیوں کے مراتب وصول کا پورا ہونا متصور بلکہ لازم ہے۔

سلطان العشاق حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہُ السامی نے کیا خوب کہا

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

یہ امر واضح رہے کہ جو سالکین اسماء وصفات کی تفصیلی سیر میں مشغول ہوجاتے ہیں وہ متوسط حضرات ہوتے ہیں جو باطنی استعداد کی کمی کی وجہ سے تجلیات اسماء و صفات میں ہی منہمک ومدہوش ہوجاتے ہیں بنابریں وہیں کے ہی ہو کر رہ جاتے

بلکہ لازم ومراتب وصول متوسطاں راکہ بتفصیل
متوسطین کے مراتب وصول جو اسمائی و صفاتی تفصیل میں چلے
اسمائی وصفاتی رفتہ اند نہایت نہ ایں علم ازجملہ
گئے کی کوئی انتہاء نہیں یہ علم اس فقیر کے جملہ علوم مخصوصہ میں
علوم مخصوصۂ ایں فقیر ست **والعلم عنداللہ سبحانہ**
سے ہے علم صحیح تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

ہیں اس قسم کے سالکین کو مستہلکین کہا جاتا ہے۔

جبکہ کامل الاستعداد سالکین جو تجلیاتِ ذاتیہ سے بہرہ ور ہونے کی بناء پر بھی باہوش اور ہوشیار ہی رہتے ہیں اس قسم کے منتہی سالکوں کو راجعین کہا جاتا ہے جو نبوت و رسالت کی نیابت وخلافت کے طور پر مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت پر فائز المرام ہوتے ہیں انہی حضرات کو کامل مکمّل (بکسر میم ثانی) کہا جاتا ہے۔ والحمدللہ علی ذالک

مقام رضا فوق جمیع مقامات ولایت است وحصول اینمقام

مقام رضا جمیع مقامات ولایت سے بالا ہے [1] یہ بلند مقام

عالی بعد از تمامیٔ سلوک وجذبہ است اگر پرسند کہ رضا

سلوک و جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے اگر پوچھیں کہ ذات حق

از ذات حق سبحانہ و از صفات اوتعالیٰ واز افعال اوسبحانہ

سبحانہ اس تعالیٰ کی صفات اور اس سبحانہ کے افعال سے

[1] اس منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مقام رضا اور اس کی اقسام کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل مقام رضا ان دس مقامات میں سے آخری مقام کا نام ہے جو حصولِ ولایت کیلئے لازم ہیں، ان دس مقامات کو مقامات عشرہ کہا جاتا ہے جس کا پہلا مقام، مقام توبہ ہے۔

رضا ایسی سعادت عظمیٰ اور دولت قصویٰ ہے جو حق تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کبریٰ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ورضوان من اللّٰہ اکبر (التوبہ ۷۲) سے عیاں ہے جس کا حصول سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے اور یہی مقام رضا، تجلی ذات حق تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مقام رضا کے متعلق رقمطراز ہیں:

در رضا رفع کراہت فعل ایلام محبوب است یعنی رضا محبوب

واجب ست ودرنفس ایمان ماخوذ پس عامه مومنان را از

رضا واجب ہے اور نفس ایمان میں ماخوذ لہٰذا عام مومنوں کو اس سے

ان چاره نبود پس حصول آنرا بعد از تمامی سلوك و

چارہ نہیں پھر اس (رضا) کا حصول سلوک و جذبہ

جذبه معنی چه باشد؟ درجواب گوئیم که رضا را صورتیست

کے تمام ہونے کے بعد کیا معنی رکھتا ہے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ رضا کی ایک

کی الم دہی سے کراہت دور کرنے کا نام ہے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۴۴)

❁......کسی شخص نے حضرت شیخ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اسئلك الرضاء بعد القضاء (اے اللہ میں تجھ سے قضا کے بعد رضا کی درخواست کرتا ہوں) کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے یہ دعا مانگی تھی کہ قضا سے قبل راضی برضا ہونا رضا پر عزم کرنا ہے اور حقیقی رضا، قضا کے بعد ہوتی ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

❁......اہل طریقت نے حقیقت رضا کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر اعتراض نہ کیا جائے جیسا کہ مقولہ ترك الاعتراض علی القضاء سے واضح ہے اور اسی حقیقت کو پالینے کے بعد رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه (البقرہ ۱۵۵) کا مژدہ ملتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مقام رضا کے حصول کیلئے درج ذیل دعا کے تکرار کی تلقین فرمایا کرتے تھے چنانچہ جو شخص اس دعا کا صبح و مساء تکرار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حقدار ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی علیٰ

صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے رضینا باللہ رباً و بالاسلام دینا و بمحمد رسولاً (ابوداؤد ۲/۳۳۶) یادر ہے کہ اہل رضا کو ہی ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ذاق طعم الایمان من رضی باللہ تعالیٰ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولاً (صحیح مسلم ۱/۴۷) سے واضح ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور مقام رضا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز پر اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں حکومت وقت نے بے دریغ مظالم ڈھائے ...... آپ کو قید و بند کی ایذائیں دی گئیں ...... سرائے و آستانہ عالیہ اور باغ و کتب خانہ وغیرہا املاک کو نذر آتش کر دیا گیا ...... صاحبزادگان و مریدین کو بے حد ستایا گیا ...... آپ کے خلفاء اور مریدین خاص کو جلاوطن کیا گیا ...... آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے ...... علمائے سوء اور صوفیائے خام نے آپ کے خلاف تحریکیں چلائیں ...... آپ کے مکتوبات شریفہ کی عبارات کو غلط معانی کا لباس پہنا کر جھوٹے پراپیگنڈے کیے گئے ...... آپ کی کرامات کو جادوگری کا نام دیا گیا ...... لیکن آپ نے صبر و استقامت کی چٹان بن کر ان تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ فرمایا اور جذبہ ء تسلیم و رضا کے پیکر اتم بن کر رضا بالقضاء کی لازوال مثال قائم فرمائی چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''اگر محبوب، محب کے حلق پر چھری بھی چلا دے اور اس کے ایک ایک عضو کو جدا کر دے تو بھی محب اس میں اپنی بہتری اور بہبودی تصور کرے''۔

(مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۳۳)

وحقیقتے دررنگ سائر ارکان ایمان در اوائل تحقق

صورت ہے اور ایک حقیقت[2] تمام ارکان ایمان کی مانند۔اوائل میں صورت کا

صورتست ودرنہایت تحقق حقیقت وچوں منافی رضا

تحقق ہے اور نہایت میں حقیقت کا تحقق اور جب کسی شخص سے رضا کے

ظاہر نشود ظاہر شریعت حکم بحصول رضا می فرماید

منافی ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت، حصول رضا کا حکم فرما دیتی ہے۔

دررنگ تصدیق قلبی کہ چوں منافیٔ تصدیق یافتہ نشود

تصدیق قلبی کی مانند کہ جب تصدیق کے منافی نہ پائی جائے تو

حکم بحصول تصدیق می کنند ومانحن بصددہٖ حصول

حصول تصدیق کا حکم کر دیتے ہیں الغرض ہم حقیقت رضا کے حصول کے درپے

حقیقة الرضا لا صورته والله سبحانه اعلم

ہیں نہ کہ اس کی صورت کے اللہ سبحانہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

[2] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح دیگر ارکان ایمان جیسے صورت اسلام، حقیقت اسلام، صورت ایمان، حقیقت ایمان وغیرہا کی صورت اور حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی دو قسمیں ہیں

صورتِ رضا اور حقیقت رضا

عامۃ المسلمین کو اگر صورت رضا حاصل ہوتی ہے تو اہل اللہ عبادت وریاضت کے ذریعہ حقیقت رضا کو حاصل کرتے ہیں تاکہ ہر قسم کا تکلف وتعمل وتصنع مرتفع ہو جائے

اور وہ ریاء و دکھلاوے اور شرک اصغر سے محفوظ ہو جائیں اور کل جنت میں دست قدرت سے شراب طہور کے جام پر جام لنڈھائیں اور مست و بے خود ہو جائیں جیسا کہ آیہ کریمہ و سقٰھم ربھم شرابا طھورا (دھر) سے عیاں ہے۔

منہا-۵۵

سعی باید کرد کہ عمل بہ سنت میسر شود واجتناب از

کوشش کرنا چاہئے کہ سنت پر عمل کرنا میسر ہو اور بدعت سے

بدعت علی الخصوص بدعتے کہ رافع سنت باشد قال

پرہیز خصوصاً ایسی بدعت جو رافع سنت ہو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ

علیہ الصلوٰۃ والسلام من احدث فی دیننا ھذا فھورد عجب

والسلام نے فرمایا جو شخص ہمارے اس دین میں نئی بات داخل کرے وہ مردود ہے

مے آید از حال جماعۃ کہ دردین باوجود اکمال واتمام

تعجب ہوتا ہے ایسی جماعت کے حال پر جو دین میں باوجود مکمل اور پورا

آں چیز ہا احداث می کنند و بآں محدثات تکمیل دین

ہونے کے نئی چیزیں داخل کرتے ہیں اور ان محدثات کے ذریعہ دین کی

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سنت کے اکتساب اور بدعت سے اجتناب کی تلقین فرمارہے ہیں۔

دراصل سنت نبوی اور متابعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوات بندۂ مومن کیلئے محبت خدا جل سلطانہ اور کفارۂ سیئات کا موجب ہے۔ اسی کی بدولت بندۂ مومن نزول رحمت اور دخول جنت کا حقدار ٹھہرتا ہے......اسی کی برکت سے بندۂ مومن کو ظاہری و

میجویند وباک ندارند از انکه مبادا ازیں مخترع رفع

تکمیل کی تلاش کرتے ہیں اور نہیں ڈرتے اس امر سے کہ کہیں اس نو ایجاد بات

سنت شود مثلاً ارسال فش بین الکتفین سنت است

سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا

جمعے ارسال فش رادر جانب یسار اختیار کردہ اند و

سنت ہے لیکن ایک جماعت نے شملہ کو بائیں جانب لٹکانا اختیار کرلیا ہے اور

بایں عمل تشبہ بموتٰی منظور داشتہ وخلق کثیر بایشاں

اس عمل کے ذریعے مردوں کے ساتھ مشابہت منظور کرتے ہیں اور بے شمار لوگ

دریں فعل اقتدا نمودہ ندانستہ اند کہ ایں عمل رفع سنت

اس فعل میں ان کی اقتداء کر رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہ عمل رفع سنت کر

باطنی کمالات اور صوری ومعنوی برکات حاصل ہوتی ہیں......اس کے باعث بندۂ مومن کو انبیاء واصدقاء اور شہداء وصلحاء کی معیت وسنگت میسر ہوتی ہے......سنت ہی بندۂ مومن پر حریم قدس جل سلطانہ تک رسائی کا واحد ذریعہ اور ابواب غیب کے کھلنے کا وسیلہ ہے جیسا کہ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ومن یطع اللہ والرسول کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یصلون بسلوکہ جناب القدس ویفتح ابواب الغیب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم یعنی سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت ہی علمائے راسخین اور عرفائے کاملین کو حریم قدس جل سلطانہ تک رسائی نصیب ہوتی ہے اور ان پر غیب کے ابواب واہوتے ہیں

مینماید و از سنت ببدعت میبرد و بحرمت میرساند تشبه

رہا ہے اور سنت سے بدعت کی طرف لے جا رہا ہے اور حرمت تک پہنچا رہا ہے

بمحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بہتر ست

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت

یاتشبہ بموتی اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کہ

اچھی ہے یا مردوں کے ساتھ۔ حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم ایسی

مشرف شدہ بموتے کہ پیش ازموت است اگرتشبہ

موت سے مشرف ہوئے جو موت سے قبل ہوتی ہے اگر وہ میت کے ساتھ

بمیت جویند ہم باوسزاوار ست عجب کار است کہ در

مشابہت کی جستجو کرتے ہیں تو بھی آں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ کے سزاوار ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم و معارف عطا فرماتا ہے جن کا اسے علم نہیں ہوتا۔

عمدۃ المفسرین حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن کو سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت چار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

۱...... صالحین کے قلوب میں اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۲...... فاسقین کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی جاتی ہے۔

۳......اس کے رزق میں وسعت و برکت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۴...... اسے دین متین کی فقاہت عطا کر دی جاتی ہے۔ (روح البیان)

حضرت خواجہ حکیم سنائی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سنت مبارکہ کی ترغیب وتشویق

کفن میت عمامہ ہم بدعت ست چہ جائے فش او و

عجب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں عمامہ بھی بدعت ہے چہ جائے کہ اس کا شملہ ہو اور

بعضے ازمتاخران کہ عمامہ در کفن میت کہ از علما

بعض متاخرین (علماء) میت کے کفن میں عمامہ جبکہ وہ علماء

باشد مستحسن داشتہ اند نزد فقیر زیادتی کردن نسخ

میں سے ہو مستحسن جانتے ہیں فقیر کے نزدیک زیادتی کرنا نسخ ہے

ست ونسخ عین رفع **ثبتنا اللّٰہ سبحانہ علیٰ متابعۃ السنۃ**

اور نسخ عین رفع ہے اللہ سبحانہ ہمیں ثابت قدم رکھے روشن سنت

السنیۃ المصطفویۃ علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام ویرحم

مصطفویہ کی متابعت پر اس (سنت) کے مصدر پر درود و سلام ہو اور اللہ

اللّٰہ عبداً قال امینا

رحم فرمائے اس بندے پر جو آمین کہے

ولاتے ہوئے فرماتے ہیں

گرد نعل اسپ سلطانِ شریعت سرمہ کن
تا بود نور الٰہی با دو چشمت مقترن
مژہ در چشم سنائی چون سنانے باد تیز
گر سنائی زندگی خواہد زمانے بے سنن

مِنہا-۵۶

روزے احوال جنیاں را بریں درویش منکشف ساختند

ایک روز جنات کے حالات اس درویش پر ظاہر فرمائے گئے

دید کہ جنیاں در کوچ ہا در رنگ مردم می گردند و

دیکھا کہ جنات گلیوں میں انسانوں کی طرح پھر رہے ہیں اور

برسرہر جن فرشتہ است موکل وآن جن از ترس موکل

ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ جن اپنے مؤکل کے خوف

زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز جنات کے حالات کے متعلق اپنے ایک مکاشفہ کا تذکرہ فرمارہے ہیں جنات کے متعلق قدرے تفصیلات ہدیہء قارئین ہے۔

جن جمع ہے اسکا واحد جنی ہے جیسے روم کا واحد رومی ہے

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ لغت عرب میں جــن کا معنی ستر اور خفا ہے۔ جن کو جن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی نظروں سے مستور اور مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ انه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم سے عیاں ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لفظ جن کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اصل الجن سترا لشيء عن الحاسة یعنی کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہا جاتا ہے۔ اس مادہ سے کئی مشتقات بنتے ہیں جن میں یہ معنی موجود

خود سر نمی تواند برداشت ویمین و یسار خود نظر نمی
سر نہیں اٹھا سکتا اور اپنے دائیں بائیں نہیں دیکھ
تواند انداخت دررنگ مقیدان ومحبوساں گشتند و
سکتا قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح گھوم رہے ہیں اور
اصلا مجال مخالفت نداشتند الا ان یشاء ربی شیئا ۔
بالکل مخالفت کی مجال نہیں رکھتے بجز اس کے کہ میرا رب جو چاہتا ہے

ہے جیسے شکم مادر میں پوشیدہ حمل کو جنین، سینے میں پوشیدہ دل کو جنان اور دشمن کے وار و حملہ سے چھپانے والی ڈھال کو مجنة کہا جاتا ہے۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ جنات کے متعلق اہل سنت کا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الجن اجسام ذات ارواح کالحیوان عاقلة کالانسان خفیة عن اعین الناس ولذا سمیت جنا خلقت من النار کما خلق آدم من طین...... تتصف بالذکورة والانوثة وتتوالد والظاهر ان الشیاطین منهم بخلاف الملائکه فانهم لا یتصفون بالذکورة ولا بالانوثة ووجود الجن والشیاطین والملائکة ثابت بالشرع وانکره الفلاسفه

یعنی جن اجسام ہیں ان میں حیوان کی مانند ارواح ہوتی ہیں، انسان کی طرح عقل مند ہوتے ہیں، لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہوتے ہیں اسی لئے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ یہ آگ سے بنائے گئے ہیں جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یہ نر مادہ ہوتے ہیں ان کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے شیاطین انہی میں سے ہیں بخلاف فرشتوں کے کیونکہ وہ مذکر اور مؤنث نہیں ہوتے۔ جنات، شیاطین اور ملائکہ کا

ودراں وقت چناں معلوم می شد کہ گویا بردست موکل

اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مؤکل کے

گرزیست آہنی کہ اگر از جن اندك مخالفت احساس

ہاتھ میں آہنی گرز ہے کہ اگر کسی جن سے تھوڑی سی مخالفت محسوس

نماید بیك ضرب کار او را کفایت کند

کرے ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے۔

وجود شریعت مطہرہ سے ثابت ہے لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کو اپنے انداز میں یوں بیان فرمایا ہے: ان الروحانیین ثلاثة اخیار وهم الملائکه واشرار وهم الشیاطین واوساط فیهم اخیار واشرار وهم الجن یعنی روحانی مخلوق کی تین اقسام ہیں ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہے وہ ملائکہ ہیں دوسری قسم وہ ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں وہ شیاطین ہیں تیسری قسم درمیانی درجہ کی ہے جن میں کچھ اخیار ہیں اور کچھ اشرار ہیں اور وہ جن ہیں۔ (مفردات امام راغب)

حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور جنات کو ٹھیکری کی مانند بجنے والی مٹی اور شعلہ زن آگ سے تخلیق فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ خلق الانسان من صلصال کا لفخار ٥ وخلق الجآنّ من مارج من نار (الرحمان) سے واضح ہے جنات حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل پیدا کیے گئے جیسا کہ حدیث خلق الجن قبل ادم بالفي عام (لقط المرجان فی احکام الجان) سے عیاں ہے۔

جس طرح انسان گارے اور بجنے والی مٹی سے مخلوق ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان کی حقیقت گارا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی اصل گارا ہے......

خدائے کہ بالا و پست آفرید
خدا نے بالا اور پست کو بنایا
زبردست ہر زیر دست آفرید
ہر زیردست پر زبردست بنایا

ایسے ہی جنات کی اصل نار ہے اس لئے شیاطین پر شہاب اور شعلے برسائے جاتے ہیں تا کہ وہ اسرار الٰہیہ کا سراغ نہ لگا سکیں۔ اس شعلہ باری سے انہیں تکلیف ہوتی ہے نیز ان کے لئے عذاب سعیر تیار کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ و جعلنا ھا رجوما للشیاطین و اعتدنا لھم عذاب السعیر (الملک) سے عیاں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خلق اللّٰہ الجن ثلا ثۃ اصناف، صنف حیات وعقارب وخشاش الارض وصنف کالریح فی الھواء وصنف علیھم الحساب والعقاب یعنی اللہ تعالیٰ نے جنات کو تین قسموں پر پیدا فرمایا ہے ایک قسم سانپ، بچھو اور حشرات الارض ہیں ایک قسم فضا میں ہوا کی مانند ہے ایک قسم وہ ہے جس پر حساب وعذاب ہے۔ (لقط المرجان فی احکام الجان)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جنات کے پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتے ہیں ایک قسم سانپ اور کتے ہیں اور ایک قسم جو سفر اور قیام کرتے ہیں۔ (مستدرک ۲ ۴۵۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الکلب الاسود شیطان کالا کتا شیطان ہے۔ (ترمذی کتاب الصید)

اور سیاہ رنگ کتے کو مار ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فاقتلوا منھا کل اسود بھیم فانہ جنھا (صحیح مسلم کتاب المساقات) سے عیاں ہے۔

جسم انسانی پر جنات کا تسلط اور شیاطین کا تصرف

جسم انسانی پر جنات کے تسلطات اور بدن انسانی میں شیاطین کے تصرفات کتاب وسنت سے ثابت ہیں چند آیات مقدسہ اور احادیث نبویہ پیش خدمت ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یاکلون الربو لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس یعنی جولوگ سود کھاتے ہیں وہ روز قیامت اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھوکر مخبوط الحواس کر دیا ہوں (البقرہ ۲۸۵)

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے:

واذکر عبدناایوب اذ نادی ربه انی مسنی الشیطان بنصب و عذاب یعنی ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے کہ جب انہوں نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے بڑی اذیت اور سخت تکلیف پہنچائی ہے۔ (ص ۴۱)

روایت میں ہے:

عطا بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں تجھے جنتی عورت نہ دکھاؤں میں نے عرض کی کیوں نہیں انہوں نے کہا یہ حبشی عورت ہے جو بارگاہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوات میں حاضر ہوئی اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرے کپڑے کھل جاتے ہیں آپ میرے لئے دعا فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کرو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تمہیں عافیت عطا فرمائے گا اس عورت نے عرض کیا میں صبر کرتی ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرے کپڑے نہ کھلیں فدعالها

آپ نے اس کیلئے دعا فرمائی۔ (بخاری ۲/۸۴۴)

یہ امر واضح رہے کہ جنات انسان کی زبان پر کلام کرتے اور ہوا اور سانس کی مانند جسم انسانی میں دخول کرتے ہیں۔

حضرات امام احمد بن حنبل، علامہ ابن قیم حنبلی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ محمود آلوسی بغدادی جیسے اکابرین امت انسانی جسم اور اعضا پر جنات کے تصرفات وتسلطات کے قائل ہیں۔

مسکین بے تمکین راقم السطور کا یہ چشم دید واقعہ ہے کہ ایک عورت جس پر جنات کے اثرات کی وجہ سے دورا پڑا ہوا تھا ہمارے آقائے ولی نعمت سراج العارفین حضرت علامہ ابوالبیان رحمۃ اللہ علیہ ظہر کی باجماعت نماز سے فارغ ہوکر مسجد مبارک کے ہال سے باہر تشریف لائے تو صوفی کرامت علی مجددی کو فرمایا صوفی صاحب اس عورت کو کیا ہے عورت کے لواحقین نے عرض کیا کہ حضور اسے جن تنگ کرتے ہیں حضور قبلہ عالم نے صوفی صاحب کو فرمایا جاؤ اس عورت کے پاس جاکر ہمارا نام لو اور کہو کہ اسے تنگ نہ کرو چلے جاؤ صوفی صاحب نے ایسا ہی کہا وہ عورت فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی اس قسم کے متعدد واقعات احباب بیان کرتے ہیں جو ان کے ساتھ خود بیتے ہیں۔ (مرتب)

منہا-۵۷

ولی ہر کمالے کہ می یابد وبہردرجہ کہ می رسد بطفیل

ولی جو کمال بھی پاتا ہے اور جس درجہ پر پہنچتا ہے اپنے

متابعت نبی خود ست علیہ الصلوۃ والسلام اگر

نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی متابعت کے طفیل اگر نبی

متابعت نبی نمی بود نفس ایمان رونمی نمود و راہ

کی متابعت نہ ہوتی نفس ایمان ظاہر نہ ہوتا اور

بدرجارت علیا از کجا می کشود پس اگر ولی را

اعلیٰ درجات کا رستہ کہاں سے کھلتا لہٰذا اگر ولی کو جزوی

فضلے از فضائل جزئیہ حاصل شود کہ نبی راحاصل

فضیلتوں میں سے کوئی فضیلت حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھی

نبودہ ودرجۂ خاص از درجات علیا میسر شود کہ نبی

اور اعلیٰ درجات میں سے کوئی درجہ خاص میسر ہو جو نبی

نہ داشتہ باشد نبی را نیزازاں فضل جزئی و ازان درجۂ

نہیں رکھتا تھا نبی کو بھی اس جزوی فضیلت اور اس خاص

خاص نصیب کامل است چه حصول آں کمال بواسطۂ

درجہ سے کامل حصہ ملتا ہے [1] کیونکہ اس کمال کا حصول اس

[1] زیر نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ولی کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جزوی فضیلت کا تذکرہ فرمار ہے ہیں۔ دراصل جب کوئی بندۂ مومن شریعت محمدیہ اور سنت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو بجالاتا، اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو عنایت ایزدی سے اس پر فضل وفتوحات کے در کھلتے ہیں بنا بریں اسے بلند ترین درجات ومقامات وکمالات نصیب ہوتے ہیں جن میں اس بندۂ مومن (ولی) کو اگر نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت حاصل ہو جائے تو ایسا روا اور جائز ہے کیونکہ اس ولی کو یہ کمال ومرتبہ اپنے نبی کریم علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کی متابعت بجالانے سے حاصل ہوا ہے۔ اس لئے نبی کریم علیہ السلام کو اس کمال سے پورا پورا حصہ حاصل ہوگا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات من سن سنة حسنة فی الاسلام فله اجرها واجر من عمل بها (مشکوٰۃ ۳۳) سے عیاں ہے لیکن ولی اس کمال کے حصول میں گو مقدم اور پیش رو ہے مگر خادم، متبع اور امتی ہوکر اسے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے جہاں اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ ہمسری کا شائبہ بھی نہیں کیونکہ ہمسری کا دعوی کفر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۸۷)

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ولی کی نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت کے متعلق رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

بلے فضل کلی بر کل مخصوص بآں سرور ست علیہ و علی الہ الصلوٰۃ والسلام اما کمالے باشد کہ راجع، بفضل جزئی بود رواست کہ مخصوص بہ بعضے انبیائے کرام و ملائکہ عظام

متابعت آں نبی است و نتیجہ است از نتائج اتباع

نبی (علیہ السلام) کی متابعت کے واسطہ سے ہے اور نتیجہ ہے ان کی

سنت او پس ناچار نبی را ازاں کمال بہرۂ تمام باشد

سنت کی پیروی کے نتائج میں سے پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ ملتا ہے

کماقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا و

جیسا کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اسے

باشد علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات وہیچ قصورے
درفضل کلی او نہ کند علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام
دراحادیث صحاح آمدہ است کہ بعضے ازکمالات درافراد
امتاں باشد کہ انبیاء غبطہ آن نمایند علیہم الصلوات
والتسلیمات وحال آنکہ فضل کلی مر انبیاء راست برجمیع
افراد امتاں ونیز در حدیث آمدہ است کہ شہداء فی سبیل
اللہ بہ چند چیز برانبیاء مزیت دارند شہداء را احتیاج بغسل
نیست وانبیاء را غسل باید داد و برشہداء نماز جنازہ نیامدہ
است چنانچہ مذہب امام شافعی ست وبرانبیاء نماز جنازہ
باید کرد ودر قرآن فرمودہ کہ شہداء را شما موتی نہ پندارید
کہ احیاء اند وانبیاء راموتی فرمودہ این ہمہ فضائل جزئیہ اند
قصورے درفضل کلی انبیاء ندارند (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۲)

یعنی ہاں کل پر کلی فضیلت آنسرور علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص

اجر من عمل بها لیکن ولی در حصول ایں کمال سابق

اسکا اجر بھی ملتا ہے اور اسکا ثواب بھی ملتا ہے جو اس طریقہ پر عمل کرتا ہے۔لیکن ولی اس کمال

ست و در وصول بایں درجه مقدم و ایں قسم فضل ولی

کے حصول میں پیش رو ہے اور اس درجہ تک رسائی میں مقدم اور اس قسم کی فضیلت

را برنبی جائز داشته اند که جزئی است که مجال معارضه

ولی کی نبی پر (علماء) جائز رکھتے ہیں کیونکہ یہ جزوی (فضیلت) ہے جو کلی (فضیلت)

بکلی ندارد وآنچه صاحب فصوص می گوید که خاتم

کا مقابلہ کرنے کی مجال نہیں رکھتی اور وہ جو صاحب فصوص کہتے ہیں کہ خاتم

ہے لیکن وہ کمال جو جزوی فضیلت کی طرف راجع ہیں جائز ہے کہ وہ بعض انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہوں اور ان علیہ وعلی الہ الصلوۃ والسلام کی فضیلت کلی میں کوئی قصور واقع نہ ہو۔احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ امتیوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات بھی رشک کرتے ہیں۔

عن عمر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان من عباد اللّٰه لاناساً ماهم بانبیاء ولا شهداء یغبطهم الانبیاء والشهداء یوم القیامة بمكانهم من اللّٰه قالوا یارسول اللّٰه تخبرنا من هم قال هو قوم تحابوا بروح اللّٰه علی غیر ارحام بینهم ولا اموال یتعاطونها فواللّٰه ان وجوههم لنور وانهم لعلی نور لایخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء هذه الایة الا ان اولیاء اللّٰه لاخوف

علیھم و لا ھم یحزنون (مشکوٰۃ ۴۲۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالٰی کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انبیاء وشہداء نہیں لیکن روز قیامت بارگاہ الوہیت میں ان کے مقامات عالیہ کو ملاحظہ فرما کر انبیائے کرام اور شہداء عظام علیہم الصلوات ان پر رشک فرمائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بتایئے کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو رحم کے رشتوں اور مالی لین دین کے علاوہ فقط رضائے الٰہی کیلئے باہم محبت کریں گے۔ قسم بخدا انکے چہرے نورانی ہونگے اور ان کے اوپر نور ہوگا وہ نہیں ڈریں گے جب لوگوں کو خوف ہوگا۔ وہ غم نہیں کھائیں گے جبکہ لوگ غمگین ہونگے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم و لا ھم یحزنون) حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کو امتوں کے تمام افراد پر کلی فضیلت حاصل ہے نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوات پر فضیلت ومزیت رکھتے ہیں (ذکر القرطبی فی تفسیرہ روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اکرم اللّٰہ تعالٰی الشھید بخمس کرامات لم یکرم بھا احد من الانبیاء و لا انا (تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی) شہداء کو غسل کا احتیاج نہیں اور انبیائے کرام علیہم الصلوات کو غسل دینا چاہئے ...... شہداء کیلئے نماز جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء کرام کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے ...... اور قرآن مجید میں فرمایا کہ شہداء کو مردہ نہ جانو کہ وہ زندہ ہیں (و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً بل احیاء عندربھم یرزقون) اور انبیائے کرام علیہم الصلوات کو موتی فرمایا (انک میت وانھم میتون) یہ سب جزوی فضائل ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوات کے فضل کلی میں کوئی قصور (کمی) پیدا نہیں کرتے۔

ایک مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز یوں رقمطراز ہیں ملاحظہ ہو!

ہیچ ولی ازاولیائے این امت کہ خیر الامم است باوجود افضیلت پیغمبر خویش بمرتبۂ ہیچ نبی از انبیاء نرسد اگرچہ اورا بواسطۂ متابعت پیغمبر خویش ازمقام ما بہ الا فضلیت نصیبے حاصل شود فضل کلی انبیاء راست اولیاء طفیلی اند

(مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۸۷) یعنی یہ امت جو خیر الامم ہے کے اولیاء میں سے کوئی ولی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے باوجود نبیوں علیہم الصلوات میں سے کسی نبی علیہ السلام کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اگر چہ اسے (ولی) اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وساطت سے وہ مابہ الافضیلت مقام حاصل ہوا ہے پھر بھی کلی فضیلت انبیاء علیہم الصلوات کو ہی ہے اولیاء علیہم الرحمۃ والرضوان طفیلی ہیں۔

عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہُ العزیز کا اس سلسلہ میں ایک سوال کا جواب ملاحظہ ہو!

سوال: آنکہ یقررومبیّن ست کہ فضلِ کُلّی مرانبیاء راست علیہم الصلوات والسلام برجمیع افراد است ودر حدیث صحیح آمدہ است کہ بعضے کمالات دربعضے افراد امت ست کہ مَزّیت برانبیاء دارد **کالشُّھَدآء فی سبیل اللّٰہ** احتیاج بغسل ندارندوبلفظ موتٰی نخواندہ وانبیاء بغسل محتاج اندولفظ موتٰی خواندہ ،

جواب: این فضل راجع بفضل جزئی ست کہ دراں محذور نیست ہر حائك وحجام بصنعت برعالم ذی فنون فضل دارد و فضل کلی مرانبیاء وعالم را ست یعنی یہ امر مسلم اور واضح ہے کہ انبیائے

کرام علیہم الصلوات کو تمام افراد امت پر کلی فضیلت حاصل ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بعض کمالات بعض افراد امت میں ایسے ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوات پر فضیلت و مزیت رکھتے ہیں جیسا کہ شہداء فی سبیل اللہ غسل کی حاجت نہیں رکھتے اور وہ لفظ موتی سے نہیں پکارے جاتے اور انبیائے کرام علیہم الصلوات (بعد از وصال مبارک) غسل کے محتاج ہیں اور ان کے لئے لفظ موتی بولا جاتا ہے......اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت جزوی فضیلت کی طرف راجع ہے کہ اس میں کوئی استحالہ نہیں ہر جولاہا اور حجام اپنے ہنر و پیشہ کے اعتبار سے صاحب فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے اور کلی فضیلت انبیائے کرام علیہم الصلوات اور عالم کیلئے ہے۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۲۴)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہُ العزیز اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر یوں رقمطراز ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!

یعنی کلی فضیلت تو انبیائے کرام علیہم الصلوات کو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم پر حاصل ہے اور کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا لیکن جزوی فضیلت میں کوئی تنازع نہیں ہے۔ اگر بعض فضائل و معارف ولی ہی کیلئے خاص ہوں تو وہ کلی فضیلت کا باعث نہیں ہوتے یہ جائز بلکہ واقع ہے جب ولی اور نبی علیہ السلام میں جزوی فضیلت واقع ہوتی ہے تو اگر نبی بعض فضائل و معارف میں رسول (علیہ السلام) کی بنسبت مخصوص ہو تو یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا اگرچہ کلی فضیلت رسول کیلئے ہوگی جیسا کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا قصہ ہے۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۳۶)

واضح رہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد آپ کو غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو علم نہ تھا کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا کپڑوں سمیت غسل دیا جائے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ دوران اونگھ حجرہ مقدسہ کے ایک کونے سے یہ آواز سنائی دی اَنْ غَسِّلُو ارسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم و علیہ ثِیَابہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر غرس کے نہایت پاکیزہ پانی میں بیری کے پتے ملا کر غسل دیا گیا۔ تکفین کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم چند مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور السلام علیك ایھاالنبی ورحمة اللّٰہ وبر کاتہ کے کلمات طیبہ کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوات میں سلام نیاز وعقیدت پیش کیا بعدازیں صفیں بنا کر بغیر امام کے نماز جنازہ ادا کی حضرت سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پہلی صف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑے ہوئے اور بارگاہ ایزدتعالیٰ جل سلطانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ احکام، جہاد فی سبیل اللہ اور آپ کی رأفت ورحمت کی شہادت دیتے ہوئے یوں گویا ہوئے

اللھم انّا نشھدانّہ' قدبلغ ماانزل الیہ و نصح لأمتہٖ وجاھد فی سبیل اللّٰہ حتی اعزّاللّٰہ دینہ' ......فانہ کان بالمومنین رؤفاً رحیماً...... الخ سے عیاں ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگ رہے تھے اور دوسرے لوگ یہ دعائیہ کلمات سن کر آمین کہہ رہے تھے۔ یونہی سب مردوخواتین بچوں اور غلاموں نے بغیر امام کے گروہ در گروہ اپنے آقا و مولیٰ کے حضور حاضری دی۔

تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب لوگوں نے امام کے بغیر نماز جنازہ ادا کی اور بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھنے کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود امام الاولین والآخرین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور امام الاولین والآخرین کی موجودگی میں اور کون امام بن سکتا ہے؟۔

(السیرۃ النبویہ لا بن کثیر بحوالہ ضیاء النبی جلد چہارم)

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ العزیز حیات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اور آپ کے تصرفات کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

''حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا تعلق جس طرح حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا اور جس طرح حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کے تصرفات جاری تھے ویسے ہی اب بھی جاری ہیں یہی معنی ہے حیات النبی علیٰ صاحبہا الصلوات ہونے کا اور اسی وجہ سے قطب، غوث، ابدال، اوتاد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوتے رہیں گے (ذکر خیر)

الانبیاء علوم ومعارف را از خاتم الولایت اخذ میکنند

الانبیاء علوم و معارف خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں [۲]

راجع بایں معرفت است کہ ایں فقیر را بآں ممتاز ساختہ

اسی معرفت کی طرف راجح ہے کہ جس سے اس فقیر کو ممتاز فرمایا گیا ہے

اند وسراسر موافق شریعت است وشراح فصوص در

اور (وہ) سراسر شریعت کے موافق ہے فصوص کے شارحین

تصحیح آں تکلف نمودہ اند وگفتہ اند کہ خاتم الولایت

اس کی تصحیح میں تکلف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خاتم الولایت،

خزینہ دار خاتم النبوت است اگرپادشاہ از خزینہ خود

خاتم النبوت کا خزانچی ہے اگر بادشاہ اپنے خزانہ سے کوئی

چیزے بگیرد ہیچ نقص لازم نیاید **وحقیقۃ الامر ما حققتہ**

چیز لےتو کوئی نقص لازم نہیں آتا اور حقیقت معاملہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کی ہے

[۲] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز، حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز کے ایک قول اور اس قول کے شارحین کی شرح پر تبصرہ فرمارہے ہیں جس میں ابن العربی قدس سرہٗ العزیز نے خود کو خاتم الولایت کہا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء علیٰ صاحبہا الصلوات علوم ومعارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں۔ فصوص الحکم کے شارحین نے حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز کے اس قول کی توجیہہ کرتے ہوئے تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخ بمنزلہ خزانہ دار ہے اور حضور

ومنشأ التكلف عدم الوصول بحقيقة المعاملة والله سبحانه

اور اس تکلف کا منشاء حقیقت معاملہ تک عدم وصول ہے اللہ سبحانہ

اعلم بحقائق الامور كلها والصلوٰة والسلام على سيد البشر

تمام امور کے حقائق کو زیادہ جاننے والا ہے حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

واله الاطهر

اور آپ کی آل اطہر پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں۔ اگر بادشاہ کو خزانہ سے کوئی چیز مطلوب ہوتو وہ خزانچی سے ہی لیتا ہے۔ حضرت ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کے اس قول کی وجہ سے علمائے کرام نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ (شرح مکتوبات قدسی آیات حصہ ششم ۵۲۵)

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے حضرت ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کے اس قول کی ایسی توجیہہ فرمائی ہے جو شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہے جس میں ولی کو نبی علیہ السلام پر جزوی فضیلت حاصل ہے جبکہ کلی فضیلت نبی علیہ السلام کیلئے ہی ہے اور اس جزوی فضیلت کو کلی فضیلت کا مقابلہ ومعارضہ کرنے کی مجال نہیں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے شیخ ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کے اس قول (خاتم النبوت این علوم ومعارف را از خاتم الولایت اخذمی نماید) کی تعبیریوں بھی بیان فرمائی ہے وھو ھذا

سیر ابن العربی قدس سرہٗ العزیز سیر تفصیلی تھی جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر اجمالی ہے کیونکہ محبوبوں کی سیر، سیر اجمالی ہوتی ہے تاکہ بجلد حریم قدس جل سلطانہ تک انکی رسائی ہوجائے جبکہ سیر تفصیلی کے ذریعے کوئی بھی بارگاہ قدس جل سلطانہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات کے ظلال اوران کی تفصیلات غیر متناہی اور

لامحدود ہیں بنابرآں اگر کوئی تفضیل یا کسی صفت کا ظل شیخ ابن عربی یا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے کسی دوسرے فرد کی وساطت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکشوف ہوتا ہے وہ محل اعتراض اور لائق تردید نہیں ہوگا کیونکہ جو کمال بھی امت کو حاصل ہوتا ہے وہ کمال اس امت کے نبی علیہ السلام کو بھی ملتا ہے۔خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات اصل کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں ان کی شان، ظلال سے بہت بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ظلال کی طرف التفات نہیں فرماتے ۔پس اگر کوئی ظل یا تفضیل امتیوں کے واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکشوف ہو جائے تو یہ محلِ اعتراض نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی خدمت ہے جو خادموں کی وساطت سے مخدوموں کو پہنچتی ہے اور اس قسم کی خدمات، خادم کیلئے سبب افتخار اور باعث سعادت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی سپہ سالار کی وساطت سے کوئی علاقہ فتح ہوتو وہ درحقیقت بادشاہ کی شان و شوکت، سامانِ حرب وضرب اور لشکر شاہی کی وساطت سے ہی فتح ہوتا ہے، سپہ سالار کو محض جزوی فضیلت حاصل ہوتی ہے یونہی امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں سے اگر کسی کو کوئی کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ومتابعت کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے۔

منہا-۵۸

ولایت ولی جزئیست از اجزائے ولایت نبی او علیہ
ولی کی ولایت حصہ ہے اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی اجزائے ولایت کا

الصلوٰۃ والسلام ولی را ہر چند درجات علیا میسر شود
ولی کو کتنے ہی اعلیٰ درجات میسر ہو جائیں

آں درجات جزئیست از اجزائے درجات آں نبی
وہ درجات اس نبی کے اجزائے درجات کا ایک جزو ہی ہونگے

زیرنظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ ولی کی ولایت، نبی علیہ السلام کی ولایت کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے چہ جائے کہ نبوت پر ولایت کی عظمت وفضیلت کا قول کیا جائے جیسا کہ مشہور مقولہ الکل اعظم من الجزء (کل جز سے بڑا ہوتا ہے) سے واضح ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ایک مقام پر ارقام پذیر ہیں۔

نبوت افضل باشد از ولایت خواہ ولایت نبی باشد خواہ ولایت ولی یعنی نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت

(مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۹۵)

لیکن اس حقیقت کا سمجھنا ارباب سکر پر دشوار ہے مستقیم الاحوال اکابر ہی اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں (مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۱۰۸) کیونکہ اولیائے کرام کی

خواہد بود جز ہر چند عظمت پیدا کند کمتر از کل

جز کتنی ہی عظمت پیدا کر لے کل سے کم تر ہو گا

خواہد بود کہ **الکل اعظم من الجزء** قضیہ بدیہیہ است

کیونہ کل جز سے بڑا ہوتا ہے بدیہی قضیہ ہے احمق ہے وہ

ولایت حق تعالیٰ کے ظلال صفات سے تعلق رکھتی ہے جبکہ ولایت انبیاء، صفات سے مربوط ہے لیکن نبوت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ذات حق تعالیٰ کی معرفت سے ممتاز ہے۔ جب تمام ولایتیں اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ وصول سے قاصر ہیں تو مقام ولایت، مقام نبوت کے ساتھ قابل قیاس ہی نہیں، تفضیل ولایت کا قول صوفیائے کرام کی نارسائی کی بنا پر ہے، اگر ان کی کمالات نبوت تک رسائی ہو جاتی تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔ ع چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

طاؤس الفقراء حضرت شیخ ابونصر طوسی قدس سرہٗ العزیز اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

ولایت اور صدیقت انوارِ نبوت سے روشن ہیں اس لئے یہ ابد تک نبوت سے ملحق نہیں ہو سکتے ہیں تو یہ نبوت سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟۔ (کتاب اللمع، البینات جلد دوم مکتوب ۷۷)

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز اپنی تصنیف لطیف میں "الکلام فی تفضیل الانبیاء علی الاولیاء" کا باب باندھ کر اس کے تحت اپنا مؤقف یوں تحریر فرماتے ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ ہو

جملہ مشائخ طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ اولیاء طریقت، انبیائے کرام کی متابعت کرنے والے اور ان کی دعوت کے مصدق ہوتے ہیں فلہٰذا انبیائے عظام علیہم الصلوات، اولیائے کرام سے فاضل تر ہیں کیونکہ نہایت ولایت، نبوت کی ابتداء ہوتی ہے اور جملہ انبیائے کرام ولی ہوتے ہیں مگر اولیاء کرام میں کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اولیائے

احمقے باشد کہ کلانی جز را تخیل نمودہ از کل افزوں

شخص جو جز کی بڑائی کا خیال کر کے کل سے زیادہ جانے

داند کہ کل عبارت ازاں جزء اجزائے دیگر است

کیونکہ کل دیگر اجزاء کے علاوہ اس جز سے بھی عبارت ہے

کرام پر طاری احوال انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے مستقل مقام ہوتے ہیں اور جو اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کیلئے مقام ہوتا ہے وہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کیلئے حجاب ہوتا ہے۔ یہی علمائے اہل سنت اور محققین طریقت کا متفقہ فیصلہ ہے بلکہ ''یك نفس انبیاء فاضل تر از ہمہ روز گار اولیاء'' یعنی نبی علیہ السلام کا ایک سانس مبارک بھی ولی کی ساری زندگی سے فاضل تر ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح مراتب اولیاء، لوگوں کے ادراک سے نہاں ہوتے ہیں ایسے ہی مراتب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تصرف اولیاء سے نہاں ہوتے ہیں۔

(کشف المحجوب فارسی ۲۵۹ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز لاہور)

علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک کوئی بھی بندۂ مؤمن (ولی) خواہ کتنا ہی بڑا عابد وزاہد ہو، کسی نبی علیہ السلام کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ امام العقائد حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ ارقام پذیر ہیں لا یبلغ ولی درجة الانبياء (عقائد نسفی) سے عیاں ہے کیونکہ اولیائے کرام جن کمالات سے متصف ہوتے ہیں انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات ان کمالات سے بدرجہ اتم متصف ہونے کے علاوہ مزید ایسے اوصاف وکمالات کے حامل ہوتے ہیں جن سے اولیائے کرام محروم ہوتے ہیں اور وہ کمالات یہ ہیں۔

۱......حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں بخلاف اولیائے کرام کے کہ وہ معصوم نہیں البتہ محفوظ ہوتے ہیں۔

۲......انبیائے عظام علیہم الصلوات سوء خاتمہ سے مامون ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ایسا معاملہ نہیں ہوتا البتہ ان کے نیازمندوں کو اکابردین اور اپنے مشائخ طریقت کے سلامتی خاتمہ کا ظن غالب اور علم اطمینان رکھنا چاہئے۔

۳......حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ فرشتوں کے مشاہدہ سے مکرم ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوتا۔

۴......حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کمالاتِ اولیائے عظام سے متصف ہونے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ احکام اور ہدایت انام پر مامور ہوتے ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین براہِ راست ان امور کی انجام دہی پر مامور نہیں ہوتے۔(شرح عقائد،شرح فقہ اکبر،مکتوبات معصومیہ وغیرہا)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں

ولایت ایمان اور ولایت احسان

ولایت ایمان کبائر کے ارتکاب سے زائل نہیں ہوتی جبکہ ولایت احسان و امتنان ارتکاب کبائر سے باقی نہیں رہتی جبکہ نبی علیہ السلام صغائر وکبائر کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اس لئے مرتبہء نبوت سے معزول نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی موت سے نبوت زوال پذیر ہوتی ہے۔ (التمہید ۷۷)

مِنہا-۵۹

صفات واجبی تعالت وتقدست سه قسم اند،قسم اول

[1] صفات واجب تعالت و تقدست تین قسم کی ہیں قسم اول

صفات اضافیه اند کالخالقیة والرازقیة و قسم ثانی

صفات اضافیہ ہیں جیسے خالقیت اور رازقیت اور قسم دوم

صفات حقیقیه اند امّا رنگے از اضافت دارند کالعلم

صفات حقیقیہ ہیں لیکن اضافت کا رنگ (جھلک) رکھتی ہیں ۔جیسے علم

والقدرة والارادة والسمع والبصر والکلام و قسم ثالث

قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام اور تیسری قسم

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز صفات ثبوتیہ ذاتیہ کی اقسام ثلاثہ کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صفات باری تعالیٰ کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔و باللہ التوفیق

حق تعالیٰ جل سلطانہ صفات کے ساتھ موصوف اورنعوت کے ساتھ منعوت ہے۔نعوت جمع ہے نعت کی ،صفات جمع ہے صفت کی اور اسماء جمع ہے اسم کی ۔علمائے اہلسنت و جماعت کے نزدیک صفت اور نعت میں کوئی فرق نہیں البتہ صفت اور اسم میں فرق ہے۔

حقیقت صرف است کالحیوة فانه لامزج فیه من الاضافة
حقیقت صرف ہے جیسے حیات پس اس میں اضافت کا امتزاج نہیں
ونعنی بالاضافة التعلق بالعالم وقسم ثالث اعلائے اقسام
اور اضافت سے ہماری مراد عالم کے ساتھ تعلق ہے اور قسم سوم تینوں قسموں
ثلاثہ است وجامع ترین جمیع اقسام واز اسہات صفات
میں سے اعلیٰ اور تمام قسموں میں جامع ترین ہے اور امہات صفات سے ہے

صفت کی تعریف

الصفة ان یعرف الموصوف به عن غیره یعنی صفت یہ ہے کہ جس کے ذریعے موصوف اپنے غیر سے جدا پہچانا جائے۔

اسم کی تعریف

اسم علامت کو کہا جاتا ہے اور لفظ اسم سمۃ سے مشتق ہے۔ اہل لغت کے نزدیک اسم کی تعریف یہ ہے کہ مایشار به الی المسمّٰی یعنی اسم وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے مسمی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جبکہ اہل تحقیق و اصول کے نزدیک حد الاسم مایعلم المسمّٰی به عن غیره یعنی اسم وہ شئی ہے کہ جس کی بدولت مسمی اپنے غیر سے جدا معلوم ہو۔ (تمہید ابی شکور سالمی ۲۷)

بنیادی طور پر صفات باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں:

صفات سلبیہ اور صفات ثبوتیہ

صفت علم باوجود جامعیت تابع صفت حیات است

صفت علم جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع ہے

ودائرہ صفات وشیونات بحیات منتہی می گردد و

صفات اور شیونات کا دائرہ حیات پر ختم ہوتا ہے اور

دروازۂ وصول بمطلوب ہم اوست وچون صفت حیات

مطلوب تک وصول کا دروازہ بھی یہی ہے اور جب صفت حیات

صفات سلبیہ

یہ وہ صفات ہیں جو حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس سے یہ صفات مسلوب ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ لیس کمثلہ شئی سے عیاں ہے بلکہ حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمایا ہے لیس کمثلہ شئی فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الافعال

صفات ثبوتیہ

یہ وہ صفات ہیں جو حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات میں موجود اور ثابت ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ

یہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی قدیم، حقیقی اور کمالی صفات ہیں جن کا ذات اقدس سے انفکاک محال ہے۔ علمائے متکلمین اہلسنت کے نزدیک صفات ذاتیہ حقیقیہ کی تعداد آٹھ ہے جنہیں صفات ثمانیہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں حیات، علم، کلام، سمع، بصر،

فوق صفت علم ست لاجرم وصول بآں موطن بعد از
صفت علم سے بالا ہے اور لامحالہ اس مقام تک وصول مراتب
طی مراتب علم خواہد بود علم ظاہر باشد یا باطن
علم طے کرنے کے بعد ہوگا علم ظاہر ہو یا علم باطن،

قدرت، ارادہ اور تکوین۔ علمائے اشعریہ کے نزدیک تکوین صفات ذاتیہ میں شامل نہیں ہے ان کے ہاں آٹھویں صفت قدم ہے۔ (تمہید ۴۵)

صفات ذاتیہ کی بھی دو قسمیں ہیں

۱...... وہ صفات باری تعالیٰ جو وجود خارجی رکھتی ہیں جیسے صفات ثمانیہ متعارفہ

۲...... وہ صفات جن کا وجود خارجی نہیں بلکہ انتزاعی اور اعتباری ہے جیسے ازلیت، ابدیت، قدم، بقا، غنا وغیرہا

صفات فعلیہ

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری قدس سرہ العزیز صفات فعلیہ کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ھی التی یتوقف ظھورھا علی وجود الخلق یعنی صفات فعلیہ وہ صفات ہیں کہ جن کا ظہور وجودِ خلق پر موقوف ہے۔ (شرح فقہ اکبر ۲۱)

صفات فعلیہ، صفات ذاتیہ کے آثار ہیں یعنی صفات فعلیہ وہ ہیں جن کی ضد کے ساتھ حق تعالیٰ سبحانہ موصوف ہے جیسے حق تعالیٰ رحیم ہے اور اس کی ضد یہ ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ قہار بھی ہے صفات فعلیہ کی مثالیں تخلیق، ترزیق، تصویر، احیاء، اماتت، انعام، ایلام وغیرہا ہیں۔

حق تعالیٰ بذات خود موجود ہے

حضرت حق تعالیٰ سبحانہ نفس وجود اور تمام کمالات جو کہ وجود کے تابع ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، کلام اور تکوین میں خود بذات اقدس کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں اگرچہ صفات کاملہ زائدہ بھی حق سبحانہ کیلئے ثابت ہیں۔ پس حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے...... اسی طرح بذات خود زندہ ہے نہ کہ اپنی صفت حیات کے ساتھ...... بذات خود دانا ہے نہ کہ صفت علم کے ساتھ...... بذات خود بینا ہے نہ کہ صفت بصر کے ساتھ...... بذات خود شنوا ہے نہ کہ صفت سمع کے ساتھ...... بذات خود توانا ہے نہ کہ صفت قدرت کے ساتھ...... بذات خود مرید ہے نہ کہ صفت ارادہ کے ساتھ...... بذات خود گویا ہے نہ کہ صفت کلام کے ساتھ...... بذات خود ایجاد کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین کے ساتھ۔ اگرچہ وجود عالم صفت تکوین اور باقی صفات کی وساطت سے ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۲۶)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، وہ وجود خواہ عین (ذات) ہو یا زائد (از ذات) اور صفات واجب تعالیٰ اس کی ذات تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ حضرت شیخ علاؤالدولہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

فوق عالم الوجود عالم الملك الودود یعنی مالک ودود تعالیٰ کا عالم، عالم وجود سے بالا ہے۔ پس امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکان و وجوب، ماہیت و وجود کے درمیان نسبت کا نام ہے فلہٰذا جب وجود ہی

نہیں تو امکان و وجوب بھی نہیں ایں معرفت ورائے طور نظر و فکر است۔ (مکتوبات شریفہ دفتر دوم مکتوب ۲)

حضرت العلام نصر اللہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

ذاتِ حق تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے، وجود کے ساتھ موجود نہیں اور صفات حق تعالیٰ بھی وجود کے ساتھ موجود نہیں بلکہ ذات حق تعالیٰ کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ وجود کی وہاں گنجائش نہیں۔ جب اصل کی وہاں گنجائش نہیں تو امکان و وجوب جو کہ وجود کی فرع ہیں، اس کی کہاں گنجائش ہوگی؟

البتہ اتنا ہے کہ مفہوم تصوری میں ذات حق تعالیٰ وجوب کے مناسب ہے اور مفہوم تصوری میں صفات حق تعالیٰ امکان کے مناسب ہیں کیونکہ صفات ثمانیہ وجود و بقا میں ذات حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اگر چہ یہ اپنی ذات میں وجود و وجوب سے بلند ہیں۔

(شرح مکتوبات قدسی آیات دفتر دوم مکتوب ۲)

وجوب وجود آیا حق تعالیٰ کی صفت فعلی ہے یا صفت ذاتی ...... اس سوال کا جواب بیان کرتے ہوئے علامہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب وجود صفت فعلی ہے کیونکہ اضافت ہے اور وجوب، وجود کے ساتھ مضاف ہے بنابریں یہ صفات فعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے نہ کہ صفات ذاتیہ کے ساتھ اور صفات فعلیہ جنہیں صفات اضافیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ جزئیات و تفصیلات و ظلال ہیں صفت تکوین کی جو کہ صفات ذاتیہ حقیقیہ میں سے ہے۔ (مکتوبات قدسی آیات دفتر دوم مکتوب ۳، اسلامی عقائد ۴۷)

صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں جیسے ایک دس سے (حاشیہ مہر انور) اگر صفات کو عین ذات کہا جائے تو نفی صفات اور تعددِ قدماء لازم آتا ہے جو

توحید کے منافی ہے اور اگر صفات کو غیر ذات کہا جائے تو صفات کا حدوث وامکان اور ذات سے انفکاک لازم آتا ہے جو ذات حق تعالیٰ کے لئے جہل و عجز کے جواز کا موجب ہے حالانکہ صفات کا ذات سے انفکاک محال ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کا اس سلسلہ میں امتیازی مؤقف مذکور ہوا۔

حضرت علامہ قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک جواب یوں بیان فرمایا کہ قدیم کی دو قسمیں ہیں

قدیم بالذات اور قدیم بالغیر

صفات ثمانیہ قدیم بالذات نہیں بلکہ قدیم بالغیر ہیں جبکہ قدمِ ذاتی ذات حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فلہذا تعددِ قدماء بالذات لازم نہیں آتا اور صفات ثمانیہ قدیم بالذات نہیں ہوتیں۔ فافہم (ماخوذ از شرح مکتوبات قدسی آیات دفتر سوم مکتوب ۱۷)

صفت حیات کا اجمالی تذکرہ

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ ثمانیہ (امہات صفات) میں سب سے اعلیٰ، جامع ترین اور جملہ صفات کی امام صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ بذات خود زندہ و پائندہ اور دیگر مخلوقات کو زندہ رکھنے والا ہے۔ بقول شاعر

از صفاتش یکے حیات آمد
کہ امام ہمہ صفات آمد
او بخود زندہ است و پائندہ
زندگان دیگر باو زندہ

صفت علم اپنی جامعیت کے باوصف صفت حیات کے تابع ہے علامہ تفتازانی رقمطراز ہیں الحیوۃ وھی صفۃ ازلیۃ توجب صحۃ العلم یعنی حیات ایک

ازلی صفت ہے جو صفت علم وغیرہ کی صحت وامکان کا باعث ہے۔ ایک مقام پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں کہ شان الحیات ایسی عظیم الشان شان ہے کہ دیگر شیون وصفات اس کے پہلو میں ایسی نسبت رکھتے ہیں جیسے چھوٹی نہر کو دریائے محیط سے نسبت ہوتی ہے...... شیخ ابن العربی قدس سرہٗ العزیز آنجا کُلبہ دارد (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۷۲)

حیات سے حی ماخوذ ہے حق تعالیٰ حی مطلق ہے کہ اس کی حیات مخلوق کی حیات کی مانند نہیں بلکہ وہ تعالیٰ اول بلا ابتداء اور آخر بلا انتہاء ہے اور حی کا معنی زندہ دائم البقاء ہے جیسا کہ آیات کریمہ اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اور کل من علیھا فان ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلال و الاکرام سے عیاں ہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بدء الامالی میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یوں ارقام فرمایا ہے۔

هو الحی المدبر کل امر　　　هو الحق المقدر ذوالجلال

یعنی وہ زندہ ہے ہر امر کی تدبیر کرنے والا...... وہ حق ہے صاحب جلال جملہ امور کی تدبیر کرنے والا۔

صفت علم کا تفصیلی تذکرہ

یہ صفت حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے دوسری صفت ہے جس کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت نے تحریر فرمایا ہے ھی صفة ازلية تنكشف المعلومات عند تعلقھا بھا یعنی علم ایک صفت ازلی ہے جس سے معلومات اس صفت کے ساتھ تعلق قائم ہونے کے وقت منکشف ہوتی ہیں۔

صفت علم کی ازلیت پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر علم الٰہی ازل میں اس امر کے ساتھ متعلق تھا کہ زید گھر میں ہے تو یہ خلاف واقع ہونے کی بنا پر جہل ہوگا کیونکہ

ازل میں نہ وجودِ زید تھا اور نہ ہی کوئی گھر اور اگر علم الٰہی کا تعلق اس بات سے تھا کہ زید گھر میں داخل ہوگا تو زید کے دخولِ بیت کے بعد علم الٰہی اس امر کے ساتھ متعلق ہوگا کہ زید گھر میں داخل ہے اور اس کے خروج بیت کے بعد علم الٰہی اس امر سے متعلق ہوگا کہ زید گھر میں داخل نہ تھا فلہٰذا علم الٰہی میں تغیر لازم آیا جو تغیر حدوث کو مستلزم ہے اور حدوث ازلیت کے منافی ہے۔

جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ یہ تغیر تعلقات میں ہوا ہے نہ کہ صفت متعلقہ میں جیسے آئینہ کا تعلق کبھی انسان (گذرنے والے) سے ہوتا ہے کہ اس کی صورت کا عکس آئینے میں منعکس ہوتا ہے اور کبھی آئینہ کا تعلق گھوڑے سے ہوتا ہے کہ گھوڑے کی صورت آئینہ میں نظر آتی ہے تو تغیر تعلقات میں ہوا نہ کہ خود آئینہ میں، ایسے ہی تغیر تعلقات میں ہوتا ہے نہ کہ صفت علم میں۔ فافہم

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی قدس سرہُ العزیز حق تعالیٰ کی صفت علم کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

صفت العلم مراو راسبحانہ صفتے است قدیم وانکشافے است بسیط کہ معلومات ازل وابد باحوال متناسبہ ومتضادہ کلیہ وجزئیہ باوقات مخصوصہ ہر کدام درآن واحد دانستہ است کہ زید درفلاں وقت زندہ است ودر فلاں وقت مردہ یعنی صفت علم اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ایک قدیم صفت اور بسیط انکشاف وآگاہی ہے کہ جس سے ازلی وابدی معلومات کو ان کے باہم موافق احوال اور ایک دوسرے سے کلی وجزئی متضاد کیفیات کو ان کے اوقات مخصوصہ کے ساتھ آن واحد میں جان لیا کہ زید فلاں وقت میں زندہ اور فلاں وقت میں مردہ ہے۔ (مالا بدمنہ کتاب الایمان)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز صفت علم پر وارد ہونے والے اشکال کے

متعلق رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات وافعال اس کی ذات کی مانند بے چون و بے چگون ہیں جو ممکنات کی صفات وافعال کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ سبحانہ کی ایک قدیم صفت اور بسیط حقیقی ہے جس میں تعدد و تکثر کو ہرگز دخل نہیں ہے اگر چہ وہ تکثر تعددِ تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل وابد کی معلومات اسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ جمیع اشیاء کو ان کے احوال متناسبہ ومتضادہ کے ساتھ کلی وجزوی طور پر ہر ایک کے اوقات مخصوصہ کے ساتھ آنِ واحد میں بسیط جانتا ہے۔ اسی آن واحد میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی، جنین بھی جانتا ہے اور طفل وجوان وپیر بھی، زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی، قائم بھی جانتا ہے اور قاعد بھی، مستند بھی جانتا ہے اور لیٹا ہوا بھی، خنداں بھی جانتا ہے اور گریاں بھی، متلذذ بھی جانتا ہے اور متالم بھی، عزیز بھی جانتا ہے اور ذلیل بھی، برزخ میں بھی جانتا ہے اور عرصہء قیامت میں بھی، جنت میں بھی جانتا ہے اور تلذذات میں بھی۔ پس تعدد تعلقات بھی اس مقام میں مفقود ہیں کیونکہ تعدد تعلقات، تعدد اوقات وآنات اور تکثر زمانات کو چاہتا ہے اور وہاں ازل سے ابد تک ایک ہی آن واحد بسیط ہے جسمیں کسی قسم کا تعدد نہیں کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ ہی تقدم وتاخر جاری ہو سکتے ہیں لہٰذا حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ ایک ہی تعلق ہوگا جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے اور صفت العلم کی مانند بے چون و بے چگون ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز وممکن بلکہ واقع ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک ''کلمہ'' کو اس کے اقسام

متبائنہ، احوال متغائرہ اور اعتبارات متضادہ سے جانتا ہے اسی وقت میں کلمہ کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل اور حرف بھی، ثلاثی بھی جانتا ہے اور رباعی بھی، معرب بھی جانتا ہے اور مبنی بھی، متمکن بھی جانتا ہے اور غیر متمکن بھی، منصرف بھی جانتا ہے اور غیر منصرف بھی، معرفہ بھی جانتا ہے اور نکرہ بھی، ماضی بھی جانتا ہے اور مستقبل بھی، امر بھی جانتا ہے اور نہی بھی بلکہ جائز ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام واعتبارات کو کلمہ کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں بتفصیل دیکھتا ہوں۔ جب علم ممکن بلکہ دید ممکن میں جمع اضداد متصور ہے تو علم واجب تعالیٰ وللہ المثل الاعلی میں کیسے بعید ہوسکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اگر چہ یہاں جمع ضدین (تضاد) کی صورت ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت مفقود ہے کیونکہ اگر چہ حق تعالیٰ زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اسکے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سن ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے قبل عدم سابق کا وقت اس سے پہلے سال معین ہے اور اس کے وجود سے بعد عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے لہٰذا در حقیقت ان دونوں کے درمیان تغیر زمانہ سے کوئی تضاد نہیں ہے وعلی ھذ القیاس سائر الاحوال فافہم

اس تحقیق سے واضح ہوگیا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم اگر چہ جزئیات متغیرہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پاتا اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا کما زعمت الفلاسفہ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہوتا ہے کہ جب ایک کو دیگر کے بعد جانا ہو جب تمام کو آن واحد میں جان لے تو تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں رہتی پس اس امر کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے تعلقات متعددہ کا اثبات کیا جائے تا کہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف کما فعلہ بعض المتکلمین لدفع الشبہۃ الفلاسفہ ہاں اگر ہم تعدد

تعلقات کا اثبات معلومات کی جانب کریں تو گنجائش رکھتا ہے۔

(مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

حق تعالیٰ سبحانہ ہر عیاں و پنہاں، جزئیات وکلیات، موجودات ومعدومات، ممکنات و مستحیلات کو جانتا ہے یہاں تک کہ علویات وسفلیات میں ذرہ بھر چیز بھی علم باری تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آیات کریمہ عالم الغیب والشھادة وھو بکل شئی علیم اور ولا یحیطون بشئی من علمه الا بماشاء سے واضح ہے۔ بقول شاعر

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست
بر احوال نہ بودہ علمش بصیر
باسرار ناگفتہ لطفش خبیر

صفت علم کو ذات عالم کے ساتھ ایسا اتحاد واضمحلال ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہے یہاں سے احمد کا قرب احد کے ساتھ دریافت کرنا چاہئے نیز علم کے لئے ایک ایسا ذاتی حسن ہے جو دیگر صفات کے لئے ثابت نہیں ہے صفات باری تعالیٰ میں سے محبوب ترین صفت حق تعالیٰ کے نزدیک صفت العلم ہے چونکہ اس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے اس لئے حس اس کے ادراک سے قاصر۔ اس حسن کا ادراک تام عالم آخرت کے ساتھ وابستہ ہے جو مقام رؤیت ہے (جب رؤیت خدا تعالیٰ سے مشرف ہونگے جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں گے۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

بقول شاعر

محمد مصطفےٰ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے
اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی سمجھا
مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے

یہ امر ذہن نشین رہے کہ سالکین کو مبداء فیاض (حق تعالیٰ) سے دو قسم کا فیض پہنچتا ہے

۱......فیضِ تخلیقی ۲......فیض کمالاتی

فیض تخلیقی

یہ فیض انسان کی ایجاد و تخلیق کا باعث ہوتا ہے جو اسے صفات کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔

فیض کمالاتی

یہ فیض انسان کے ایمان و معرفت اور کمالات نبوت و ولایت کا سبب ہوتا ہے جو بعض حضرات کو صفات کی وساطت سے ملتا ہے اور بعض نفوس قدسیہ کو شیونات کی بدولت میسر ہوتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء فیض تخلیقی صفات (اضافیہ) ہیں اور مبداء فیض کمالاتی شیونات (شان العلم) ہیں جیسا کہ آیات کریمہ الرحمن ٥ علم القرآن ......و علمك مالم تكن تعلم ٥ اور رب زدنی علماً سے عیاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبدأ فیض کمالاتی میں ساری مخلوق سے ممتاز و منفرد ہیں اور اس مرتبے میں آپ کا کوئی بھی شریک نہیں۔ حضرت شیخ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا

منزه عن شريك فى محاسنه
فجوهر الحسن فيه غير منقسم

انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیائے کاملین

علم شریعت باشد یا طریقت و کسے کہ داخل آں

علم شریعت ہو یا علم طریقت اور ۲ جو کوئی اس دروازہ سے داخل

دروازہ شدہ است اقل قلیل است از پس کوچہا

ہوا ہے وہ اقل قلیل ہے کوچوں کے پیچھے سے

نظر ہا بدرون انداختہ اند و آں جماعہ ہم اقلان اند اگر

اپنی نگاہیں اندر ڈالتے ہیں اس جماعت کے لوگ بھی بہت ہی قلیل ہیں اگر

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو آپ کے اس مرتبہ شان العلم کے ظلال سے فیض ملتا ہے۔

(ماخوذ از البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ شان العلم اگرچہ شان الحیوۃ کے تابع ہے لیکن علم کو مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں صفات وشیون کے سقوط اعتبار کے بعد ایسی شان و گنجائش ہے جو حیوۃ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ یہ ایسا بلند مرتبہ ہے جو جمیع نسبتوں سے مجرد ہے اور اطلاق نور کے علاوہ اپنے اوپر کچھ بھی تجویز نہیں فرماتا میرے خیال میں علم ہی کی وہاں گنجائش ہے مگر یہ علم وہ نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کیونکہ یہ علم اپنی دونوں قسموں (حصولی و حضوری) کے ساتھ حیاۃ کے تابع ہے بلکہ وہ علم حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی مانند بے چون و بے کیف ہے اور سراسر شعور بے چون ہے جس میں عالم و معلوم کا اعتبار نہیں۔ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۶)

۲ صفت حیات کے دروازہ تک رسائی حاصل کرنے والے سالکین و عارفین کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو حریم حیات کے اندر باہر ہی گلی کوچوں سے اندر جھانک لیتے ہیں یعنی انہیں سیر نظری حاصل ہوتی ہے اس قسم کے سالکین بھی اقل ہیں جبکہ کچھ

رمزے از اسرار ایں مقام گویم قطع البلعوم ومن

میں اس مقام کے اسرار میں سے ایک راز بیان کردوں تو گلا کاٹ دیا جائے۔

بعد ھذ ما یدق صفاته ...... وما کتمه احظے لدیه واجمل

ان (اسرار) کے بعداسکی صفات دقیق ہیں اوران (رموز خاصہ) کا چھپانا انسب اوراجمل ہے

والسلام علٰی من اتبع الھدی والتزم متابعة المصطفٰے علیه

سلامتی ہواس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے اور متابعت مصطفٰے (آپ صلی اللہ

وعلٰی اله الصلٰوۃ والسلام

علیہ وسلم پراورآپ کی آل پردرودوسلام ہو) کاالتزام کرے۔

عارفین حریم حیات میں اندرداخل ہوجاتے ہیں یعنی انہیں سیرقدمی میسر ہوتی ہے اس قسم کے عارفین اقل قلیل ہیں۔واللہ اعلم بحقیقة الحال

حضرت حق سبحانه وتعالیٰ از مثل منزه است لیس

[1] حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مثل سے منزہ ہے کوئی چیز

کمثله شئی امّا مثال جائز داشته اند ومثل تجویز نموده

اس کی مثل نہیں ہے لیکن مثال کو جائز قرار دیتے ہیں اور مثل تجویز کی ہے

ولله المثل الاعلیٰ ارباب سلوك واصحاب کشوف را تسلی

اور اللہ کے لئے بلند ترین مثل ہے۔ ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال

بمثال می دہند وآرام بخیال می بخشند بے چون را بمثال

سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو

---

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے تنزیہات باری تعالیٰ کا تذکرہ فرمایا ہے دراصل صفات باری تعالیٰ کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں

۱......صفات ثبوتیہ انہیں صفات ایجابیہ کمالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲......صفات سلبیہ انہیں صفات جبروتیہ جلالیہ بھی کہا جاتا ہے۔

صفات سلبیہ حق تعالیٰ سے مسلوب ہیں جیسے کہ آیات کریمہ لیس کمثله شئی وهو السمیع البصیر (شوریٰ ۱۱) ولله المثل الاعلیٰ وهو العزیز الحکیم (النمل ۶۰) هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شئی

چوں وا می نمایند وجوب را بصورت امکان جلوہ گر

چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر

میسازند بیچارہ سالک مثال را عین ذی مثال می انگارد

کرتے ہیں۔ بے چارہ سالک مثال کو صاحب مثال کا عین خیال کرتا ہے

وصورت را عین ذی صورت ازیں جاست کہ صورت

اور صورت کو صاحب صورت کا عین یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ

احاطہ حق سبحانہ وتعالیٰ رادراشیامی بیند ومثال آں

و تعالیٰ کی صورتِ احاطہ کو چیزوں میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ

علیم (حدید) اورارشادنبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اللھم انت الاول فلیس قبلك شئی وانت الآخر فلیس بعدك شئی (مسلم) سے واضح ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حق تعالیٰ نقص کی تمام صفات اور حدوث کے جمیع نشانات سے منزہ ومبرا ہے اور وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ، غنی مطلق، بے چون اور بے چگون (بے کیف) ہے اور کسی امر میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ جس طرح وجود میں محتاج نہیں اسی طرح ظہور میں بھی محتاج نہیں اور اس کی ذات وصفات اور افعال ممکنات کی ذات وصفات اور افعال کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے البتہ مشارکت اسمی اور مناسبت لفظی بحث سے خارج ہے۔ (ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

لایشبہ شیئاً من الاشیاء من خلقه و لایُشبهه شئیٌ من خلقه یعنی اللہ

احاطہ را در عالم مشاہدہ می نماید وخیال میکند کہ

کی مثال کو عالم میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ

مشہود حقیقت احاطہ حق است سبحانہ نہ چنیں است

مشہود احاطہ حق سبحانہ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے

بلکہ احاطۂ اوتعالیٰ بے چون وبے چگون ست ومنزہ

بلکہ اس تعالیٰ کا احاطہ بے چون و بے چگون ہے اور وہ منزہ ہے

است ازاں کہ درشہود درآید ومکشوف احدے گردد

اس سے کہ شہود میں آئے اور کسی پر مکشوف ہو

تعالیٰ اپنی مخلوقات میں کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز مخلوق میں سے اس تعالیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ۱۵)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

صفاتہ (تعالیٰ) فی الازل بلا کیف یعنی صفات باری تعالیٰ ازل سے ہی بے کیف ہیں۔ (فقہ اکبر)

عدم مشابہت و مماثلت کو بے چون کہا جاتا ہے بلا کیف کو بے چگون کہا جاتا ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مماثلت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

مماثلت ذاتی اور مماثلت صفاتی

چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر (اس کی مثل کی مانند بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے) حق تعالیٰ سبحانہ نے بلیغ ترین انداز سے اپنی

وایمان آریم کہ اوسبحانہ محیط است بہرشیے اما

اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سبحانہ ہر شئی کو محیط ہے لیکن

احاطہ او را ندانیم کہ چیست وآنچہ دانیم شبہ ومثال

اس کے احاطہ کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں

آن احاطہ است وہم برین قیاس است قرب اوتعالٰی ومعیت او

اس احاطہ کی شبہ ومثال ہے اور اسی پر قیاس ہے اس تعالٰی سبحانہ کا قرب اور

ذات کی مماثلت کی نفی فرمائی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل (مثل جیسی) کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہوسکتا تو اس کا مثل بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہٰذا کنایۃً اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں ابلغ ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اسے ثابت فرمایا ہے اور اس کے متصل ہی وھو السمیع البصیر فرمایا جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کرنا ہے جیسا کہ پہلے حصے (لیس کمثلہ شئی) سے ذاتی مماثلت کی نفی کی گئی ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق سبحانہ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت کلام اور ارادہ وغیرہا کا ہے۔ بس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ (معارف لدنیہ معرفت ۲۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات، صفات قدیم ہیں جبکہ ممکنات کی ذات، صفات حادث ہیں اور حادث، قدیم کے مماثل کیسے ہوسکتا ہے؟

سبحانہ کہ مشہود ومکشوف ازانہا شبہ ومثال است نہ

اس کی معیت کہ ان کا مشہود و مکشوف شبہ و مثال ہے نہ

حقیقت بلکہ حقیقت آنہا مجہول الکیفیت است

کہ اس کی حقیقت اس کی حقیقت مجہول الکیفیت ہے۔

مماثل کی دو قسمیں ہیں

مماثل موافق اور مماثل مخالف

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

ذات وصفات او (تعالیٰ) مخالف اند مرذات وصفات

مخلوقات را بہیچ وجہ مناسبت ندارند پس او سبحانہ منزہ

باشد ازمثل یعنی ازمماثل موافق واز ند یعنی از مماثل

مخالف یعنی حق تعالیٰ کی ذات وصفات مخلوقات کی ذات وصفات کے مخالف ہیں

کسی وجہ سے بھی مناسبت نہیں رکھتیں پس حق تعالیٰ سبحانہ مثل یعنی مماثل موافق سے بھی

منزہ ہے اور نِدْ یعنی مماثل مخالف سے بھی مبرا ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۱۶)

شیخ الاسلام علامہ دوسی قدس سرہُ العزیز نے اہلسنت و جماعت کا مؤقف یوں

بیان فرمایا ہے:

وَمَا التَّشْبِيْهُ لِلرَّحْمٰنِ وَجْهاً

فَصُنْ عَنْ ذَاكَ اَصْنَافَ الْاَهَالِ

یعنی خدائے رحمٰن سبحانہ کوکسی چیز سے تشبیہ دینا کوئی وجہ نہیں رکھتا بس ان عقائد

کے متعلق علمائے اہلسنت کے گروہوں کا مؤقف ملحوظ خاطر رکھ۔ اس شعر کا مطلب یہ

ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی امر میں بھی مخلوق سے مشابہت نہیں ہے چونکہ اثبات صفات سے شائبہ تشبیہ کا وہم ہوتا ہے اس لئے علامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ علمائے اہلسنت کے نزدیک صفات باری تعالیٰ ثابت ہیں مگر حق تعالیٰ سبحانہ مشابہت خلق سے منزہ ہے۔

گو حق تعالیٰ سبحانہ کی مثل نہیں ہو سکتی مگر علمائے کرام نے مثال اور مثل کو جائز کہا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ولله المثل الاعلیٰ (نحل ۶۰) سے عیاں ہے۔ اصحاب کشف سالکین طریقت کو (عالم) مثال سے تسلیاں دی جاتی ہیں، وہ بے مثل کو چون کی مثال میں جلوہ گر کرتے ہیں جس کی وجہ سے سالکین طریقت احاطہ، قرب ومعیت کا قول کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ہم حق تعالیٰ سبحانہ کے محیط اشیاء قرب ومعیت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس احاطہ، قرب ومعیت کی حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ حقیقت کیا ہے اسے سمجھنے سے ہماری فہمیں قاصر وعاجز ہیں اس کو احاطہ اور قرب علمی کہنا بھی تاویلات کے متشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

(ماخوذ از مکتوبات شریفہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ وغیرہا)

ایمان آریم کہ او تعالیٰ قریب است وباماست اما

ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے

ندانیم کہ حقیقت قرب ومعیت اوتعالیٰ چیست و

لیکن نہیں جانتے کہ اس تعالیٰ کے قرب اور معیت [2] کی حقیقت کیا ہے

تواند بود کہ آنچہ در حدیث نبوی آمدہ **علیہ وعلیٰ الہ**

ہو سکتا ہے کہ جو حدیث نبوی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل

الصلوات والتسلیمات یتجلی ربنا ضاحکا باعتبار صورت

پر درود وسلامتیاں ہوں) میں آیا ہے ہمارا رب ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا صورت

مثالی باشد چہ حصول کمال رضا در مثال بصورت

مثالی کے اعتبار سے ہو کیونکہ کمال رضا کا حصول مثال میں بصورت

ضحک نمودہ باشند واطلاق یدووجہ وقدم واصبع نیز

خندہ دکھاتے ہوں اور ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی ہو

تواند بود کہ باعتبار صورت مثالی باشد **ھکذا علمنی**

سکتا ہے کہ صورت مثالی کے اعتبار سے ہو میرے رب نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے اور

[2] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے معیت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

معیت عامہ اور معیت خاصہ

معیت عامہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ معیت حاصل ہے جیسا کہ

آیہ کریمہ وھو معکم (الحدید) سے واضح ہے جبکہ معیت خاصہ میں محبین بتقاضائے

ربی واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم و

اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مخصوص فرمالیتا ہے اور اللہ فضل عظیم والا ہے اور

صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد والہ وسلم وبارک

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود وسلام اور برکتیں نازل فرمائے

محبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات المرء مع من احب (مشکوۃ) سے عیاں ہے مگر دونوں معیتوں میں بڑا فرق ہے۔ معیت خاصہ میں دونوں طرف (حق تعالیٰ وخلق) کی معیت ثابت ہے جبکہ معیت عامہ میں معیت صرف اسی تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے ہے اس لئے عین وجدان میں بھی محرومی لازم ہے یاحسرتٰی علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ (زمر۶) ہائے افسوس! میری غفلت پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیوں کوتاہی کی)۔

(مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۲۶)

منہا - ٦١

اگر درعبارت آں عالی حضرت کہ دربیان احوال و

اگر ان عالی حضرت کی عبارت میں جو احوال و

مواجید و علوم ومعارف ست تناقضے وتدافعے مفہوم

مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں ہے[1] کوئی تناقص اور تدافع معلوم

گردد و حمل براختلاف اوقات وتنوع اوضاع باید

ہو اسے اوقات کے اختلاف اور کیفیات کے جدا ہونے پر محمول کرنا

[1] زیرِ نظر منہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ دورانِ سلوک سالکین پر علوم ومعارف کے تناقص اور تدافع کے اختلاف کو حالات وکیفیات کے اختلاف پر محمول کرنا چاہئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں احوال ووجدانات کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہم منہا میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

⊙ ...... احوال، حال کی جمع ہے قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز حال کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

حال وہ کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے قلب پر وارد ہوتی ہے اسے نہ اپنی کوشش سے روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے بہ تکلف وارد کیا جاسکتا ہے۔ جدالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام صاحب حال تھے نہ فراق پر نظر تھی کہ جرحناک ہوتے نہ وصال پر کہ فرحناک ہوتے۔ ستارگان، ماہتاب اور آفتاب سب مددگار حال

تھے مگر آپ رویت میں سب سے فارغ البال تھے۔ ہر چیز میں مشاہدہ حق ملاحظہ فرمارہے تھے اور یوں گویا تھے لا احب الآفلین

حال کے متعلق صوفیائے کرام کی آراء

مشائخ طریقت کے حال کے متعلق مختلف اقوال ہیں

- ......حضرت شیخ حارث محاسبی قدس سرہُ العزیز اوران کے متبعین دوامِ حال کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت، شوق، قبض اور بسط یہ سب احوال ہیں۔
- ......سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہُ العزیز اوران کے ہم نوا دوام حال کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں الاحوال کالبروق فان بقیت فحدیث النفسی یعنی احوال بجلیوں کی مانند ہوتے ہیں جنہیں دوام نہیں ہوتا ان کے دوام کا تصور حدیثِ نفس ہے۔
- ......بعض اہل طریقت فرماتے ہیں الحال سکوت اللسان فی فنون البیان یعنی صاحب حال کی زبان بیانِ حال سے ساکت ہوتی ہے البتہ اس کا معاملہ اس کی حقیقت حال سے عیاں ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ السوال عن الحال محال یعنی حال کا بیان کرنا محال ہے کیونکہ حال فنائے مقال ہے۔

(مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو البینات شرح مکتوبات جلد سوم مکتوب ۸۴)

وجدانات

یہ وجدان کی جمع ہے، وجدان کی تعریف کرتے ہوئے فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی علائی قدس سرہُ العزیز رقمطراز ہیں

الوجدان مایکون مدرکة بالحواس الباطنة یعنی وجدان وہ چیز ہے جس کا ادراک حواس باطنیہ کے ذریعے ہوتا ہے جیسے کسی شخص کے چہرے کی ہشاشت وبشاشت کو دیکھ کر علم ہوتا ہے کہ وہ شخص خوش وخرم ہے۔

نمود، چه در ہر وقتے احوال و مواجید علیحدہ است،

چاہئے [1] کیونکہ ہر وقت کے احوال و وجدانات علیحدہ ہوتے ہیں

ودر ہر وضعے علوم ومعارف جداست، پس فی

اور ہر کیفیت (حالت) کے علوم و معارف جدا ہوتے ہیں پس

الحقیقت تناقض وتدافع نباشد مثل ایں مثل

در حقیقت تناقض و تدافع نہیں ہوتا اس کی مثال

احکام شرعیہ است کہ بعد از نسخ و تبدیل احکام

احکام شرعیہ کی مانند ہے کہ منسوخ [2] اور تبدیل ہونے کے بعد تناقض

[2] یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علوم ومعارف کے اختلاف کو احوال و مواجید کے اختلاف کی بنا پر احکام شرعیہ کے نسخ کی مانند قرار دے رہے ہیں جو بظاہر متضاد ومختلف معلوم ہوتا ہے حقیقت میں تضاد نہیں ہوتا بلکہ بغور ملاحظہ کرنے سے اوقات وحالات کے مختلف ہونے کی بنا پر رفع ہو جاتا ہے جس میں شارع کی حکمتیں و مصلحتیں کا رفرما ہوتی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نسخ کی تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم منہا میں مزید سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم اپنی حکمت بالغہ اور مصلحت کاملہ کے ساتھ جس وقت اپنے بندوں کو جن احکام وافعال کے اکتساب کا حکم دیتا ہے وہ نہایت خوب واحسن اور ہر اعتبار سے سودمند اور فائدہ بخش ہوتے ہیں اور اس وقت انہی کی ضرورت اور انہی میں خیر وبرکت ہوتی ہے اور جن افعال کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے وہ نہایت قبیح اور نقصان دہ ہوتے ہیں اور ان سے اجتناب واحتراز میں ہی

متناقضه می نمایند وچوں اختلاف اوقات واوضاع

احکام نظر آتے ہیں اور جب اوقات اور اوضاع کے اختلاف

را ملاحظه نموده آید آں تناقض وتدافع مرتفع می گردد

کو ملحوظ رکھا جائے وہ تناقض اور تدافع اٹھ جاتا ہے

عافیت وسلامتی ہوتی ہے، مگر انسان ضعیف البنیان کی ضروریات وحالات وحادثات کے پیش نظر یا تو اس حکم کو سرے سے ہی اٹھا دیا یا اس میں مناسب تبدیلی کر دی جو رب تعالیٰ کی ربوبیت وحکمت کے عین مطابق تھی۔ جس سے نہ تو اللہ رب العالمین کا لاعلم ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے حکم شرعی کا ناقص ہونا لازم آتا ہے۔ امام المتکلمین حضرت علامہ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ جس طرح ایک ماہر اور حاذق طبیب کسی مریض کی تشخیص کر کے آج نسخہ تجویز کرے تو دوسرے روز مریض کے مزاج کے پیش نظر یا تو اس نسخہ کو بالکل بند کر دے گا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا نسخہ تجویز کر دے گا یا اسی نسخہ میں بقدر ضرورت وصحت مناسب تغیر وتبدل کر دے گا۔ جس طرح تبدیلی نسخہ سے طبیب کی حذاقت اور اس کے علم طبابت میں کوئی نقص وتفاوت پیدا نہیں ہوتا بلکہ نسخہ کا ردوبدل مریض کی موجودہ حالت پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح کسی حکم شرعی میں ردوبدل سے رب تعالیٰ کے علم کی طرف کوئی نقص عاید نہیں ہوتا بلکہ وہ مناسبت وقت کی بنا پر بندوں کے حسب حال ہوتا ہے۔

نظام کائنات میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں جیسے جب بچہ ایام طفولیت سے لیکر منتہائے شباب تک اپنی حیات کے مختلف مراحل ومدارج طے کرتا ہے تو اسے ہر مرحلہ پر احکام نسخ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی خوراک، لباس اور غذا وغیرہا کے احکام، رضاعت، طفولیت اور جوانی انتہائے شباب تک بدلتے رہتے ہیں۔ جب وہ

ولله سبحانه حکم ومصالح فی ذالک فلا تکن من الممترین

اور اللہ سبحانہ کی اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں لہٰذا تم شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جانا

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد والہ وسلم وبارک

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد اور آپکی آل پر رحمتیں، سلامتیاں اور برکتیں نازل فرمائے

جوانی کی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی طبعی خوراک، لباس اور غذا کا معیار متعین ہو جاتا ہے

شریعت مطہرہ کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی جو رسالت ونبوت کے مختلف ادوار میں نسخ کے مراحل طے کرتی ہوئی شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے دور میں اپنے منتہائے شباب کو پہنچ گئی۔ من حیث الشرع اس کا معیار متعین ہو جانے سے اس میں نسخ کا احتمال منقطع ہو گیا، پوری شریعت مطہرہ اور جمیع احکام عملیہ محکم قرار پا گئے۔ تمام انسانیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات مقرر ہو گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم سے عیاں ہے۔ رہا یہ امر کہ "الاحکام تتغیر بتغییر الازمان" (یعنی احکام تغیر زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں) سے شریعت مطہرہ میں نسخ ہرگز مراد نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں ایسے اصول وقواعد موجود ہیں کہ جن کے مطابق اہل بصیرت مجتہدین، احکام کا استنباط واستخراج کر سکتے ہیں ہر مدعی علم وبصیرت کا یہ منصب نہیں۔ یہ منصب فقط ان اصحاب فہم وفراست کیلئے مخصوص ہے جو من حیث المجموع اہل حق امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے نزدیک معتمد ہوں ورنہ نہیں۔ (التبیان وغیرہا)

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کے کلام قرآن مجید میں نسخ تو ضرور پایا گیا مگر یہ ہر قسم کے تعارض وتناقض اور اختلاف سے پاک ہے اور یہی صداقت قرآن کی بین دلیل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا

کثیراً سے عیاں ہے۔

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے متعلق رقمطراز ہیں:

النسخ لغة التبديل و شرعا بيان لانتهاء الحكم المطلق یعنی نسخ کا لغوی معنی تبدیل کرنا اور شرعی معنی حکم مطلق کی انتہاء بیان کرنا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱/۲۶۲)

صاحب نور الانوار یوں رقمطراز ہیں

شرع میں نسخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی حکم شرعی کی آخری مدت بیان کی جائے خواہ وہ حکم قرآن میں مذکور ہو یا حدیث میں اور اس کی جگہ نیا حکم لایا جائے۔ (نور الانوار ۲۱۲)

نسخ کی اقسام اربعہ

ناسخ کے اعتبار سے نسخ کی چار اقسام ہیں

۱۔ نسخ الکتاب بالکتاب ۲۔ نسخ السنۃ بالسنۃ

۳۔ نسخ السنۃ بالکتاب ۴۔ نسخ الکتاب بالسنۃ

نسخ الکتاب بالکتاب

قرآن کا نسخ قرآن سے، اسکی مثال یہ ہے کہ ابتدائی دور میں کفار سے درگذر کرنے کا حکم دیا گیا جیسے فاعفوا و اصفحوا حتى يأ تی الله بامره (البقرہ ۱۰۹) اور بعد میں کفار کے خلاف جہاد کی اجازت مل گئی جیسے قاتلوا المشركين كافة كما يقاتلو نكم كافة (توبہ ۳۶)

واضح رہے کہ نسخ انہی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں ہوتا ہے جن سے احکام شرعیہ ثابت تھے، واقعات یا قصص وحکایات میں نسخ نہیں ہوتا اور احکام میں نسخ واقع ہونا خدا تعالیٰ جل شانہ کی حکمت محضہ ہے جس سے اس کے علم میں تفاوت یا نقص عائد نہیں ہوتا تعالی اللّٰہ عن ذالك علواً کبیراً

نسخ السنۃ بالسنۃ

حدیث کا حدیث سے نسخ اسکی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا یعنی پہلے میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا لیکن اب تمہیں اجازت ہے بیشک زیارت قبور کے لئے جایا کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حکم جو زیارت قبور سے ممانعت کے متعلق تھا اب اس دوسرے حکم سے منسوخ ہو گیا۔

نسخ السنۃ بالکتاب

حدیث کا نسخ قرآن سے، اسکی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے (صحیح مسلم باب تحویل القبلہ)۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جو پہلے ثابت تھا اس آیت سے منسوخ ہو گیا فول وجھك شطر المسجد الحرام یعنی اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم! اب نماز میں منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ (البقرہ ۱۴۴)

نسخ الکتاب بالسنۃ

قرآن کے حدیث سے نسخ کی یہ قسم نہایت نازک اور اہم ہے۔ جس سے یہ مراد

ہرگز نہیں کہ حدیث مبارکہ کے ذریعے قرآن مجید کے متن یا اس کے حکم عام کو کلیۃً منسوخ کردیا جائے جیسا کہ آیہ کریمہ قل مایکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی (یونس ۱۵) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کلامی لا ینسخ کلام اللّٰہ (مشکوٰۃ ۳۲) سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام قاضی ابوزید حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ لم یوجد فی کتاب اللّٰہ مانسخ بالسنة (کتاب التحقیق باب النسخ) بلکہ اس نسخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم عام کے بعض افراد کو زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات خاص کردے۔ یہ تخصیص و تنسیخ خبر واحد سے نہیں بلکہ خبر مشہور اور خبر متواتر سے ہی ہوگی جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات الا انی اُوتیت القرآن و مثله معه (مشکوٰۃ ۲۹) سے مفہوم ہوتا ہے جسے قرآن مجید میں ''الحکمۃ'' سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو سنت بھی کہا جاتا ہے اور قطعی الثبوت سنت کتاب اللہ کے حکم میں ہی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محرم و محلل بنایا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث سے عیاں ہے۔ (الاعراف ۱۵۷) کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر قسم کی ھوایت وغوایت سے پاک ہیں جیسا کہ آیات کریمہ وما ینطق عن الهویٰ اور ماضل صاحبکم وما غویٰ سے واضح ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے

اُمّی پاک از ہویٰ گفتار او
شرح رمز ماغویٰ گفتار او

یہ امر ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید کے حکم عام کی تخصیص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے براہِ راست سماعت فرمائی اس لئے یہ تخصیص ان کے لئے قرآن مجید کی طرح ہی یقینی اور قطعی تھی

کیونکہ قرآن مجید اور یہ تخصیص دونوں وحی ہیں قرآن مجید وحی متلو ہے اور یہ تخصیص (حدیث) وحی غیر متلو ہے اور یہ دونوں زبان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات سے صادر ہوئی ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱...... قرآن مجید نے یہ حکم عام دیا کہ مسلمان مرد اپنی پسند کی چار شادیاں کر سکتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع سے عیاں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ علی، حیات فاطمہ رضی اللہ عنہما میں ابوجہل کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات واللّٰہ لا یجتمع بنت رسول اللّٰہ وبنت عدو اللّٰہ مکانا واحداً ابداً (ابوداؤد/ ۲۹۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ) سے عیاں ہے۔

۲...... قرآن مجید نے یہ حکم عام فرمایا کہ نزاعی معاملہ میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر فرمایا جیسا کہ آیہ کریمہ واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان سے واضح ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم عام سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا کہ خزیمہ کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ بحث وانکار و تکرار کے بعد اس نے کہا ھلم شھیداً گواہ لاؤ حضرت خزیمہ نے کہا انا اشھد انک قد بایعتہ فاقبل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی خزیمۃ فقال بم تشھد فقال بتصدیقک یارسول اللّٰہ فجعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شھادۃ خزیمۃ بشھادۃ رجلین یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے یہ خریدا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم کس

طرح گواہی دیتے ہو؟ عرض گذار ہوئے کہ یارسول اللہ! آپ کو سچا جانتے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر کر دیا۔

(ابوداؤد ۲/۱۵۲)

۳...... قرآن مجید کے عمومی حکم الوصیۃ للوالدین و الاقربین بالمعروف میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حقوق کی تعیین جب آیات میراث (النساء۱۱، ۱۲) سے ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وصیت کے حکم کی تنسیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ان اللّٰہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔

(ابوداؤد ۲/۴۸)

۴...... قرآن مجید کا عمومی حکم ہے کہ ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے جیسا کہ آیہ کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتاً (النساء۱۰۳) سے عیاں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں نماز عصر کو نماز ظہر کے وقت میں اور مقام مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں ادا کرنے کی تخصیص فرمادی جیسا کہ احادیث مبارکہ فجمع بین الظھر و العصر اور ان رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی المغرب و العشاء بالمزدلفۃ جمیعا (ابوداؤد ۱/۲۸۰، ۲۸۱) سے واضح ہے۔

۵...... قرآن مجید کا عمومی حکم ہے کہ اگر وارث کی ایک بیٹی ہو تو اسے میت کے ترکہ کا نصف ملے گا جیسا کہ آیہ کریمہ فان کانت واحدۃ فلھا النصف (النساء۱۱) سے عیاں ہے لیکن خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس عموم کی تخصیص کرتے ہوئے سیدہ عالمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے نصف حصہ عطا نہیں فرمایا کیونکہ ان کے پیش نظر ارشادات

نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا نورث ما ترکناہ صدقة یعنی ہم گروہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ امت پر صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ ۵۵۰)

دوسرے مقام پر ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات نے دینار اور درہم (سونا چاندی) ترکہ میں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی وراثت علم ہے۔(مشکوٰۃ ۳۴)

۶...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد امجاد کو اپنی اولاد قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری نسل میری لخت جگر (بیٹی) سے چلے گی جبکہ دوسروں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وعلی المولود له (البقرہ ۲۳۳) سے واضح ہے۔

ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

کل بنی ام ینتمون الی عصبة الا ولد فاطمة فانا ولیھم و عصبتھم یعنی ماں کے بیٹے اپنے وارث کی طرف منسوب ہوتے ہیں سوائے سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے کہ میں ان کا ولی اور وارث ہوں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۷۲)

ایک مقام پر یوں ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

ان اللّٰہ تعالٰی جعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب یعنی اللہ تعالیٰ نے میری ذریت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پشت میں رکھ دی ہے۔

(مجمع الزوائد ۹، ۱۷۵)

۷...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم قرآن کے اختصاص واستثناء کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا هلکت میں ہلاک ہو گیا فرمایا و ما شانك کیا بات ہے؟ عرض کی وقعتُ علی امراتی فی رمضان میں حالت روزہ میں اپنی بیوی سے صحبت کر بیٹھا، فرمایا فهل تجد ما تعتق رقبة کیا ایک گردن (غلام) آزاد کر سکتے ہو؟ عرض کی لا نہیں فرمایا فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین کیا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کی نہیں فرمایا فهل تستطیع ان تطعم ستین مسکینا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کی نہیں فرمایا اجلس بیٹھ جاؤ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عرق (پیمانہ) کھجوریں پیش کی گئیں فرمایا تصدق به انہیں خیرات کر دو۔ عرض گذار ہوا یا رسول اللہ دونوں سنگستانوں کے درمیان ہمارے گھر والوں سے تو کوئی بھی غریب نہیں (فی روایة یارسول اللّٰه ما احد احوج منی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے ارشاد فرمایا فاطعمه ایاهم انہیں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد ۱/۳۴۵)

قال العبد الضعيف الجامع لهذه النكات البديعة الرائعة

کہتا ہے بندہ ضعیف جامع ان عجیب و غریب بلند نکات کا

محمدالصدیق البدخشی الکشمی الملقب بالهدایة قد وقع الفراغ عن

محمد صدیق بدخشی کشمی ملقب بہ ہدایت کہ تحقیق اسے فراغت ہوئی ان

تسوید هذه المعارف العالية الشريفه المسمى بالمبدأو المعادفي

معارف عالیہ شریفہ کی تسوید سے جس کا نام مبداء و معاد ہے

اواخرشهر رمضان المبارک حين الاعتكاف سنة الف وتسعة عشر

ماہ رمضان المبارک کے آخر میں دوران اعتکاف ۱۰۱۹ھ میں۔

ایں نسخه که مبداء و معاد ست بنام

یہ نسخہ کہ جس کا نام مبداء و معاد ہے

ز انفاس نفیس حضرت فخر کرام

حضرت فخر کرام (امام ربانی) کے نفیس فرمودات میں سے ہے

چوں کرد ہدایت اقتباس از سر صدق

جب ہدایت نے اسے اخلاص سے اقتباس کیا

در سال ہزار و نوزدہ گشت تمام

ایک ہزار انیس میں مکمل ہو گیا